صراط الحمید

جلد دوم

الیاس برنی

U. 6664

وَهُدُوا إِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ وَهُدُوا إِلَى

صِراط الحمید

یعنی

سفرنامۂ حرمین شریفین

واقع

مکہ معظمہ مدینہ منورہ درحجاز

مؤلفہ

الحاج سلاح الدین محمد الیاس برنی

ام اے۔ ال ال۔ بی (علیگ)

حیدرآباد دکن

جلد دوم

باہتمام مولوی عبدالوہاب عندلیب

در مطبع برقی اعظم جاہی حیدرآباد دکن طبع شد

بار اول

جملہ حقوق محفوظ

قیمت ایک روپیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۷۸۶

تمہید

پہلی مرتبہ ۱۳۴۵ھ میں حج و زیارات کی سعادت نصیب ہوئی تو ہندوستان سے عراق گئے۔ بغداد شریف۔ نجف اشرف۔ کربلائے معلی۔ کاظمین شریفین سامرہ شریف۔ کل مقامات مقدسہ پر حاضر ہوئے۔ زیارات سے مشرف ہوئے۔ عراق سے شام آئے۔ دمشق میں کچھ دن قیام رہا۔ یہاں بھی کافی زیارات ہیں۔ اسلامی تمدن کا قدیم مرکز ہے۔ شام سے فلسطین گئے تو بیت المقدس حاضر ہوئے۔ یہاں کا کیا کہنا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام۔ حضرت اسحٰق علیہ السلام۔ حضرت یعقوب علیہ السلام۔ حضرت یوسف علیہ السلام۔ حضرت داؤد علیہ السلام۔ حضرت سلیمان علیہ السلام۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام خاص قدس شریف یا قرب و جوار میں بڑے بڑے انبیاء کے مزارات ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی یہیں تولد ہوئے۔ اور یہیں مقیم رہے۔ بہت سے آثار محفوظ ہیں۔ مسجد اقصیٰ۔ ہیکل سلیمانی۔ صخرہ شریف۔ یہ بھی بڑے زیارات ہیں۔ یہودی۔ عیسائی۔ مسلمان۔ تینوں ملتوں کا یہاں اتحاد ہے۔ فلسطین سے مدینہ

تمہید ہوتے ہوئے حجاز میں اول مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔ حضرت سید المرسلین۔ خاتم النبیین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا دربار۔ سبحان اللہ۔ حرم نبوی۔ روضہ اقدس۔ جنت البقیع۔ مسجد قبا۔ جبل احد۔ کیسے کیسے زیارات ہیں مدینہ منورہ سے رخصت ہو کر مکہ معظمہ حاضر ہوئے۔ حرم شریف میں حاضر ہوئے۔ بیت اللہ میں حاضر ہوئے۔ اللہ کے گھر پہنچ گئے۔ وہیں تو مسلمان کی یہ انتہائی منزل ہے۔ حج فریضہ ادا ہوا۔ فالحمد للہ۔ زیارات حج سے مشرف ہو کر بخیریت ہندوستان واپس آئے۔ اس کل سفر کے حالات۔ اور ساتھ ہی حج کے طور۔ طریق۔ احکام و مسائل بہت دلچسپ اور سلیس پیرایہ میں بہ ترتیب جدید ندائے الحمید جلد اول میں شائع ہو چکے ہیں۔ خاص خاص زیارات کی ایک درجن تصاویر بھی شامل ہیں۔ بفضلہ تعالیٰ یہ سفرنامہ کیا زبان کیا بیان بہ لحاظ سے بہت مقبول ہوا۔ چنانچہ اضافہ مضامین کے ساتھ اس کا جدید ایڈیشن سال میں شائع ہوا ہے۔

ماہ رمضان سنہ ۱۳۵۰ھ میں حضرت قبلہ والد ماجد علیہ الرحمۃ نے انتقال فرمایا قبل وصال اس ناچیز کو حج بدل کی وصیت فرمائی۔ مدینہ منورہ آستانہ نبوی پر حاضر ہونے کی تاکید فرمائی۔ اور ساتھ ہی حج و زیارت کے واسطے کافی رقم مخصوص فرما دی۔ چنانچہ اگلے ہی سال ذیقعدہ ۱۳۵۱ھ میں حج و زیارت کی غرض سے یہ ناچیز حرمین شریفین حاضر ہوا۔ اس سفر کے احوال پہلے سفر سے بالکل جداگانہ رہے۔ لہذا ان کو بھی قلمبند کر لیا۔ اور لطف یہ کہ دوران سفر ہی میں قلمبند کر لیا۔ خاص کر ایک ماہ اور چند یوم جو مدینہ منورہ میں حاضری رہی۔ تو فرصت کے اوقات میں سفرنامہ لکھتا رہا۔ اور بیشتر حصہ وہیں تحریر میں آیا۔ صرف آخری فصل جس میں واپسی کا ذکر ہے البتہ باقی رہ گئی تھی۔ کہ وطن پہنچکر

لکھ لوں گا۔ توقع تھی کہ واپسی کے بعد ہی یہ سفرنامہ جلد شایع ہو جائے گا لیکن عجب اتفاق کہ تمہید
سات سال گزر گئے اور طباعت کی نوبت نہ آئی۔ مسودہ یونہی پڑا رہا۔ بلکہ ایک مرتبہ تو شبہ
ہوا کہ گم ہو گیا۔ بارے خدا کا شکر ہے۔ تلاش کی تو وقت پر مل گیا۔ وجہ تاخیر یہ کہ واپسی کے
بعد ہی گوناگوں مصروفیتوں کا ہجوم ہو گیا۔ یہ کام وہ کام۔ علمی بھی انتظامی بھی۔ خانگی بھی
بیکاری بھی۔ پھر اسی زمانے میں قادیانیوں سے معرکے ہوئے جن کی تفصیلات ہماری تالیفات
"قادیانی مذہب" اور "قادیانی قول و فعل" میں ہیں وہ بھی میں۔ غنیمت کہ ع یک سر و ہزار سودا۔
اپنی تو اکثر یہی حالت رہی اور رہتی ہے۔ علمی منصوبوں میں کتنے کام ابھی تک شروع نہ ہو سکے۔
کتنے کام برسوں سے ادھورے پڑے ہیں۔ ان میں جو بہت خاص ہیں انکا اظہار و اعلان بھی
قبل از وقت مناسب نہیں۔ تاہم جو کام تکمیل پا چکے خدا کا شکر ہے پچیس (۲۵) کتابیں جو
شایع ہو چکی ہیں۔ یہ اسی کا فضل ہے۔ ؎

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

باقی کاموں کے واسطے بھی اسی کے کرم پر نظر ہے۔ چنانچہ خلاف توقع اب تو صراط الحمید جلد
دوم میں یہ سفرنامہ امسال شایع ہو گیا ع الحمد للہ ٹھکانے لگی محنت میری۔

صراط الحمید جلد دوم میں مکہ معظمہ مدینہ منورہ کے حالات بالخصوص اور حجاز
کے حالات بالعموم قدرے تفصیل سے درج ہیں۔ ساتھ ساتھ سفر کے ضمنیات
بھی بیان میں آ گئے ہیں۔ گرچہ بعد کو تغیرات بھی ہوئے لیکن اس زمانے کے حالات
اپنے اصلی رنگ میں پیش ہیں۔ تاکہ بعد کے حالات سے تقابل ہو سکے۔ جو امور
صراط الحمید جلد اول میں بیان ہو چکے ہیں۔ حتی کہ حج کے طور طریق۔ احکام و
مسائل۔ جلد دوم میں ان کا اعادہ نہیں کیا گیا۔ صرف دوسرے سفر کے مخصوص
حالات جلد دوم میں بیان ہوئے ہیں۔ ایک جلد دوسری جلد کا بدل نہیں ہو سکتی
ہر اک کی حیثیت جداگانہ ہے ع ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است

تمہید حج و زیارت کے سفرناموں کو خشک معلومات اور سفری ہدایات سے بھر دیجئے تو ان میں دلچسپی اور کشش باقی نہیں رہتی۔ اس قسم کے رسالے جن میں صرف ضروری معلومات و ہدایات درج ہوں۔ حکومت حجاز۔ حکومت ہند۔ حج کمیٹیوں اور بعض حجاج کی طرف سے شایع ہوتے رہتے ہیں۔ کام چلانے کے واسطے کسی نہ کسی حد تک کافی ہوتے ہیں۔ لیکن سفرناموں کا مقصد کار براری سے اعلیٰ ہے اور ہونا چاہیے۔ مختصر یہ کہ سفر میں مشاہدات و تجربات سے مسافر کے دل و دماغ پر جو عکس پڑیں۔ سفرنامے میں ان کی تصویریں نظر آئیں کہ گویا مسافر سامنے بیٹھا سفر کی سرگذشت سنا رہا ہے۔ شنیدہ میں دیدہ کا مزا آ رہا ہے۔ پھر سفرنامہ بھی حج و زیارت کا جو دل کی جولان گاہ ہے اور روح کی سیرگاہ ؎

کر غور ذرا دل میں کچھ جلوہ گری ہوگی   یہ شیشہ نہیں خالی دیکھ اس میں پری ہوگی

وہ دل جو کسی پہ فدا نہ ہوا۔ وہ دل جو شہید ادا نہ ہوا
وہ تو دل ہی نہیں اک کھٹ کھٹ ہے۔ یہ رہی نہ رہی وہ رہا نہ رہا
جو وہ دھن نہ رہی۔ تو وہ دل نہ رہا
جو وہ دل نہ رہا۔ تو وہ ہم نہ رہے
جو وہ ہم نہ رہے۔ تو وہ تم نہ رہے
جو وہ تم نہ رہے۔ تو مزا نہ رہا

حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری   آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

دل آپ پر تصدق جاں آپ پر سے صدقے
شرقی اِدھر سے قرباں غربی اُدھر سے صدقے

صلی اللہ علیک وسلم

تمہید

دل کا جمود موت ہے۔ جسمانی ہے تو جسمانی۔ اور روحانی ہے تو روحانی۔ حرکت اور تڑپ میں حیات ہے۔ حرکت تو یوں بھی جاری ہے۔ کبھی کبھی تڑپ بھی آنے دے۔ موقع محل اپنا اپنا حوصلہ ہے۔ اعلیٰ شان یہ ہے کہ۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ (۸/۹) پھر نہیں سے کسی کی عبدیت محبوبیت منکشف ہو جائے اسریٰ بعبدہٖ کا بھید مل جائے۔ صلوا علیہ کا رمز کھل جائے تو توحید میں رسالت کا رنگ آئے۔ دل فیض پائے تو بیساختہ زباں سے نکل جائے

آپ کی فرقت نے مارا یا نبیؐ　　دل ہوا غم سے دو پارا یا نبیؐ
طالب دیدار ہوں دکھلائیے　　روئے نورانی خدا را یا نبیؐ
حق تعالیٰ کے تمہیں محبوب ہو　　کون ہے ہمسر تمہارا یا نبیؐ
لیجئے در پر بلا کب تک پھروں　　در بدریاں مارا مارا یا نبیؐ
باغ جنت سے ہی افضل لاکھ بار　　مجھ کو وہ کوچہ تمہارا یا نبیؐ
چین آتا ہے مرے دل کو تمام　　نام لیتے ہی تمہارا یا نبیؐ
مرتے دم گر دیکھ لوں روئے شریف　　زندگی ہووے دوبارا یا نبیؐ

اللھم صل علیٰ محمد
یا رب صل علیہ وسلم

(حضرت شاہ امداد اللہ دیوبندی مہاجر مکی قدس سرہٗ)

چنانچہ صراط الحمید جلد اول میں دل کھل کھیلا۔ جب یہ بول اٹھا ؎

کہہ گزرتا ہوں پتے کی بیخودی کے جوش میں
ہوش میں ہوتا نہیں۔ ہوتا ہو جب میں ہوش میں

پھر بھی ضبط کی تاکید رہی۔ احتیاط کا اہتمام رہا۔ جلد دوم میں بھی دل کو کہیں کہیں موقع ملا۔ تاہم دماغ کا دور دورہ رہا کہ توازن لازم ہے

تمہید

اچھا ہے دل کے ساتھ رہے پاسبانِ عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

مگر سچ پوچھئے۔ تو دھن بڑی چیز ہے۔ زندگی کی جان ہے۔ سب دھنوں میں اپنی دھن ؎

محمدؐ از تو میخواہم خدا را   خدایا از تو خواہم مصطفےٰ را

وہی توحید توحید ہے۔ جو رسالت کے وسیلے سے نصیب ہو۔ رسول اللہ کو مانے تو اللہ کو جانے۔ اللہ تو سبحان اللہ۔ رسول اللہ کی بھی کیا انوکھی شان ہے۔ صلوا علیہ وسلموا تسلیما ؎

ما بلبلیم نالاں گلزارِ ما محمدؐ   ما نرگسیم حیراں دیدارِ ما محمدؐ
قمری بسرو نازد بلبل بگل فریبد   ما عاشقیم بیدل دلدارِ ما محمدؐ
از خویشتن ندانم جز اینقدر کہ دانم
ما قطرہ ایم بحرِ زخارِ ما محمدؐ

صلی اللہ علیہ وسلم (حضرت شاہ نصیر الدین چراغ دہلوی قدس سرہٗ)

بیت السلام۔ حیدرآباد دکن
رمضان شریف ۱۳۵۵ھ

الفقیر
محمد الیاس برنی

فہرست مضامین

فہرست

فصل سوم
بمبئی تا مکہ معظمہ

فصل چہارم
مکہ معظمہ

فصل پنجم

مدینہ منورہ

فصل ششم

حجاز

فصل ہفتم

حجاز تا ہند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

فصل اول

بلند شہر تا حیدرآباد

(۱) آخری مکتوب ابتدا یوں ہوئی کہ ۱۹۳۱ء کے آخر میں قبلہ وکعبہ حضرت والدی حافظ محمد ابراہیم برقی علیہ الرحمۃ کی طبیعت ناساز ہوگئی۔ لیکن علالت کچھ ایسی اندیشہ ناک نہ تھی۔ معمولی شکایت معلوم ہوتی تھی۔ تاہم حضرت نے طلبی کا ایک ایک مکتوب بتاریخ ۲۲ نومبر ۱۹۳۱ء ہم تینوں بھائیوں کے نام بلند شہر سے ارسال فرمایا۔ چنانچہ یہ آخری مکتوب جو مجھ کو وصول ہوا۔ حسب ذیل تھا:۔

برخورداران اقبال آثار سلمہم اللہ تعالیٰ

شب ہے کوتاہ اور فسانہ دراز۔ تم صاحبوں کو تکلیف دینے سے میرا

فصل ا

جو مقصد ہے وہ یہ کہ کسی کا نقصان نہ ہو اور باہم نوبت سوء مزاجی کی نہ آئے۔ یہ کام بغیر اس کے کہ تم میں سے کوئی ایک بھائی مہینہ بھر میرے پاس رہے انجام نہیں پا سکتا۔ جس طرح نورچشم محمد الیاس ہمیشہ تعطیل میں آتے ہیں۔ اب بھی سرما کی تعطیل میرے پاس بسر کریں تو انشاء اللہ میری امید پوری ہو جائے گی۔ وھو ارحم الراحمین۔ میری علالت معمولی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ شفا دینے والا ہے۔ جس کام کی میری خواہش ہے وہ کار عظیم ہے۔ بمشورہ وکلا از روئے قانون مستحکم ہونا چاہئے۔ آئندہ اللہ کی مرضی کے سپرد ہے۔

آپ نے جو خط برخوردار سید حسن کو تحریر کیا ہے کہ اگر ضرورت ہو تو میں اسی وقت رخصت لے کر چلا آؤں۔ عزیز من میرے اندازہ میں جو میں چاہتا ہوں انشاء اللہ وہ کام مدت ایام تعطیل میں سرانجام پا جائے گا۔ رخصت لینے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی ہے۔ نورچشمیوں کو دعا۔ باقی خیریت ہے۔ فقط

محمد ابراہیم

چنانچہ ۱۴ دسمبر سے ہمارے عثمانیہ کالج میں تعطیلات سرما شروع ہوئیں اور میں اسی روز روانہ ہو گیا۔ تیسرے روز ۱۶ دسمبر کے دوپہر کو بلند شہر پہنچا اور شرف قدمبوسی حاصل ہوا۔ دیکھا تو الحمدللہ حضرت کی صحت اچھی خاصی ہے۔ البتہ کچھ نقاہت ہے۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا تو حضرت نے ہنسکر فرمایا کہ طبیعت تو بہت کمزور اور مضمحل تھی۔ لیکن جب سے تمہارے آنے کی اطلاع پہنچی خود بخود سنبھل گئی۔ اور الحمدللہ اب بشاشت معلوم ہوتی ہے۔ تاہم یہ حالت کچھ دیرپا نہیں ہے۔ جو جو ضروری کام ہیں تم کو فوراً ان میں مصروف ہو جانا چاہئے۔

(۲) وصیت نامہ

فصل ا گرچہ مجھ کو عجلت کی کوئی ضرورت نہیں معلوم ہوتی تھی۔ تاہم بہ تعمیل ارشاد میں آمادہ ہو گیا اور اسی روز سہ پہر سے ملک و جائداد کے کاغذات و حسابات دیکھنے اور سمجھنے شروع کر دیئے اور اگلے دن ۱۰ دسمبر کو تو صبح سے شام تک یہی مصروفیت رہی حتیٰ کہ تیسرے دن دوپہر تک اس کام سے خاطر خواہ فراغت ہو گئی۔ ریاست کے کارندے منشی اوصاف علی صاحب تو اس کام میں تمام وقت شریک تھے۔ لیکن خود حضرت بھی اکثر اوقات تشریف رکھتے اور اگر کوئی پیچیدہ صورت پیش آجاتی جو منشی جی نہ صاف کر سکتے تو حضرت اس کو سلجھا دیتے۔ اس کوشش کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک وصیت نامہ جو پہلے ہی مرتب ہو چکا تھا۔ بعد نظر ثانی مکمل ہو گیا۔ اس میں سب وارثوں کے نام ملک و جائداد کی تقسیم درج ہو گئی۔ اور بھی خاندانی امور کے متعلق ضروری ہدایات درج ہو گئیں۔ کوئی امر تصفیہ طلب باقی نہیں رہا۔ اس وصیت نامہ کی برکت تھی کہ بعد کو خاندان میں ذرا بھی اختلاف نمودار نہ ہو سکا۔ پورا اتفاق و اتحاد قائم رہا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

(۳) کسی کی یاد

۱۸ دسمبر کو جمعہ کا دن تھا۔ ضروری کام سے تو فراغت ہو ہی چکی تھی۔ بعد نماز جمعہ اطمینان سے بیٹھے تو حضرت نے خود ہی حرمین شریفین کا ذکر چھیڑا۔ اور مجھ سے حالات سننے شروع کئے۔ مکہ معظمہ کے حالات تو ضبط سے سنتے رہے۔ لیکن جب مدینہ منورہ کا ذکر چلا تو طبیعت مچل گئی۔ کچھ دیر تو ضبط نے کام دیا لیکن بالآخر اضطراب غالب آیا۔ اور بے اختیار رقت شروع ہو گئی۔ اس وقت کسی طرف سے محبت و شفقت کا عجیب فیضان محسوس ہو رہا تھا کہ دل بے قابو ہوا چاہتا تھا۔ وہ سماں بندھا کہ گھر کی بہو بیٹیاں بھی کام کاج چھوڑ ادب سے خاموش آبیٹھیں۔ اور دلوں کا جوش آنکھوں سے

فصل ا خیال رہا۔ ورنہ اکثر اوقات یا تو خموش یا اسماء الٰہیہ کا ذکر۔ آیات قرآنیہ کا ورد۔ یہی حالت طاری رہتی تھی۔ دن بالعموم سکون میں گزرتا۔ اور شب کو ذکر کا جوش رہتا۔ وَھُوَ رَفِیْقُ الْاَعْلٰی۔ وَھُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ۔ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْم۔ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْم۔ وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی۔ اسی رنگ کے کلمات و آیات دیر دیر تک مسلسل ورد زبان رہتے اور سننے والوں کے دل پر عجیب اثر کرتے۔ مزاج پرسی کے جواب میں الحمد للہ فرماتے۔ مزید استفسار کیجئے تو فرما دیتے کہ جانے کا وقت قریب ہے۔ حکم کا انتظار ہے۔ ادھر ادھر کے ذکر چھیڑتے تو خموش ہو جاتے۔ البتہ چھوٹے بچے پوتے۔ نواسے ارد گرد جمع ہو کر بھولی بھولی باتیں کرتے تو جواب دیتے۔ اکثر ارشاد ہوتا کہ شیرینی یا پھل منگا کر بچوں کو تقسیم کر دو۔

بہرحال جذب بڑھتا گیا۔ دواؤں کا اثر گھٹتا گیا۔ انجکشن تک بے کار ہو گئے۔ بالآخر تیسرے ہفتے معالجوں نے جواب دے دیا کہ طبیعت اس درجہ کسی طرف جم گئی ہے کہ قوی دوائیں بھی اثر کرنے سے عاجز ہیں۔ اب کوئی حکم لگانا دشوار ہے۔ جب تک ہیں۔ ہیں۔ جب چلدیئے۔ چلدیئے۔ ناچار دونوں بھائیوں کو تار دیدیئے کہ حضرت کی حالت قابل اطمینان نہیں ہے۔ موقع ہو تو تشریف لے آئیے۔ بڑے بھائی حافظ محمد اسمٰعیل برنی صاحب ناظم عدالت کو تو رخصت مل گئی اور وہ ہفتہ عشرہ قبل اورنگ آباد دکن سے تشریف لے آئے۔ لیکن منجھلے بھائی مولوی محمد اسحٰق برنی صاحب منصف عدالت ضلع رائچور میں مامور تھے۔ وقت پر رخصت نہ مل سکی۔ بعد کو تشریف لائے۔

(۵) خوشی

۱۱ جنوری ۴۳ء کی شام کو بوقت مغرب میاں جمیل احمد برنی سلمہٗ کو اللہ تعالیٰ نے بیٹا عطا کیا۔ حضرت کو اپنے اس پر پوتے کا

پہلے سے انتظار و اشتیاق تھا۔ چنانچہ بامید مقبولیت پہلے ہی سے نام بھی ایک خاندانی بزرگ کے نام پر غلام مرتضیٰ تجویز فرما دیا تھا۔ پرپوتے کی خوشخبری سنی۔ کنبہ نے آ آ کر مبارکباد دی۔ تو حضرت کچھ وقت کے واسطے ادھر متوجہ ہو گئے۔ مبارکباد لی اور بہت خوش ہوئے۔ سب کو امید ہوئی کہ حضرت کا خیال بٹ گیا۔ اب محویت کم ہو جائے گی۔ فصل

(۶) **رخصت** تھوڑی ہی دیر میں پھر دوسری طرف توجہ چلی گئی اور ایسی گئی کہ پھر ادھر نہ آئی۔ جوں جوں شب بڑھی گھر میں عجیب آثار محسوس ہونے لگے۔ گویا کہ رخصتی کا سامان ہو رہا ہے۔ اور خدا جانے کس کس کی آمد ہے۔ مکان یوں تو صاف ستھرا تھا۔ پھر بھی سامان قرینے سے جما دیا۔ عود و اگر کی بتیاں اِدھر اُدھر روشن کر دیں بڑے بھائی صاحب اول تو ماشاء اللہ پختہ حافظ۔ دوسرے آواز میں ایک خداداد کیفیت اور درد تیسرے والد کی محبت کا جوش۔ چوتھے وہ شب کے انوار اور رخصتی کے آثار قرأت شروع کی تو سبحان اللہ۔ سبحان اللہ سماں بندھ گیا۔ دل تڑپ گئے۔ عجیب عجیب برمحل آیات و مقامات۔ اور عجب ربط و ترتیب۔ قرأت کیا تھی۔ انوار و برکات کے چشمے ابل رہے تھے۔ مگر اللہ رے ہوش۔ اِس بیہوشی میں بھی حضرت اکثر مقامات بھائی صاحب کے ساتھ خود پڑھنا شروع کر دیتے کہ بھائی صاحب کو ادباً سکوت کرنا پڑتا۔ اس رنگ میں شب ڈھل گئی رمضان شریف کا مہینہ تھا۔ سب نے سحری کی۔ بھائی صاحب نے ذرا آرام لیا تو میں نے صلوٰۃ و سلام عرض کرنا شروع کر دیا۔ حضرت اس میں بھی شرکت فرماتے رہے۔ یوں تو پہلے بھی کبھی کبھی فرماتے تھے کہ منزل قریب ہے۔ منزل قریب ہے لیکن آج ڈھلتی رات سے فرمانے لگے۔ منزل قریب ہے۔ مرحلہ دشوار ہے۔

فصل ۱ ذرا سنبھال لینا۔ ذرا سنبھلے رہنا۔ غرض کہ بیہوشی میں ہوش کی عجیب کیفیت تھی محویت کے ساتھ محویت تھی۔ اسی حال میں اول وقت صبح کی اذان ہوئی۔ بھائی صاحب اٹھ کر قریب آ بیٹھے تو میں گیا او نماز سے فارغ ہو آیا۔ پھر بھائی صاحب نے نماز کا قصد فرمایا تو میں حضرت کے بالیں پر بیٹھ گیا۔ مگر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شب بیداری کے بعد حضرت استراحت کی طرف مائل ہیں ؎

دم اخیر تجھے بنیظر مست چھیڑو کہ نیند اب مجھے بے اختیار آتی ہے

میں نے آہستہ آہستہ کلمۂ طیبہ پڑھنا شروع کیا کہ یکایک حضرت کا تنفس تیز ہوا۔ آب زمزم سرہانے رکھا تھا۔ منہ میں ٹپکایا۔ لبوں پر لگایا تنفس میں کچھ افاقہ معلوم ہوا کہ سسکی آئی۔ جیسے کہ بچوں کو سوتے میں آتی ہے۔ ایک۔ دو۔ تیسری سسکی آئی کہ لبوں کو خفیف سی جنبش ہوئی اور سر قبلہ رخ ڈھلک گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ چشم زدن میں آخری منزل طے ہو گئی۔ حیرت کی یہ کیفیت کسی کو خبر نہ کر سکا۔ طلب نہ کر سکا۔ گھر کی بہو بیٹیاں رات بھر جاگتی رہیں۔ بچے بھی کچھ یوں ہی سوئے۔ البتہ صبح کے وقت برائے نام غنودگی سی ہو رہی تھی۔ پھر بھی سب کا دل ادھر ہی لگا ہوا تھا۔ بظاہر کوئی فوری اندیشہ بھی نہ تھا۔ بھائی صاحب تو قریب ہی پردے سے لگے صحن کے در میں کھڑے وظیفہ ختم کر رہے تھے۔ مگر بلایا تو حضرت رخصت ہو چکے تھے۔ کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۝ (۱۲/۲۷) چہرہ دیکھو تو عجب شگفتگی اور بشاشت تھی۔ نرمی اور ملاحت تھی۔ یقین ہوتا تھا کہ ماشاء اللہ۔ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا (۷/۲۲)

(۷) حالات قمری حساب سے حضرت علیہ الرحمۃ نے اکیانوے ۹۱ سال اور گیارہ یوم کی عمر پائی۔ آخر تک آمد و رفت

اور نشست و برخاست میں کوئی معذوری نہ تھی۔ ساٹھ سال کی عمر میں البتہ آنکھ فصل ۱
میں پانی اتر آیا۔ ایک خاص قسم کا پانی تھا۔ بننے کی امید نہ تھی۔ لیکن علیگڈھ میں
بنوائی تو بفضلہ بن گئی۔ پھر دوبارہ پانی اتر آیا۔ وصال سے دو سال قبل ہی
دہلی میں پھر بنوائی۔ اس مرتبہ تو ڈاکٹر کو بالکل مایوسی تھی۔ اول تو ایک کم نوے
سال کی عمر۔ دوسرے ناقص قسم کا پانی۔ تیسرے بڑی دقت یہ کہ شگاف دوسری
مرتبہ لگانا تھا۔ لیکن خدا کی قدرت کہ آنکھ بنی اور ایسی عمدہ بنی کہ ڈاکٹر خود
حیران رہ گیا۔ کہ گویا کرامت ہوگئی۔ طریقہ نقشبندیہ میں حضرت خواجہ سید محمد
باقی باللہ اور طریقہ چشتیہ میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی حضرت خواجہ
نظام الدین اولیا اور حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی رحمۃ اللہ
علیھم اجمعین۔ اپنے ایسے ایسے اکابر سلسلہ دہلی میں تشریف فرما ہیں۔ اس
موقع پر عجب کشش رہی۔ بہت توجہ معلوم ہوتی تھی۔ بہت عنایت محسوس ہوتی تھی۔
اول تو حیرت یہ کہ نہ درد۔ نہ ورم۔ نہ سرخی۔ پہلے ہی ہفتہ میں آنکھ اصلاح پر آگئی۔
دوم، نگاہ کی یہ کیفیت کہ جوانی میں بھی آنکھ بنوائے تو یہ قوت کم میسر آتی ہے۔
خاص چشمہ تیار ہوا۔ چنانچہ آنکھ بننے کے بعد گو ڈاکٹر نے بوجہ کبرسنی منع کیا لیکن
بلا تکلف نوشت و خواند کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ بالآخر نگاہ پر بار پڑا۔ اور اصلی
حالت باقی نہیں رہی۔ پھر بھی معذوری نہ تھی۔ دانت سب مستحکم تھے۔ آگے کی
بالائی قطار سے صرف ایک گر گیا تھا۔ غذا میں کوئی خاص پرہیز نہ تھا۔ صبح کی
ورزش کا معمول آخر تک جاری رہا۔ پنجوقتہ نماز کے علاوہ بفضلہ ہر موسم میں نماز
تہجد بھی قائم رہی۔ ڈھلتی رات اٹھنا اور نماز کے بعد صبح تک اوراد و اذکار میں
مشغول رہنا۔ سال کے بارہ مہینے اور مہینے کے تیس دن یہی معمول تھا۔ سابقہ سال
تک رمضان شریف کے روزے ادا ہوتے رہے۔ صرف رخصتی کے سال دو روزے

فصل ا قضا ہوئے کہ تیسری رمضان کو خود رحلت فرما گئے۔

تاریخ اسلام۔ فقہ۔ تصوف۔ طب۔ ان علوم سے خاص دلچسپی تھی۔ چنانچہ بڑی تحقیق و عقیدت سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارک سلیس پیرایہ میں تالیف فرمائی۔ درالمختار کے خلاصہ کے طور پر فقہ میں ایک جامع کتاب لکھی۔ تصوف میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی فارسی کتاب ھمعات کا اردو ترجمہ فرمایا۔ قرآنی آیات و سورہ جات کے اوراد و اذکار میں حضرت سید محمد حقی النازلی رحمۃ اللہ علیہ کی عربی کتاب خزینۃ الاسرار بہت جامع اور مستند ہے۔ اس کا ترجمہ فرمایا۔ نیز اس کا منتخب خلاصہ ترتیب دیا۔ علاوہ بریں اپنی تحقیق اور اپنے تجربہ کی بنا پر بھی اوراد و اذکار کا مجموعہ تالیف فرمایا جو تمام تر قرآن شریف پر مشتمل ہے۔ گرچہ طبابت کو پیشہ نہیں بنایا۔ تاہم فن طب سے حضرت کو طبعی مناسبت تھی۔ دلچسپی تھی۔ اس فن میں خاص بصیرت تھی۔ اچھے اچھے طبیب اس کا اعتراف کرتے تھے۔ بہت مفید اور نادر مجربات کا مجموعہ جو اکثر امراض پر حاوی ہے۔ تالیف فرمایا۔ تجربہ کیا تو بعض دواؤں کو تیر بہ ہدف پایا۔ غرض کہ حضرت کا علمی ذوق مطالعہ تک محدود نہ تھا تصنیف و تالیف میں نمودار ہوتا تھا۔ البتہ طباعت و اشاعت کی نوبت نہ آئی تاہم مسودات محفوظ رہے۔ ان کے علاوہ برنی خاندان کے تاریخی حالات میں بھی کچھ یادداشتیں لکھی ہیں۔ مگر مسلسل اور مکمل نہیں ہیں۔ فن بیطاری پر بھی ایک رسالہ ہے۔ اس میں گھوڑوں کی صحت و قوت کے متعلق قدیم مجرب نسخے درج ہیں دوستی میں کسی بڑے ماہر سالوطری نے بتائے تھے تو رسالہ کی شکل میں قلمبند کر لئے۔ ایک رسالہ میں عمدہ قسم کے کھانوں کی۔ اچار مربوں کی۔ مٹھائیوں کی قدیم ترکیبیں درج ہیں۔ جن کا مطبوعہ کتابوں میں پتہ نہیں۔ یہ نسخے بھی شاید ہوشیار

باورچیوں سے ملے ہوں گے۔ گھر والوں کی خاطر قلمبند کر دیئے۔ پڑھنے سے زیادہ فصل
حضرت کو لکھنے کا شوق تھا۔ دن دن بھر گزر جاتا تھا۔ بچپن میں جو کچھ آنکھوں
سے دیکھا وہ اب خواب و خیال معلوم ہوتا ہے۔

(۸) تصدیق جو لوگ حضرت علیہ الرحمۃ کے حالات سے واقف ہیں ان کو اعتراف ہے کہ اس زمانہ میں
حضرت کی تمام تر زندگی زہد و تقویٰ کی ایک نادر مثال تھی۔ اور سلف صالحین
کی ایک زندہ یادگار۔ خاص حیدر آباد فرخندہ بنیاد میں بحیثیت وکیل چالیس سال
بسر کئے۔ جو لوگ واقف حال تھے۔ کہتے تھے کہ وکالت میں ولایت کر دکھائی۔
وطن میں بھی عام و خاص کو عقیدت تھی۔ یہاں تفصیلی حالات پیش کرنا مقصود
نہیں۔ حضرت کے مکتوبات شریف انشاء اللہ شائع ہوں گے تو ان سے
حضرت کے مقامات و اعتبارات کا کچھ اندازہ ہو سکے گا۔ البتہ ایک واقعہ ضرور
قابل ذکر ہے کہ اس سے ایک اصول واضح ہوتا ہے۔ وصال سے تین سال قبل
حسب معمول تعطیلات سرما میں حاضر خدمت تھا۔ ایک روز حضرت نے فرمایا کہ کیا
تم کو کوئی استخارہ بھی معلوم ہے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت کو تو خود کئی استخارے
معلوم ہیں۔ لیکن بہ تعمیل ارشاد ایک عرض کرتا ہوں۔ مختصر اور مقبول ہے۔ تیسرے
روز کا ذکر ہے کہ حسب معمول نماز صبح سے فارغ ہو کر حضرت کی خدمت میں سلام
کی غرض سے حاضر ہوا تو دیکھا کہ حضرت لحاف اوڑھے لیٹے ہیں۔ قریب بیٹھا
تو محسوس ہوا کہ حضرت کو رقت ہو رہی ہے۔ حیرت ہوئی۔ خموش بیٹھا رہا۔ جب
حضرت کو افاقہ ہوا تو میری طرف متوجہ ہوئے۔ اور فرمایا کہ میاں واقعی تمہارا
استخارہ بہت مقبول ہے۔ میں ادب سے خموش رہا۔ خود ہی فرمانے لگے کہ میرا
لڑکپن تھا جبکہ میں حضرت شاہ عبد المغنی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر سلسلۂ

فصل عالیہ مجددیہ میں بیعت ہوا۔ اس کے بعد بہت سے بزرگوں سے صحبت رہی۔ بڑے بڑوں کی عنایت و شفقت رہی۔ لیکن کسی سے بیعت کی نوبت نہیں آئی۔ اب آخر عمر میں یہ خیال ہوتا تھا کہ خدا جانے وہ کم عمری کی بیعت مسلم رہی یا پھر تجدید کی ضرورت ہے۔ استخارہ کیا تو آج بعد نماز تہجد عجب طرح کی غنودگی طاری ہوئی اور اسی میں پیران سلسلہ سے شرف دستبوسی حاصل ہوا۔ خاص کر حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کو بہت متوجہ پایا۔ بیحد شفقت و عنایت تھی۔ اور یہ ارشاد ہوا کہ تمھاری قدیم بیعت مسلم و مقبول ہے۔ اور کل پیران سلسلہ ہمیشہ سے تم پر خاص طور سے مہربان ہیں۔ الحمد للہ کہ اطمینان ہو گیا۔ کوئی تردد نہیں رہا۔

(۹) واپسی حاصل کلام یہ کہ ۱۲ جنوری ۳۲ء (مطابق ۳ رمضان ۱۳۵۰ھ) کو حضرت کا وصال ہوا۔ ۱۴ جنوری کو یوم کی فاتحہ ہوئی۔ ۱۵ جنوری کو ضروری کام نمٹائے۔ اور ۱۶ جنوری کو میں حیدرآباد روانہ ہو گیا۔ ۱۶ دسمبر کو بلند شہر پہنچا تھا۔ اور ۱۶ جنوری کو فارغ ہو کر وہاں سے روانہ ہوا۔ وہ جو حضرت نے تحریر فرمایا تھا کہ ایک ماہ کافی ہوگا۔ لفظاً لفظاً پورا ہوا۔ مگر یہ علم نہ تھا کہ وہ کام حضرت کی رخصتی کا ہے۔ بلکہ یہ خیال تھا کہ ملک و جائداد کی تقسیم و انتظام کا کام ہے۔ اور وہ جاتے ہی تین دن میں پورا ہو گیا۔ بڑے بھائی صاحب نے میرے بعد بھی قیام فرمایا اور چہلم کی فاتحہ سے فارغ ہو کر واپس ہوئے۔ منجھلے بھائی صاحب نے بعد کو وطن پہنچکر چھ ماہی کی فاتحہ کرائی۔ اور اس کے بعد دسمبر ۳۲ء میں بال بچوں کو حیدرآباد سے لے کر میں پھر وطن گیا۔ اور حضرت کی برسی کی فاتحہ ہوئی۔

(۱۰) ایصال ثواب ایصال ثواب میں تو کلام نہیں۔ خواہ وہ

انفاق طعام ہو۔ یا تلاوت قرآن۔ لیکن اس کے واسطے کوئی وقت۔ دن۔ فصل۔ اور مدت مخصوص و معین نہیں ہے۔ حسب موقع جب چاہیں ایصال ثواب کر سکتے ہیں۔ سویم۔ چہلم۔ چھ ماہی۔ برسی۔ محض رسمی طور پر یہ تاریخیں رائج ہیں۔ بنظر سہولت یہ مقرر کیجائیں تو مضائقہ نہیں کہ ہر کام کا کوئی نہ کوئی وقت ہوتا ہے۔ ورنہ ان میں کوئی لزوم نہیں ہے۔ لزوم سمجھنا غلط ہے۔ علیٰ ھذا ایصال ثواب کے موقع پر تقریب رچانا۔ کنبہ برادری جمع کرنا۔ دعوت کرنا۔ استطاعت نہ ہو تو قرض وام کرنا۔ اور اس تقریب کو لابد سمجھنا۔ یہ بھی سراسر غلط ہے۔ یوں بہ نظر تعلقات و بصورت گنجایش احباب و اقربا شریک ہوں تو یہ ایک معاشرتی صورت ہے۔ اور عدم گنجایش کی حالت میں یہ بھی فضول ہے۔ کار ثواب کی آڑ میں اسراف کی صورتیں پیدا ہوجاتی ہیں تو بعض لوگ بیزار ہو کر کار ثواب ہی سے دست بردار ہو جاتے ہیں۔ لیکن افراط تفریط دونوں صورتیں مضر ہیں۔ اچھا کام اچھے طریق پر کرنا صراط مستقیم ہے۔



فصل دوّم

حیدر آباد تا بمبئی

(۱) تہیۂ سفر اول تو وصی پھر وارث۔ پھر حاجی۔ سب کی یہی صلاح ہوئی کہ کسی کو بھیجنے کے بجائے میں خود ہی حاضر ہو کر حضرت قبلہ والد علیہ الرحمۃ کی طرف سے اول تو پورے اہتمام سے مکہ معظمہ میں حج بدل ادا کروں۔ پھر مدینہ منورہ میں روضۂ اقدس پر صلوٰۃ و سلام عرض کروں اور حضرت کا نذرانہ پیش کروں۔ یہ سب کام میں بذات خود انجام دوں تو انسب و اولیٰ ہوگا۔ ملازمت کی پابندیاں ۳۲ء میں تو موقع نہ مل سکا اور وقت بھی بہت تنگ تھا۔ لیکن خدا کا شکر ہے۔ ۳۳ء میں صورت پیدا ہو گئی۔ ڈھائی ماہ کی تعطیل گرما تھی۔ اس سے قبل اور متصل سوا مہینہ کی رخصت خاص بیافت نصف ماہوار مل گئی۔ اور سرکار عالی نے بطور خاص اس رخصت کا اتصال تعطیلات سے منظور کر دیا۔ اللہ تعالیٰ اس سرکار کو ہمیشہ برقرار رکھے۔ اس طرح کام بن گیا اور سامان سفر ہو گیا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

پچھلی مرتبہ تو چار درویش کا معاملہ تھا۔ یعنی حضرت محترم مولانا محمد عبدالقدیر حسرت صدیقی القادری مدظلہٗ صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدر آباد۔

فصل برادرم سید لطف احمد صاحب۔ عزیزم حبیب علی سلمۂ۔ اور یہ نا چیز۔ چاروں نے مل کر حج وزیارات کا سفر کیا۔ چنانچہ صراط الحمید جلد اول میں پورا سفرنامہ درج ہے۔ لیکن اس مرتبہ دل تجرید چاہتا تھا کہ بس تن تنہا اٹھ چلئے۔ کوئی رفیق پختہ کرکے ساتھ نہ لیجئے۔ راہ میں جو صورت پیش آئے بہتر ہے۔ چنانچہ اس سال حیدرآباد سے ماشاء اللہ تقریباً تین سو حجاج روانہ ہوئے۔ ان میں بہت سے اپنے واقف تھے۔ اور بعض خاصے دوست تھے۔ عنایت فرما تھے۔ لیکن کسی سے ساتھ نہیں بدا۔ بعض احباب اس بے رفیقی پر متعجب اور متفکر بھی تھے۔ لیکن اپنا جو حال تھا سو تھا۔ اس تنہائی میں جو رفاقت مدنظر تھی وہ رفیقوں سے کہیں بڑھ کر معلوم ہوتی تھی۔

سامان سفر کا بھی یہی رنگ تھا۔ چارخاکی قمیص۔ چارخاکی پاجامے۔ چار نرم ٹوپی۔ چار بنیان۔ دو واسکٹ۔ دو تہہ بند۔ ایک ربر سول جوتا۔ دو احرام کی چادریں۔ ایک جانماز۔ ایک مختصر سا بستر۔ چونکہ ڈک پر سفر کرنے کا قصد تھا۔ ایک سفری پلنگ ضرور ساتھ رکھ لیا تھا۔ گو چنداں ضرورت نہ تھی تاہم ایک ٹرنک بھی ساتھ لے لیا تھا کہ کپڑے محفوظ رہیں۔ اور واپسی میں تبرکات بحفاظت آسکیں۔ نئی وضع کا ایک نرم ہینڈ بیگ بھی ساتھ تھا۔ اسنے سب سے زیادہ آرام دیا۔ ان کے سوا پانی کی ایک کپّی۔ وضو کا ایک لوٹا۔ کھانے کے چار برتن۔ ایک برقی مشعل اور چند ضروری مجرب ادویہ مثلاً امرت دھارا۔ سفوف اسپغول۔ ٹنکچر جنجر۔ ٹینک اینڈ گلیسرین۔ آیوڈین اور ویسلین کہ شاید کسی وقت ضرورت پڑ جائے۔ بس یہی اپنا سامان تھا۔ جو بندھ بندھا کر مختصر ہو گیا۔

(۲) تغیر حال | غرض کہ ابتداءً میں خدا جانے کیوں دل پر تجرید کا بہت

غلبہ تھا۔ نامرادی پر دل لپکتا تھا۔ بے کسی اور بے بسی سب سے زیادہ مرغوب معلوم فصل۱
ہوتی تھی۔ بعض اوقات شدت میں تقاضے کی یہ نوبت پہنچتی کہ ؎

پڑیئے گر بیمار تو کوئی نہ ہو تیماردار
اور اگر مر جایئے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو

دوسروں کی پریشانی کے خوف سے اس کیفیت کو ضبط کرتا تھا۔ پھر بھی کچھ نہ کچھ اظہار ہو ہی جاتا تھا۔ کسی کو کھٹکتا تو بات بنا دیتا۔ سمجھا دیتا۔ اسی کیفیت میں روانگی کا زمانہ قریب آ گیا۔ خدا کی قدرت دل نے یکایک پلٹا کھایا۔ کیفیت بالکل بدل گئی۔ یا تو موسم گرما تھا یا برکھا رت آ گئی۔ نامرادی کا جذبہ گھٹنے لگا۔ اور مرادوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ اول اول تو اس تغیر سے بہت وحشت ہوئی کہ خدا خیر کرے نفس نے سرکشی شروع کی۔ خود غرضیوں پر آ گیا۔ تسلیم و رضا سے نکل بھاگا۔ جو کچھ ابتدائی کیفیت تھی وہ نفاق تھا اور کچھ نہیں۔ وقت قریب آیا تو قلعی کھل گئی۔ استغفر اللہ۔ بسم اللہ ہی غلط ہوئی تو پھر انجام کا کیا بھروسہ۔ غرض کہ دو ایک روز بہت کرب رہا۔ لیکن بہ صورت جدید حال غالب آ گیا۔ کسی طرح روکے نہ رک سکا۔ مزاحمت کی تو ضیق بڑھا جیسے کوئی دم گھوٹتا ہے۔ بالآخر اللہ کا نام لے کر اس تقاضے کے تابع ہو گئے۔ بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَ مُرْسٰىهَا۔ اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (۴/۱۲)

اول تو یہ تقاضا شروع ہوا کہ جہاز کے ڈک پر سفر نہ کرو۔ خواہ مخواہ تکلیف نہ اٹھاؤ۔ جواب دیا کہ ڈک پر کوئی ایسی تکلیف نہیں ہے۔ اس سے قبل بھی سفر کر چکے ہیں۔ اور اس مرتبہ بھی قصد ہو چکا ہے۔ اچھے اچھے حاجی ڈک پر سفر کرتے ہیں۔ اس میں کیا مضائقہ ہے۔ اسی حیص بیص میں ایسا اشارہ معلوم ہوا کہ گویا حضرت قبلہ علیہ الرحمۃ بہت شفقت و محبت سے فرماتے ہیں کہ کیا میں

فصل ۱ تمہارے ساتھ حج وزیارات کے واسطے سفر کرتا تو اپنی صحت وحالت کے لحاظ سے ڈک پر سفر کر سکتا؟ اور کیا میں تم کو ساتھ رکھ کر ڈک پر سفر کرنے دیتا؟۔ ڈک پر تکلیف کم ہو یا زیادہ ہم کو یہ صورت گوارا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے استطاعت دی ہے۔ ہماری خوشی چاہو تو جہاز میں آرام سے سفر کرو۔ اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ پھر بھی دو دن تک دل میں چہ کنم رہی۔ لیکن تقاضا قائم رہا۔ بالآخر روانگی سے صرف تین روز قبل محبی الحاج منشی عبدالستار صاحب کے نام مسافرخانہ بمبئی کو تار دیا اور خط لکھ دیا کہ اگر مسافروں کی کثرت ہو اور ڈک پر تکلیف کا احتمال ہو تو بشرط ضرورت درجہ دوم میں ایک جگہ محفوظ کرا لیجئے گا۔ اس کے ساتھ ہی بذریعہ منی آرڈر کچھ رقم بھی روانہ کر دی کہ شاید ضرورت پڑے۔ تار میں جواب آیا کہ درجہ دوم میں کوئی جگہ باقی نہیں ہے۔ تار سے جواب دیا کہ مضائقہ نہیں۔ فکر نہ کیجئے۔ میں خود آ رہا ہوں، وقت پر جو انتظام ہونا ہے ہو جائے گا۔ دل میں خوش ہوا کہ خوب ہوا۔ تقاضے کی بھی تعمیل ہو گئی۔ اور ڈک کا سفر برقرار رہا۔ اس تار بازی کی دوسروں کو خبر بھی نہ کی کہ خواہ مخواہ نئی بحث چھڑے گی۔ دل کو بھی ایک حد تک اطمینان ہو گیا کہ بہرحال بمبئی میں جو صورت پیش آئے گی وہی احسن ہو گی۔

(۳) مدینہ منورہ کی نذر مدینہ منورہ کے باشندوں کو اس وقت جس قدر مالی امداد کی ضرورت ہے، محتاج بیان نہیں ہے۔ ادب اس کی تصریح سے مانع ہے۔ قلت معاش کی یہ کیفیت ہے کہ اچھے اچھے معزز خاندان پریشان ہیں۔ غریب غربا کا تو ذکر کیا ہے۔ ایسی صورت میں مسلمانان عالم پر اہل مدینہ کی خدمت واجب ہے۔ چنانچہ حیدرآباد میں اس غرض کے واسطے ایک مستقل فنڈ قائم ہو گیا ہے۔ سید احمد محی الدین صاحب مدیر اخبار رہبر دکن اس کے معتمد ہیں۔ جو لوگ ان کے پاس چندہ بھیجتے ہیں۔ انکو

فصل ۱ رسید ملتی ہے۔ اخبار میں باقاعدہ چندہ کی فہرست شایع ہوتی ہے۔ سال بھر میں جو رقم جمع ہوتی ہے حیدر آباد کے قافلہ سالار کے تفویض کر دی جاتی ہے کہ وہ حسب ہدایت یا اپنی صوابدید سے اس کو مدینہ منورہ میں تقسیم کر دے۔ ہر سال کا یہی معمول ہے۔

امسال ایک باقاعدہ انجمن حیدر آباد میں اور قائم ہوئی ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ مدینہ منورہ کے باشندوں کو صنعت و حرفت سکھائے۔ اور معاش پیدا کرنے کے قابل بنائے۔ نواب سیف نواز جنگ بہادر۔ نواب سر نظامت جنگ بہادر نواب فخر یار جنگ بہادر۔ نواب بہادر یار جنگ بہادر۔ مولنا سید صابر حسینی صاحب مولنا حبیب محمد عرف سید بادشاہ حسینی صاحب۔ مولنا ولی اللہ حسینی صاحب وغیرہ۔ غرض کہ متعدد معززین و مشائخ اس کے بانی و حامی ہیں۔ ڈاکٹر خواجہ معین الدین صاحب اس کے سرگرم معتمد ہیں۔ چنانچہ صاحب موصوف امسال اسی غرض سے دوبارہ تشریف لے جا رہے ہیں کہ حج بیت اللہ سے مشرف ہو کر مدینہ منورہ حاضر ہوں۔ اور صنعت و حرفت جاری کرنے کا اہتمام کریں۔ پارچہ بافی سے ابتدا کرنے کا قصد ہے۔ حکومت حجاز سے بھی مشورہ ہو رہا ہے۔ خدا کرے یہ سعی مشکور ہو۔ انجمن نے جو کچھ چندہ کیا وہ سب۔ اور رہبر دکن کے ذریعے جو کچھ جمع ہوئی۔ وہ کل رقم ڈاکٹر صاحب موصوف کے سپرد کر دی گئی کہ اس کار خیر میں صرف ہو۔ واقعی اس سے بہتر مصرف اور کیا ہو سکتا ہے۔

لیکن لوگوں کا خیال ہے کہ اس اہتمام کے سوا خور و نوش کی فوری امداد بھی لازم ہے۔ حالت نازک ہے ع

پس از اں کہ من نمانم بہ چہ کار خواہی آمد

لہذا بعض احباب نے خاص طور سے کچھ رقمیں اس ناچیز کے سپرد کیں کہ ان کی

فصل ا خوشی کے موافق یا اپنی صوابدید کے مطابق اہل مدینہ کی فوری امداد میں صرف کی جائیں۔ مثلاً برادرم مولوی غلام محمود قریشی صاحب کے پانسو روپے۔ برادرم مولوی ابوسعید مرزا صاحب کے ساڑھے چار سو۔ مولوی ولی الحسن صاحب ٹبرنی کے ڈھائی سو روپے۔ دیگر احباب واعزا کے کم و بیش ڈھائی سو۔ اسی طرح تقریباً ڈیڑھ ہزار روپیہ خیر خیرات کے واسطے جمع ہوگیا۔ ایک ہزار روپیہ حضرت قبلہ علیہ الرحمۃ نے مدینہ منورہ کے واسطے مخصوص فرما دیا تھا۔ کل امدادی رقم ڈھائی ہزار ہوگئی۔ ایک ہزار روپیہ حضرت نے مصارف حج کے واسطے معین فرمایا تھا۔ اور پانسو روپے میں نے متفرقات کے واسطے اپنی طرف سے رکھ لئے۔ غرض کہ روانگی تک اللہ تعالیٰ نے چار ہزار کا بندوبست کر دیا۔ فالحمد للہ علی ذالک۔

(۴) حضرت غوث الاعظمؓ کی ذرہ نوازی

اول مرتبہ ۱۳۴۵ھ میں جو زیارات و حج کی سعادت نصیب ہوئی تھی تو بغداد شریف سے اس کی ابتدا ہوئی۔ اور حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کا آستانہ معلی منزل اول تھا۔ اس مرتبہ یہ فکر دامنگیر تھی کہ بغداد شریف تو حاضری ہوگی نہیں۔ حضرت غوث الاعظمؓ سے بڑی شرمندگی ہے کہ آستانہ معلی پر حاضر ہوئے بغیر راست مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ حاضر ہوا۔ یوں تو نسبت قادری بفضلہ دنیا و آخرت میں اپنے ساتھ ہے۔ پیر دستگیر کے ہاتھ میں ہاتھ ہے۔ لیکن حاضری بھی ایک بات ہے۔ دل میں یہی کُرید تھی کہ اچانک روانگی سے تین ہفتے قبل حضرتؓ کے ایک صاحبزادے یعنی حضرت پیر سید یوسف الدین رزاقی قادری بغداد شریف سے پہلی مرتبہ حیدرآباد تشریف لائے۔ اور غریب خانہ پر قیام فرمایا۔ چند ہی روز میں اس درجہ محبت بڑھی کہ گویا

برسوں کے بے تکلف تعلقات ہیں۔ حضرت خود حیران کہ کس طرح یکایک حیدرآباد کی کشش ہوئی اور کس طرح ہم لوگوں میں دل لگ گیا کہ گویا ایک ہی گھر کنبہ ہے کوئی غیریت اور اجنبیت نہیں ہے۔ پھر بھی میرا خیال ادھر نہیں گیا۔ روانگی سے دو ایک روز قبل جو آستانہ معلیٰ پر حاضر نہ ہوسکنے کی معذرت کی تو ایما ہوا کہ تیرا کدھر خیال ہے۔ تو نہ آسکا تو ہم نے تجھے رخصت کرنے کے واسطے اپنی طرف سے وقت پر یوسف الدین کو تیرے پاس بھیجدیا کہ گویا اس مرتبہ ہم نے حیدرآباد آکر تجھ کو رخصت کیا۔ پھر کیسی معذرت اور کیا ملال۔ اللہ۔ اللہ۔ کیا شفقت ہے۔ کیا عنایت ہے۔ کیا دستگیری ہے۔ آنکھیں کھل گئیں۔ دل خوشی سے باغ باغ ہوگیا ع

اے خدا قربان احسانت شوم

دوران قیام میں حضرت پیر یوسف الدین صاحب نے کئی مرتبہ فرمایا کہ مہمانداری اور خاطر تواضع تو دوسری بات ہے۔ لیکن تم لوگوں کے ساتھ خدا معلوم کس طرح کچھ خاندانی یگانگت اور مجانست سی محسوس ہوتی ہے گویا کہ قدیم کنبہ داری ہے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ ماشاءاللہ سیدالسادات حسنی حسینی۔ اور ہم بفضلہ فاروقی ہیں۔ نانہال البتہ سادات جعفری ہے لیکن سند دادھیال سے لیتے ہیں۔ آپ آقا ہم خادم ہیں۔ جو کچھ موانست اور مجانست ہے۔ وہ ذرہ نوازی ہے۔ اور ایک سرفرازی کی تصدیق ہے۔ جو بغداد شریف میں اس خادم پر مبذول ہوئی تھی فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

(۵) روانگی بات کہاں سے کہاں جا پہنچی۔ حاصل کلام یہ کہ حضرت پیر سید یوسف الدین صاحب تو پہلے سے تشریف فرما تھے۔ دو روز قبل مرشدی و مولائی حضرت قبلۃ الحاج مولٰنا شاہ محمد حسن صاحب مدظلہ

فصل۲ بھی ونپرتی سے تشریف لے آئے کہ اس خادم کو رخصت فرمائیں۔ گھر کی رونق دوبالا ہوگئی۔ دیگر احباب بھی ملاقات کے واسطے تشریف لاتے تھے۔ خوب چہل پہل رہتی تھی۔ خاص کر شام کو اچھا مجمع ہو جاتا تھا۔ حضرت مولنا صاحب قبلہ کا شغف تو معلوم ہے۔ توحید و رسالت کا خوب بیان چلتا تھا۔ خیر و برکات کا مینھ برستا تھا۔

روانگی کی آخری شب تو گھر کے چھوٹے بڑے سب ہی جاگتے رہے۔ خاصا رتجگا تھا۔ بات چیت۔ ذکر اذکار۔ نصیحتیں۔ وصیتیں۔ وعدے۔ اور فرمائشیں سب طرح کا سلسلہ جاری تھا۔ اس کے سوا باورچیخانہ بھی گرم تھا کہ رات ہی کو کافی کھانا تیار ہو جائے۔ اور اگلے دن رخصتی میں فراغت رہے۔ سینے پرونے کا بھی تار بندھا ہوا تھا۔ امام ضامن سل رہے تھے۔ بڑی بچی اقبال فاطمہ سلمہا تو ماشاء اللہ سوئی کے کام میں ہشیار ہے۔ اپنے امام ضامن سئے۔ دوسروں کے سئے اور بہت خوشنما سئے۔ لیکن منجھلی کنیز فاطمہ سلمہا کم عمر ہے۔ سینے پرونے کی مہارت ابھی کم ہے۔ تاہم اس کی کوشش قابل داد تھی۔ طبیعت خیر تمند ہے ہمت بلند ہے۔ ادنیٰ چیز سے راضی نہیں۔ امام ضامن سلتے تھے۔ ادھڑتے تھے۔ بڑی بہن کی اعانت گوارا نہیں۔ اور معمولی امام ضامن منظور نہیں۔ اسی ادھیڑ بن میں رات کو دیر تک لگی رہی۔ صبح کو اٹھی تو پھر امام ضامن کا مرحلہ در پیش تھا۔ مجھے اس کی ہمت و استقامت پر تعجب ہوا اور ساتھ ہی دل بھر آیا کہ سب کے امام ضامن تیار ہو گئے۔ خوشی خوشی دکھاتے پھرتے ہیں نہیں تیار ہوا تو اس غریب کا۔ کب سے اس کام میں لگی ہوئی ہے۔ اور کیسی خموشی سے لگی ہوئی ہے۔ دوسرے چھیڑتے بھی ہیں تو برداشت کرتی ہے۔ نہ گھبراتی ہے۔ نہ جھنجھلاتی ہے۔ حالانکہ طبیعت میں غصہ ہے۔ لیکن کچھ میرا خیال۔ کچھ امام ضامن

فصل ۲

کی فکر۔ مجسم تحمل بن گئی ہے۔

بالآخر بڑی کوشش سے ایک امام ضامن ملا لیکن وہ بھی پسند نہیں آیا قریب تھا کہ رد ی ہو جائے۔ لیکن میں نے اس کو لے لیا کہ یہ امام ضامن ہم کو سب سے بہتر اور خوشنما معلوم ہوتا ہے۔ اول تو وہ راضی نہ ہوئی کہ شاید یہ محض دل دہی کی باتیں ہیں۔ لیکن جب اس کو یقین دلایا کہ فی الواقع وہ امام ضامن سب سے زیادہ عزیز ہے۔ اور واقعی اس کے خلوص کے مدنظر سب سے زیادہ عزیز تھا تو اس کو اطمینان ہوا۔ بے اختیار خوشی سے اچھلنے لگی اور سب میں اعلان کر دیا کہ میرا امام ضامن بھائی جان کے اندازے میں سب سے اول رہا سب نے اس کی ہمت کی داد دی۔ اور واقعی وہ داد کی مستحق تھی۔ امام ضامن بھی ایک خوشی کی رسم ہے اور خوشنما رسم ہے۔ اس کے ذریعے کچھ خیر خیرات بھی ہو جاتی ہے۔ لیکن اس کی کوئی دینی اہمیت نہیں ہے۔

ریل تو شام کو ۵ بجے روانہ ہونے والی تھی۔ لیکن صبح ہی سے گھر کا نقشہ بدل گیا۔ جتنے دل۔ اتنے خیال۔ جتنے منہ۔ اتنی باتیں۔ ہر کسی کا رنگ جدا تھا۔ مگر الحمد للہ سب کی تمنا اور استدعا تھی کہ بیت اللہ میں ان کے لئے حج کی دعا کی جائے۔ اور بارگاہ رسالت میں زیارت کا مدعا پیش ہو ۔

غم ہجر تو دے گا نہ جینے ہمیں　　مولا جلد بلا لو مدینے ہمیں

صلی اللہ علیک وسلم۔ سب تو اپنی اپنی ترنگ میں تھے۔ لیکن میں آج بھی حسب معمول کالج گیا۔ اور اپنی جماعتوں کو آخری درس دیا۔ الحمد للہ کہ نصاب ختم ہو گیا۔ البتہ میری رخصت کے وجہ سے امسال معمول سے دو ہفتہ قبل ختم ہوا۔ امور منصبی سے فارغ ہو کر دوپہر کو واپس آیا۔ سب منتظر تھے۔ مل کر بیٹھے۔ کھانا کھایا۔ حضرت مولانا صاحب قبلہ سے ذرا دیر تخلیہ رہا کہ

فصل ۲ ظہر کا وقت آگیا۔ نماز پڑھی کہ رخصتی کا سماں نظر آنے لگا۔

بچے فطرتاً سواری کے شائق ہوتے ہیں۔ بچیوں کو اپنے موٹر پر بہت ناز ہے کہ ہوک کا رہے۔ تعطیل کے دنوں میں بال بچے اکثر صبح شام سیر کے واسطے شہر سے باہر جاتے ہیں۔ آب و ہوا اور مناظر کا لطف اٹھاتے ہیں۔ لیکن تیسری بچی جو سب سے چھوٹی ہے رشیدہ فاطمہ سلمہا۔ اس کا یہ معمول ہے کہ ہر صبح کو کالج جانے کے واسطے ادھر موٹر نکلا اور وہ دوڑ کر پہنچی۔ بھائی کہاں جاتے ہو۔ بی بی کالج جاتا ہوں۔ یہ سنا اور کہا خدا حافظ۔ کالج کے سوا اگر کہیں اور جاؤں تو ساتھ چلنے کی توقع رکھتی ہے منتظر رہتی ہے۔ مگر اصرار نہیں کرتی البتہ اگر کہیں سیر و تفریح کے واسطے جایئے۔ تو اکثر سمجھ جاتی ہے۔ اور ساتھ نہ لیجئے تو افسردہ خاطر ہوتی ہے۔ مگر ایسی نوبت کم آتی ہے۔ اکثر ساتھ جاتی ہے۔ ایسے موقع پر کپڑے پہننے کی بڑی دھوم پڑتی ہے۔ اور اپنی والدہ سے بہنوں سے تقاضا کر کے جلد تیار ہو جاتی ہے۔

آج بھی اس نے دیکھا کہ موٹر دھلا صاف کھڑا ہے۔ گھر میں سامان درست ہو رہا ہے۔ سب مصروف ہیں۔ کسی سے کچھ نہ پوچھا کہ اس اہتمام کا کیا منشاء ہے۔ مگر قرائن سے صاف سمجھ گئی کہ میں جا رہا ہوں۔ خیر۔ یہ تو کچھ ایسی بات نہ تھی۔ مگر نزاکت یہ کہ خلاف عادت کسی سے فرمایش نہ کی کہ مجھے کپڑے پہناؤ۔ بھائی کے ساتھ جاؤں گی۔ غالباً سمجھ گئی کہ آج اعتراض و عذر ہوگا۔ لہذا آنکھ بچا کر چپکے سے اس کمرہ میں پہنچی جہاں اس کے کپڑے رہتے ہیں۔ اور کواڑ بھیڑ لئے۔ اتفاقاً اندر جاتے وقت میری نظر پڑ گئی۔ میں مطلب سمجھ گیا۔ اس کی والدہ سے کہا کہ کمرہ میں جا کر دیکھو تو چھوٹی تنہا کیا کر رہی ہے۔ جا کر دیکھا تو کپڑے بدلنے کی کوشش کر رہی تھی۔ جب یہ کیفیت

معلوم ہوئی تو میرے دل پر اس کی معصوم محبت اور دور اندیشی کا بہت اثر ہوا فصل ۲
اور میں نے تہیہ کر لیا کہ گو ریلوے اسٹیشن پر مسافروں کا اور دوست احباب کا بہت ہجوم ہوگا۔ تاہم اس کو ضرور ساتھ لے جاؤں گا منجھلی صاحبہ بھی پہلے سے دل میں سخت متمنی تھیں۔ چھوٹی کا سہارا ملتے ہی اس کے طفیل میں انکو بھی اسٹیشن تک ساتھ چلنے کا موقع مل گیا۔ دونوں کی عید ہوگئی۔

یوں تو ریل پانچ بجے چھوٹتی ہے۔ لیکن بہت سے احباب اسٹیشن پر رخصت کرنے آئیں گے۔ ان کے خیال سے ضرور تھا کہ وہاں قبل از وقت پہنچ جائیں۔ سب سے اطمینان کے ساتھ ملاقات ہو سکے۔ چنانچہ بعد ظہر ہی سفر کا لباس پہن لیا۔ گھر میں کئی روز سے کام کاج کی کثرت تھی۔ بات چیت کا موقع بمشکل ملتا تھا۔ اس وقت چند منٹ بیوی سے اطمینان کی باتیں ہوئیں۔ کچھ ہدایات کیں۔ کچھ فرمائشات سنیں۔ سچ پوچھئے تو میرے ان دونو سفروں میں ان کی عالی ہمتی نے بڑی مدد دی۔ ہمیشہ خوشدلی سے رخصت کیا۔ اور میری عدم موجودگی میں بڑی ہمت اور قابلیت سے گھر کو سنبھالا۔ اگر یہ سہولت نہ ہوتی تو میرے واسطے یہ دونوں مبارک سفر دشوار تھے۔ اس لحاظ سے ثواب میں یہ بھی برابر کی حصہ دار ہیں۔ غرض کہ اس مرتبہ بھی جانبین اطمینان سے رخصت ہوئے۔ بچیاں آئیں۔ بڑی تو ماشاء اللہ سمجھدار ہے۔ آنکھوں میں آنسو بھر لائی۔ مگر ضبط کر گئی۔ منجھلی ذرا بھولی ہے۔ ایک طرف بھائی کی جدائی کا رنج۔ دوسری طرف اسٹیشن تک ساتھ جانے کی خوشی فی الحال کچھ توازن ہوگیا۔ رہی چھوٹی معصوم وہ کھڑی کھڑی منہ تکتی تھی حیران تھی کہ بھائی کہاں جا رہے ہیں۔ اور اگر جا رہے ہیں تو یہ غیر معمولی اہتمام کس لئے۔ چہرہ پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں کہ سب اس درجہ متاثر کیوں ہیں۔

فصل ۲ غرض کہ بیوی بچوں کو سمجھایا بہلایا۔ سفر کے نفل پڑھے۔ پھر سب نے امام ضامن باندھے۔ پھولوں کے ہار پہنائے۔ اب ضبط کی تاب نہ رہی۔ بھرے دل پھوٹ بہے اور خوب بہے۔ گلے ملے۔ بالآخر خدا حافظ کہا اور میں سورۂ اِنَّا اَنْزَلْنَا پڑھتا ہوا زنانہ سے باہر نکل آیا۔

مردانہ میں خاص احباب منتظر تھے۔ حضرت پیر سید یوسف الدین گیلانی مدظلہٗ حضرت قبلہ مولٰنا محمد حسین مدظلہٗ۔ حضرت محترم مولوی محمد عبد القدیر صدیقی مدظلہٗ۔ برادرم ابو سعید مرزا صاحب۔ سید عبد القادر صاحب۔ سید حسین صاحب۔ منیر الدین صاحب محمود میاں سلمہٗ جانی میاں سلمہٗ عبد الحلیم سلمہٗ عبد الخالق خاں سلمہٗ ابو بکر خاں سلمہٗ سب بغلگیر ہوئے۔ سب نے ہار پہنائے۔ امام ضامن باندھے۔ کسی کی یاد میں دل تڑپے تو سب رو اٹھے۔ خوب جھڑی لگی۔ عجب سماں ہو گیا ؎

عاشق کے کلیجے سے لگی رہتی ہے ہر دم کیا خوب تمنا ہے تمنائے مدینہ

آخر میں گھر کے بچوں کی باری آئی۔ اپنا بھتیجہ محمد جمیل برنی سلمہٗ بھانجہ محمد ناظم صدیقی سلمہٗ برادر نسبتی کمال احمد فاروقی سلمہٗ۔ حضرت مولٰنا صاحب کا منجھلا مسعود الحسن سلمہٗ۔ اور حضرت مولوی صاحب کا چھوٹا موسیٰ عبد الرحمٰن سلمہٗ کہ یہ دونوں بھی اپنے ہی پاس رہتے ہیں۔ سب لپٹ گئے اور خوب مل مل کر روئے۔ بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر روئے۔ رقت کی یہ لہر پھر زنانہ تک دوڑ گئی۔ نوکر چاکر بھی اپنی اپنی جگہ کھڑے رو رہے تھے۔ عجب سماں تھا۔

اب تاخیر مناسب نہ تھی۔ وقت بھی چار کے قریب آچکا تھا۔ موٹریں تیار کھڑی تھیں۔ دعائیں پڑھتے ہوئے سوار ہوئے اور چند منٹ میں سب اسٹیشن جا پہنچے۔ دیکھا تو پلیٹ فارم پر بلا کا ہجوم ہے۔ تل دھرنے کو جگہ نہیں۔ گزر دشوار ہے۔ اول تو اپنے احباب۔ دوسرے اسی ریل سے چند اور حجاج بھی سوار ہو رہے تھے

ہجوم دو چند ہو گیا۔ بڑی ریل پیل تھی۔ ملتا ملاتا ریل آنے کے وقت پلیٹ فارم فصل ۲
کے اس حصہ تک پہنچا جہاں اپنا ڈبہ آکر رکا۔ دوم درجہ میں پہلے سے سیٹ ریزرو
تھی۔ حسن اتفاق سے حضرت پیر سید محمد رفاعی بغدادی صاحب بھی اسی ڈبہ میں سوار
ہوئے۔ حضرت بھی امسال حج و زیارت بلکہ ہجرت کے خیال سے تشریف لیجا رہے
ہیں۔ بمبئی تک احباب و اعزا کی بھی ایک مختصر جماعت ساتھ جا رہی ہے۔ مشہور
اردو ادیب مولوی سید محفوظ علی صاحب بدایونی بھی امسال حج و زیارت کو
تشریف لیجا رہے ہیں۔ اپنے ہی ڈبہ میں سوار ہیں۔

(۶) گلبرگہ شریف

مختصر یہ کہ بتاریخ ۹ مارچ ۱۹۳۳ء یوم پنجشنبہ
شام کو ۵ بجے نامپلی اسٹیشن سے ہماری ٹرین
روانہ ہوئی۔ شب کو بارہ [۱۲] بجے کے قریب گلبرگہ شریف پہنچی تو میں اتر گیا
کہ حضرت خواجہ سید محمد حسینی بندہ نواز گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کے
آستانہ معلی پر حاضر ہو کر شرف عطبہ بوسی حاصل کر لوں۔ فاتحہ پڑھ لوں۔ حضرت رخ
ہو لوں۔ اول تو حضرت ما شاء اللہ سلطان دکن ٹھیرے۔ دوسرے
خدا کے فضل سے اپنا چشتیہ سلسلہ راست حضرت ہی کا سلسلہ ہے۔ اسی نسبت
شریف سے محمدی کہلاتا ہے۔ حیدر آباد میں بالعموم دو چشتیہ سلسلے زیادہ رائج
ہیں۔ صابری اور کلیمی۔ ہمارے سوا راست محمدی سلسلہ کم نظر آتا ہے۔ یا شاید
ہم کو علم نہ ہو۔ بہر حال حضرت خواجہ بندہ نواز علیہ الرحمۃ ہمارے چشتیہ
سلسلہ کے اکابرین ہیں۔ والحمد للہ علی ذالک۔

آج کل برادر نسبتی مولوی ابو سعید مرزا صاحب گلبرگہ شریف میں ناظم اول
فوجداری ہیں۔ خود تو رخصت لے کر بغرض ملاقات اسی زمانہ میں حیدر آباد آگئے
تھے۔ لیکن چھوٹے بھائی محمد مرزا سلمہٗ وہیں مقیم تھے۔ چنانچہ شب کو اسٹیشن آئے

اور مجھے ساتھ لے گئے۔ آرام سے بنگلہ پر قیام ہوا۔ صبح کو ناشتہ سے فارغ ہو کر حضرت خواجہ بندہ نواز رحمۃ اللہ علیہ کے آستانہ پر حاضر ہوا۔ ما شاء اللہ کیا شاندار گنبد ہے۔ اور کیسی عالیشان وسیع درگاہ ہے۔ عمارت کی رفعت اور وسعت کے لحاظ سے تمام چشتی درگاہوں میں اجمیر شریف کے بعد اسی پر نظر پڑتی ہے قابل زیارت ہے۔ اسی احاطہ میں حضرت کے صاحبزادوں کے مزارات ہیں۔ اور بھی مزارات ہیں۔ اعلیٰحضرت حضور نظام آصف جاہ سابع خلّد اللہ ملکہٗ خصوصیت سے اس آستانۂ مبارک کے معتقد ہیں۔ اور کیوں نہوں۔ ایک سلطانِ دکن۔ ایک شاہِ دکن۔ باطن وظاہر کا تعلق ہے۔ اکثر اعلیٰحضرت بندگانِ عالی مدظلہ العالی مع شاہزادگان والاشان عرس مبارک میں شرکت فرماتے ہیں۔ اچھے اچھوں کو خلوص وعقیدت کا سبق پڑھاتے ہیں۔ بہرحال یہ ادنیٰ خادم حاضر ہوا۔ جو کچھ عرض کرنا تھا عرض کیا۔ بڑی شفقت وعنایت رہی فالحمد للہ۔

درگاہ شریف سے تقریباً ایک میل کے فصل پر قلعہ کے قریب حضرت کا قدیم حجرہ اور رباط ہے۔ جہاں حضرت عرصہ تک قیام فرما رہے۔ بفضلہ یہ عمارت اب تک محفوظ ہے۔ کچھ بھی ذوق ہو تو حجرہ قدم رکھتے ہی توحید کا میخانہ معلوم ہوتا ہے۔ ساقی گو وہاں نہیں۔ پھر بھی کچھ دور نہیں۔ دورِ جام دور دور تک چلتا ہی ہے۔

بہرحال دونوں زیارتوں پر حاضری کا شرف حاصل ہوا۔ اور بھی کچھ تاریخی مقامات دیکھے۔ منصفی کے سررشتہ دار مرزا مصطفےٰ بیگ صاحب اپنے ساتھ تھے بہت سمجھدار واقف کار ہیں۔ دوپہر ہو گیا۔ واپس آئے۔ نماز جمعہ کو دوڑے۔ فارغ ہو کر کھانا کھایا کہ روانگی کا وقت آ گیا۔ اسٹیشن پہنچے۔ ریل آئی۔ سوار ہوئے اور بمبئی کا رخ کیا۔

(۷) بمبئی

فصل ۲ دوسرے روز علی الصباح بمبئی پہنچے۔ محبی منشی عبدالستار صاحب نے مسافر خانہ سے ایک آدمی بھیج دیا تھا۔ اس نے سامان سنبھالا۔ خود موٹر کرایہ کی۔ اور صبح نماز کے وقت سیٹھ صابو صدیق مرحوم کے مسافر خانے پہنچ گئے۔ دوسری منزل میں جنوبی رخ پر ایک کمرہ پہلے سے محفوظ تھا۔ اس میں سامان رکھا گیا۔ نماز پڑھی۔ قریب ہی کے کمرہ میں ہمارے معلم بدرالدین سیف الدین صاحب مقیم تھے۔ سب سے اول ان ہی سے ملاقات ہوئی اور جہازوں کی خبریں سنیں۔ کون کون کب روانہ ہوں گے۔

دن نکلا تو مولوی حضرت اللہ صاحب اور منشی عبدالستار صاحب کے کمرہ پر پہنچے۔ دونوں اپنے قدیم دوست ہیں۔ مسافر خانہ کے مہتمم ہیں۔ وہاں بھی ہمارا انتظار ہو رہا تھا۔ پہنچتے ہی وہاں یہ خبر ملی کہ درجہ اول میں ہمارے واسطے جگہ محفوظ کرالی گئی۔ ٹکٹ کی رقم بھی داخل ہو گئی۔ سنتے ہی میں دم بخود رہ گیا کہ یک نہ شد دو شد۔ درجہ دوم کا کرایہ ہی گراں معلوم ہوتا تھا کہ درجہ اول کا بار آپڑا۔ خدا خیر کرے۔ ایسی تن آسانی سے سفر کی ابتدا ہو رہی ہے تو نہ معلوم اسکی انتہا کیا ہو۔ آخر ڈک میں کیا برائی تھی۔ اچھے اچھے حاجی اس پر سفر کرتے ہیں۔ اول تو کوئی ایسی تکلیف نہیں۔ اور اگر ہو بھی تو چند روزہ۔ لیکن کرایہ کا فرق تو دیکھئے کہاں ایک سو ساٹھ روپے اور کہاں پانسو پچاس۔ یہ چار سو کی رقم اسراف بیجا نہیں تو اور کیا ہے۔ راحت نفس کے بجائے کسی کار خیر میں صرف ہوتی تو کیسی اچھی بات تھی۔ درجہ دوم بھی بہ تکلف گوارا کیا تھا۔ سو بات ٹل گئی۔ درجہ اول کا تو وہم و گمان بھی نہ تھا۔ اور یہاں سب معاملہ طے ہو چکا۔ دوستوں کی معرفت معاملہ ہوا چون و چرا کی بھی گنجائش نہیں۔ بار درویش، برجان درویش۔ چشم زدن میں یہ جذبات و خیالات میرے دل و دماغ میں گھوم گئے۔ تاہم میرے قیافہ سے

فصل ۲ دوست تاڑ گئے کہ میں اس انتظام سے کچھ خوش نہیں ہوا۔ اتنے میں منشی صاحب سنبھل کر بولے کہ درجہ دوم کا سفر تو بالکل مہمل ہے۔ یا تو ڈک پر سفر کرے یا درجہ اول میں۔ اگرچہ درجہ اول کی فرمایش اور اجازت نہ تھی۔ تاہم میرے دل میں یکایک سخت تقاضا ہوا کہ آپ کے واسطے درجہ اول میں جگہ محفوظ کرالی جائے۔ میں اس تقاضے کو ضبط نہ کر سکا۔ اور اس کی تعمیل کردی۔ اس گفتگو کے دوران میں مجھ پر بھی ایک دوسرا دور آیا کہ جو کچھ ہوا تمہاری خواہش اور فرمایش کے بغیر ہوا۔ اس میں مصلحت الٰہی ہوگی۔ اعتراض کے بجائے شکر کرو اور ما شاء اللہ تم کو فی الحال درجہ اول کی استطاعت حاصل ہے۔ پھر کیا تردد ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ سفر کی ابتدا صبر کے بجائے شکر سے ہو رہی ہے۔ قادری طریق میں طلب نہیں تو ترک بھی نہیں ہے۔ طلب کی تو پھر بھی گنجائش ہے کہ بندہ مفلس و محتاج ہے۔ ترک کس برتے پر کرے۔ غنیٰ تو اللہ ہی کو زیبا ہے۔ بس نعمت کی قدر کرو۔ شکر کرو۔ شکر بھی بڑی عبادت ہے۔ غرض کہ سفر کا کیا انتظام ہوا۔ اچھا خاصا سلوک طے ہو گیا۔ وساوس کی حرارت کافور ہو کر دل میں اطمینان کی ٹھنڈک پھیل گئی۔ میں نے دونوں دوستوں کی محبت اور توجہ کا شکریہ ادا کیا۔ ڈک کا ٹکٹ تو صرف دو طرفہ ملتا ہے۔ البتہ درجہ اول و دوم کا ٹکٹ یک طرفہ بھی مل سکتا ہے۔ چنانچہ رقم کی کمی تھی، منشی صاحب نے ساڑھے تین سو روپیہ میں صرف ایک طرف کا ٹکٹ لیا تھا لیکن واپسی میں دو طرفہ والوں کو تو تقدم حاصل رہتا ہے۔ اور یک طرفہ والوں کو بعض اوقات انتظار کرنا پڑتا ہے۔ اسلئے بقیہ رقم دو سو داخل کر کے ٹکٹ دو طرفہ کرالینا قرار پایا۔ دوستوں کو اب پورا اطمینان ہوا۔ سب نے مل کر ناشتہ کیا۔ اور میں ہنسی خوشی اپنے کمرہ پر واپس آیا۔

ہمارے معلم بدر الدین صاحب بھی اپنے کمرہ پر منتظر تھے کہ واپس آؤں تو ساتھ

ناشتہ کریں۔ انتظار کے بعد انکار خلاف مروت تھا۔ تھوڑا ناشتہ یہاں بھی کر لیا فصل ۲
بدرالدین صاحب نے اپنی محبت سے مشورہ دیا کہ میرے ساتھ ملازم ہے۔ باورچی ہے
اور آپ تن تنہا ہیں۔ اگر کھانے پینے میں آپ میرے ساتھ شریک رہیں تو آپکو
بھی سہولت رہیگی اور مجھ کو بھی خوشی ہوگی۔ اس سے قبل بھی بعض احباب نے
جو ہمسفر تھے۔ حیدرآباد میں اس قسم کے مشورے دئے تھے کہ خورد و نوش میں
ان کے ساتھ شرکت کر لی جائے۔ تو وہ بخوشی اس کے واسطے راضی ہیں لیکن
میں نے اب تک کسی کو زبان نہیں دی تھی۔ بدرالدین صاحب نے خلوص سے
اصرار کیا۔ اور یہ خود بھی تنہا تھے۔ دیگر حجاج مستقل حیثیت سے ان کے کھانے میں
شریک نہ تھے۔ البتہ مہمان کے طور پر ان کی دعوتوں میں شریک ہوتے رہتے
تھے۔ میں نے ان کے ساتھ مستقل شرکت قبول کر لی۔ اور مکہ معظمہ پہنچنے تک یہ
شرکت جاری رہی۔ جہاز کے سیلون میں بھی اچھا کھانا ملتا تھا۔ اور ذبیحہ کا خاص
اہتمام تھا۔ لیکن وہاں کبھی کبھی خاص کر جب کہ سمندر میں تلاطم ہوتا۔ اور دوران
سر کا زور ہوتا۔ کھانا کھا لیتا تھا۔ ورنہ وہاں سے صرف سوڈا لمنیڈ کا حساب تھا
اور اس کا دور چلتا رہتا تھا۔ غرض کہ بدرالدین صاحب کی شرکت میں کھانا عمدہ
ملا۔ وقت پر ملا۔ اور بڑی بیفکری سے ملا۔ ان کے اخلاق عربی ہیں۔ گرچہ میں
موقع کم دیتا تھا۔ شرکت میں مہمانداری کی سی خاطر تواضع کرتے تھے۔ البتہ
ان کو مجھ سے دو بڑی شکایت تھیں۔ اول تو یہ کہ میں چاء بالکل نہیں پیتا۔ دوم
یہ کہ میں ان کے ساتھ میٹھا بھی کم کھاتا۔ مزاج میں چونکہ حرارت اور صفرا ہے
میں معذور تھا۔ لیکن بدرالدین صاحب کو بہت تعجب اور افسوس ہوتا تھا کہ
جو چاء۔ انڈے اور حلوے۔ مٹھائی سے دستکش رہے اس کا کھانا کیا ہے
برائے نام ہے۔ بہرحال ہم کو ان کے اہتمام سے بہت آرام ملا۔ اللہ تعالی انکو

فصل ۲ دارین میں جزائے خیر دے۔

(۸) حیدرآبادی حجاج

مسافرخانہ میں ماشاء اللہ حیدرآباد کا کُل قافلہ جمع تھا۔ حضرت پیر سید محمد رفاعی بغدادی۔ حضرت شاہ سید وحید قادری۔ حضرت شاہ سید لطیف محی الدین قادری ڈاکٹر خواجہ معین الدین صاحب سالار قافلہ۔ میجر محمد ناصر صاحب۔ عمر خاں صاحب مولوی عبدالرزاق صاحب۔ سید محفوظ علی صاحب بدایونی۔ ڈاکٹر محمد علی شاہ صاحب۔ رسالدار مصطفیٰ بیگ صاحب۔ اور حیدرآباد کے جمیع حجاج سے ملاقات رہتی تھی۔ حضرت بغدادی صاحب کی خدمت میں سابقہ تعارف بہت کم تھا۔ گرچہ حیدرآباد میں حضرت نے اپنے اخلاق کریمانہ سے چند مرتبہ دعوتوں میں یاد بھی فرمایا تھا لیکن کچھ کم فرصتی اور کچھ اپنی کم آمیزی کبھی حاضری کی نوبت نہ آسکی۔ سفر میں پہلا ساتھ ہوا۔ لیکن طبائع کی مناسبت اور حضرت کی بزرگانہ محبت و شفقت میں دن دونی رات چوگنی ترقی ہوئی۔ اور چند ہی روز میں سالہا سال کے تعلقات کا رنگ پیدا ہو گیا۔ حتیٰ کہ مکۂ معظمہ پہنچنے تک رفاقت بہت مستحکم ہو گئی۔ سفر و حضر کا ساتھ لابد ہو گیا نہ حضرت مجھ کو چھوڑتے تھے۔ اور نہ میں حضرت کو چھوڑ سکتا تھا۔

حضرت بغدادی صاحب جیسے بزرگوں کی محبت و خوشنودی بڑی نعمت ہے۔ ان کی خدمت کرنا بڑی سعادت ہے۔ سُبحان اللہ کیا قادری سرفرازی ہے۔ بندہ نوازی ہے۔ اس مرتبہ جو خادم بغداد شریف حاضر نہ ہو سکا تو ایک صاحبزادے نے غریب خانہ پر تشریف لا کر مکان سے رخصت کیا۔ اور ایک صاحبزادہ سفر میں رفیق ہے۔ ذرا ذرا سی خدمت سے خوش ہوتا ہے۔ بڑی بڑی دعائیں دیتا ہے۔ اس کی خوش خلقی اور خوش مزاجی

ساتھیوں کا دل باغ باغ رہتا ہے۔ سُبحان اللہ کیا سوز و گداز ہے۔ کیا تازگی وشگفتگی ہے۔ کیا بجستگی ہے۔ کیا شگفتگی ہے۔ کیا تمکنت ہے۔ کیا خاکساری ہے۔ ہنسیں تو سب کو ہنسائیں۔ روئیں تو رلائیں۔ بڑوں کے ساتھ بڑے اور چھوٹوں کے ساتھ چھوٹے ہو جائیں۔ ما شاء اللہ کیا فنائیت ہے۔ کیا جامعیت ہے۔ یہ صحبت بھی بڑی نعمت ہے۔ بات کہیں سے کہیں جا پہنچی مختصر یہ کہ حضرت بغدادی صاحب بھی ہجرت کے خیال سے حج و زیارات کو تشریف لیجا رہے ہیں۔ حضرت کی بیوی صاحبہ اور حضرت کا ایک ملازم بھی ہجرت میں شریک ہے۔ حضرت کے بڑے صاحبزادے مولوی فصیح اللہ حسینی صاحب عرف مرشد پاشا۔ ان کی دُلہن۔ ان کی شیرخوار پیاری بچی جس کا نام میں نے جمال بانو رکھا ہے۔ اور ان کا ایک ملازم یہ حضرت کو مدینہ منورہ تک پہنچانے ساتھ جا رہے ہیں۔ غالباً میرے ساتھ واپس ہوں گے۔ ان شاء اللہ۔ کچھ اعزا اقربا خدا حافظ کہنے کو بمبئی تک آئے ہیں۔ ان میں الحاج مولوی فرید پاشا صاحب قادری۔ حیدرآباد کے نوجوان مشائخ ہیں۔ عالم ہیں۔ واعظ ہیں۔ کارگزار ہیں غوث پیر سلمہٗ بھی بہت پیارا پیرزادہ ہے۔ اس کی طبیعت میں محبت کا خوب خمیر ہے۔ ما شاء اللہ ذہین و متین ہے۔ ہونہار ہے۔ البتہ دیکھنے میں پھول پان ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو صحت و قوت دے۔ احمد پیر سلمہٗ کی شرارتوں کی بہت شکایت ہے۔ لیکن ایسے بچے جب نیک بنتے ہیں تو پوری تلافی کر دیتے ہیں۔ البتہ اللہ تعالیٰ نا تجربہ کاری کی مضرتوں سے محفوظ رکھے۔ ہمیں تو یہ بچہ مجذوب سا معلوم ہوتا ہے۔

(۹) جلسۂ عام یوں تو بمبئی نامعلوم طور سے پہنچا اور حجاج کے مسافرخانہ میں اتر گیا۔ لیکن میرے آنے کا کچھ پتہ چل گیا۔

فصل ۲

فصل ۲ دوسرے ہی روز دو تین تعلیم یافتہ نوجوانوں کا ایک وفد آ کر ملا۔ اور فرمایش کی کہ میں ایک عام جلسہ میں تقریر کروں۔ میں نے تنگئی وقت کا عذر کیا تو فرمایا کہ اگر تقریر نہ کر سکوں تو کم از کم جلسہ کی صدارت کروں۔ مقصود یہ ہے کہ بمبئی کے بہت سے صاحبان جو کتابوں کے ذریعے غائبانہ تعارف رکھتے ہیں۔ ان سے ذاتی ملاقات ہو جائے۔ میں نے عرض کیا کہ اصل سوال وقت کا ہے۔ جب میں صدارت کے واسطے وقت نکالوں تو پھر تقریر میں کیا عذر ہوگا۔ چونکہ ان صاحبان کا اشتیاق و اصرار خلوص آمیز تھا۔ میں نے قلت وقت کے باوجود وعدہ کر لیا۔ چنانچہ اسی روز مقامی اخبارات میں اعلان ہو گیا۔ اشتہارات بھی تقسیم ہوئے۔ دوسرے روز شب کو جلسہ ہوا۔ مولوی عبدالمجید صاحب سندھی صدر جلسہ تھے۔ لیکن اسی شب وہ گورنر کی دعوت میں شریک تھے۔ آنے میں کچھ دیر ہوئی تو مولوی محمد عرفاں صاحب کی صدارت میں جلسہ شروع کر دیا گیا۔ اور بعد کو سندھی صاحب بھی تشریف لے آئے۔ تقریر کا عنوان تھا "نوجوانوں کے نام ایک ضروری پیام"۔ اس میں دماغی تعلیم کے علاوہ اخلاقی تربیت اور جسمانی صحت و طاقت کی ضرورت واضح کی گئی۔ کچھ فن سپہ گری کا بھی ذکر رہا۔ مولوی عرفاں صاحب نے سندھی صاحب نے اور بعض دیگر حضرات نے اس ناچیز کے متعلق اپنے کریمانہ اخلاق سے جلسہ میں جو کچھ فرمایا۔ اور اپنی جو حالت ہے۔ اس کے مدنظر بہت محجوب ہوا ع

عالم ہمہ افسانہ ما دارد و ما ہیچ

(۱۰) ایک لطیفہ | اس جلسہ کا ایک لطیفہ قابل ذکر ہے۔ اس سفر میں ہماری عجب وضع تھی۔ خاکی پاجامہ۔ بنیان پر خاکی قمیص اسپر واسکٹ۔ سبز مخمل کی رامپوری ٹوپی۔ ربر سول گرگابی جو

جراب ندارد۔ ہاتھ میں مرزا پوری سوٹہ۔ بہت تکلف کیا تو سفری کوٹ پہن لیا۔ فصل۲
لوگ سپاہی سمجھتے تھے۔ اور حجاز میں تو ہم بلا تامل سرحدی سلیمانی شمار ہوتے تھے
اسی شان سے ہم جلسہ میں بھی جانا چاہتے تھے۔ لیکن اس پر ساتھیوں کے اعتراضات
شروع ہوئے۔ کسی نے کہا کہ حیدرآباد کی وضعداری کو بٹہ لگ جائے گا۔ کسی نے
کہا کہ پروفیسری کی بد نمائی ہوگی۔ قرینہ کا لباس پہننا لازم ہے۔ حسن اتفاق
سے ہمارے معلم بدرالدین صاحب اپنے ہم قد اور ہم جسم اور توانا ہیں۔ پس ترکی
ٹوپی۔ کالر۔ شیروانی۔ پیٹی۔ پتلون۔ جراب۔ تقریباً پورا خلعت عطا ہوا۔
گرچہ صرف مستعار عطا ہوا۔ ہم نے یہ شرط لگانی چاہی کہ بطور دیانت جلسہ میں اس
خلعت کا بھی شکریہ ادا کر دیں۔ لیکن اس پر سب نے سخت مخالفت کی بلکہ
وعدہ لیا کہ لباس کا ذکر زباں پر نہ آنے پائے۔ ہم کو وعدہ کرنا پڑا۔ مگر دل کو
سمجھا لیا کہ خیر اب ہماری زبان پر نہیں تو انشاء اللہ آئندہ قلم کی زبان پر
تو ضرور آئے گا۔ ع

نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا

(۱۱) پارسی دوست

بمبئی میں اپنے ایک قدیم پارسی دوست ہیں
ایدل جی۔ بڑے با وضع۔ با محبت اور شریف
خصلت ہیں۔ پہنچنے سے کئی روز قبل مسافر خانہ آ آ کر خبر لے جاتے تھے۔ پہنچا تو
روز آتے تھے۔ بازار ساتھ جاتے۔ بمبئی کی سیر کراتے۔ اور ضروری کاموں میں
مدد پہنچاتے تھے۔ مدت سے دوستی ہے۔ واقعی بہت مخلص ہیں۔ بزرگوں
کے بھی کیسے وسیع اخلاق ہوتے ہیں۔ حضرت بغدادی صاحب سے ان دوست
کو ملایا تو حضرت نے بہت خاطر کی اور فرمایا کہ مسلم نہ سہی۔ پھر بھی پارسی
لوگ محبت کے مستحق ہیں۔ سادات کی نانہالی ہیں۔ اپنی مالکہ حضرت

فصل۲ شہر بانو رضی اللہ عنہا کے ہم وطن ہیں۔ ہم قوم ہیں۔ مسلمانوں کے ساتھ ان کو ایک خصوصیت حاصل ہے۔



فصل سوم

بمبئی تا مکہ معظمہ

(ا) جہازی کمپنیاں ۱۱ مارچ کو میں بمبئی پہنچا۔ اور ۱۴ مارچ کو وہاں سے اپنا جہاز چھوٹا۔ رحمانی جہاز تھا مغل کمپنی کے جہازوں میں یہ اول درجہ کا جہاز شمار ہوتا ہے۔ کچھ بہت اچھا تو نہیں ہے۔ تاہم حاجیوں کے واسطے غنیمت ہے۔ چند سال قبل تک کئی کمپنیوں کے جہاز چلتے تھے۔ نمازی کمپنی۔ شستری کمپنی۔ مغل لائن۔ ان کے آپس میں خوب مقابلہ رہتا تھا۔ کرایہ گھٹتا تو حاجیوں کا فائدہ ہوتا تھا۔ اسی مقابلہ کی بدولت کبھی کبھی تو دو طرفہ کرایہ ستر اسی روپیہ تک اتر آتا تھا۔ حال میں پہلی دو کمپنیاں ختم ہو گئیں۔ اب صرف مغل لائن جاری ہے۔ وہ دو کمپنیاں اسلامی تھیں اور یہ انگریزی ہے۔ تاہم نسبتاً اس کے جہاز بہتر ہیں۔ فی الحال آٹھ جہاز چلتے ہیں۔ ان میں رحمانی اور رضوانی سب سے نئے اور بڑے ہیں۔ دونوں یک حیثیت ہیں۔ ہر ایک کا وزن پانچ ہزار ٹن سے اوپر ہے۔ ان کے بعد شجاع اور دارا کا نمبر ہے۔ ان کا وزن بھی۔ پانچ پانچ ہزار ٹن سے کچھ ہی کم ہے۔ لیکن یہ دونوں جہاز سب سے پرانے ہیں۔ اکبر اور خسرو کا وزن چار چار ہزار ٹن ہے

فصل۳ علوی اور جہانگیر کا وزن ان سے پان پان سوٹن کم ہے۔ یہ چاروں جہاز نہ بہت نئے ہیں نہ پرانے۔ بین بین حالت ہے۔ یہی آٹھوں جہاز حجاج کی آمد و رفت میں کام آتے ہیں۔ درجہ اول اور درجہ دوم کے مسافروں کی گنجایش کم ہے اسی لئے بنظر احتیاط پہلے سے جگہ محفوظ کرا لینا بہتر ہے۔ ڈک پر بھی حجاج کی تعداد مقرر ہے۔ پوری تعداد بھرنے پر مسافروں کو جگہ کی بہت تنگی رہتی ہے انسانیت سے حساب لگایا جائے تو مقررہ تعداد کے نصف سے زیادہ کی گنجایش نہیں ہے اس پر طرہ یہ کہ حاجی اس قدر زاید سامان اپنے ارد گرد رکھ لیتے ہیں کہ پیر پھیلانا مشکل ہو جاتا ہے۔ البتہ مقررہ تعداد سے حجاج کم ہوتے ہیں تو کچھ کشادگی رہتی ہے۔

پہلے جب دو تین کمپنیوں کے جہاز چلتے تھے۔ مقابلہ کی بدولت کرایوں میں تخفیف ہوتی رہتی تھی۔ فی الحال حسب ذیل کرایے مقرر ہیں:۔

درجہ	یک طرفہ		دو طرفہ	
	بلا خوراک	مع خوراک	بلا خوراک	مع خوراک
اول	۳۷۵ روپیہ	۴۵۰ روپیہ	۵۵۰ روپیہ	۶۵۰ روپیہ
دوم	۳۰۰ ″	۳۵۰ ″	۴۵۰ ″	۵۲۵ ″
تیسرا (ڈک)	۔	۔	۱۶۰ ″	۲۱۵ ″

واپسی کے ٹکٹ کی میعاد اٹھارہ ماہ ہوتی ہے۔ ڈک کے مسافروں کو صرف دو طرفہ ٹکٹ ملتا ہے۔ البتہ اول و دوم کے مسافروں کو اختیار ہے۔ خواہ یک طرفہ لیں خواہ دو طرفہ لیکن واپسی میں دو طرفہ والے کو حق تقدیم حاصل رہتا ہے

کم عمر بچوں کے کرایہ میں کمپنی اپنے صوابدید سے کچھ تخفیف کر دیتی ہے۔ اس کا قاعدہ مقرر نہیں ہے۔ فصل ۳

ہم نے جس زمانہ میں دوسرا حج کیا۔ جہاز کمپنیوں کی وہی حالت تھی۔ جو اوپر بیان ہوئی۔ اور جہازی سفر کی وہی کیفیت تھی جو ذیل میں درج ہوگی۔ ضمناً یہ امر قابل ذکر ہے کہ تین چار سال ہوئے مغل کمپنی نے ایک نیا جہاز اسلامی نامی حجاج کے واسطے تیار کرایا ہے۔ جس میں خصوصیت سے درجہ اول کے مسافر سفر کرتے ہیں۔ اور درجہ اول کی بہت گنجایش ہے۔ اس کے سوا سندھیا کمپنی بھی حال میں حجاج کی طرف متوجہ ہوئی ہے۔ اس نے دو تین جہاز تیار کرائے ہیں۔ المدینہ۔ الہند۔ انگلستان۔ یہ بھی دو تین سال سے حج کے سفر میں مغل کمپنی کے جہازوں سے مقابلہ کر رہے ہیں۔ جہاز نئے ہیں۔ ان میں حجاج کی ضروریات کا بھی خاص اہتمام ہے۔ مثلاً مسجد ہے، وضو خانہ ہے۔ البتہ جہاز نسبتاً چھوٹے ہیں اور صرف تین (۳) ہیں۔ ان کے مقابل مغل کمپنی کے جہاز بڑے ہیں اور نو (۹) ہیں۔ بڑے جہاز سمندر میں جھکولہ کم کھاتے ہیں طوفان میں بھی نسبتاً کم تکلیف ہوتی ہے۔ اور جہازوں کی تعداد زیادہ ہو تو حجاج کو واپسی میں سہولت رہتی ہے۔ انتظار کی ضرورت کم پیش آتی ہے۔

مغل کمپنی انگریزی کمپنی ہے۔ اور سندھیا کمپنی ہندو کمپنی۔ نہ یہ اسلامی کمپنی ہے، نہ وہ اسلامی کمپنی ہے۔ مگر رقابت کا جوش ہے۔ دونوں کمپنیاں کوشش میں لگی ہوئی ہیں کہ مسلمانوں کو اپنا طرفدار بنالیں۔ ہر عنوان سے پروپگنڈا چل رہا ہے۔ قلمے۔ سخنے۔ قدمے۔ درمے۔ لیکن اس جنگ زرگری کا جو منشا اور مآل ہے۔ ظاہر ہے۔ اگر مسلمان اپنی کمپنی بناتے اور جہاز چلاتے تو دوسرے کیوں ان کا کھیل بناتے اور قدم جماتے۔ اگر برائے گفتن کسی

فصل۳ کمپنی میں کچھ حصے بھی خرید لئے یا شریکِ انتظام شمار ہونے لگے تو اس سے کیا حاصل۔ دکھانے کو مسلمان بھی شریک مگر عمل میں ان کا کیا دخل۔ جن کا دخل ہے ان کا دخل ہے۔

حجاز مسلمانوں کا دینی مرکز ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کے متعلق دوسروں کے جو جذبات ہیں۔ خیالات ہیں۔ منصوبے ہیں۔ محتاجِ بیان نہیں۔ اگر اب تک کچھ پردہ پڑا رہا تو وہ بھی اُٹھ رہا ہے۔ پھر جہاز رانی میں مسافر ہی نہیں بلکہ مال بھی ہے۔ تجارت بھی ہے۔ اسی سلسلہ میں جو تعلقات پیدا ہو کر جو رنگ لا سکتے ہیں۔ تھوڑے غور و فکر سے سمجھ میں آسکتے ہیں۔ دور اندیشی واجب ہے۔ حجاز کے تعلقات میں سخت احتیاط کی ضرورت ہے۔ ورنہ خدانخواستہ ؎

گر نہیں سنتے قول حالی کا
پھر نہ کہنا کہ کوئی کہتا تھا

(۲) ڈک کے مسافر

تیسرے درجہ کے مسافروں کا جہاز پر چڑھنا اور ڈک پر قبضہ کرنا ہفت خوان رستم سے کم نہیں ہے۔

سچ پوچھئے تو اس سفر کا یہ سب سے پریشان کن اور اذیت رساں مرحلہ ہے۔ نفسا نفسی کی کشمکش کا عبرت آموز نظارہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ خود غرضی۔ بےمروتی۔ زور زبردستی۔ اور خوشامد چاپلوسی۔ سب نفسانی صفات کا زور ہوتا ہے۔ اخلاق کو بالائے طاق رکھ دیا جاتا ہے۔ غریبوں کی کمزوروں کی مشکل ہوتی ہے۔ لوگ تن اور دھن کا زور دکھاتے ہیں۔ پہلے تو یہ قاعدہ تھا کہ حمال لوگ جو سامان لیجاتے تھے وہی اپنے اپنے حاجی کے واسطے جہاز میں موقع موقع کی جگہ پر قبضہ کرتے تھے۔ خوب دھینگا مشتی ہوتی تھی۔ مارکٹائی کی نوبت آتی تھی۔ مگر خیر۔ یہ سب بلا حمالوں پر گزرتی تھی۔ حاجی بڑی حد تک محفوظ رہتے تھے۔

جو حمال اپنے حاجیوں کو حسب پسند اچھی جگہ دلاتے وہ خوب موعودہ انعام پاتے فصل ۳
جو بری جگہ دلاتے وہ مزدوری کو بھی پچھتاتے تھے۔

لیکن حال میں یہ قاعدہ نکلا ہے کہ اول خود حاجی اپنی اپنی جگہ پر قبضہ کریں اور قبضہ کی شکل یہ ہے کہ جگہ پر کچھ فرش بچھا دیں۔ اس کے بعد حمال سامان لاکر رکھیں بظاہر تو حمال زدوکوب سے بچ گئے۔ مگر ساتھ ہی انعامات سے بھی محروم ہو گئے۔ صرف بار برداری کی مزدوری رہ گئی۔ کارگزاری دکھانے کا موقع باقی نہیں رہا۔ اب اصل بار حاجیوں پر آپڑا۔ ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ توانا تندرست اور طاقتور حاجیوں کا بول بالا ہے۔ ان کی بڑی قدر ہوتی ہے۔ ہر کوئی ان کا سہارا ڈھونڈتا ہے۔ ان کی جماعت میں شامل ہونا چاہتا ہے کہ ان کے زور سے ٹھکانے کی جگہ مل جائے۔ بعض حاجی تو یہاں تک تدبیر پھیلاتے ہیں کہ کرایہ کے مشٹنڈے پہلوان لیجاتے ہیں اور وہ حاجیوں کے زمرہ میں جہاز پر چڑھ کر قبضہ دلاتے ہیں۔ حمال تو پہچان میں آجاتے ہیں۔ مگر اس طوفان میں عام شناخت مشکل ہے کہ واقعی کون حاجی ہے اور کون نہیں۔ جہاں تن کا زور نہیں چلتا وہاں دھن کا زور لگاتے ہیں۔ جہاز کے بعض حصے کچھ مخصوص سے ہوتے ہیں۔ آزادی سے مسافر وہاں نہیں ٹھیر سکتے۔ لیکن جہاز کے عہدہ دار چشم پوشی کریں تو ٹھیرنے میں کچھ مضائقہ بھی نہیں ہے۔ بڑے افسروں تک خدا جانے یہ بات پہنچتی ہے یا نہیں لیکن بالعموم کرانی اور سرہنگ جیسے ماتحت ملازموں کی موافقت سے یہ کام بآسانی نکل جاتے ہیں۔ پیسے والے جو ڈک پر سفر کرتے ہیں۔ اس طرح بھی آسانیاں حاصل کر لیتے ہیں۔ لیکن محتاط حاجی اس کو رشوت سمجھتے ہیں۔ اور ناجائز قرار دیتے ہیں۔

بہرحال جہاز کے ڈک پر جگہ لینا بڑا مرحلہ ہے۔ ظاہر ہے۔ سب جگہ یکساں نہیں

فصل ۳ اول تو تین طبقے ہیں۔ ایک اوپر کا ایک درمیان کا۔ اور ایک سب سے نیچے کا جو ہوا اور روشنی کے زیادہ شائق ہیں۔ وہ اوپر کا حصہ پسند کرتے ہیں۔ لیکن فی الجملہ درمیانی حصہ بہتر مانا جاتا ہے۔ بعض حصے پاخانوں کے قریب ہیں۔ بعض باورچی خانوں کے قریب۔ بعض پانی کے نلوں کے قریب۔ کناروں کے حصے جھکولے زیادہ کھاتے ہیں۔ درمیانی حصوں میں انجن کی گرمی زیادہ رہتی ہے۔ بعض حصوں میں گزرگاہ ہوتی ہے۔ گویا سرراہ بیٹھے ہیں۔ بعض حصے تنگ و تاریک ہوتے ہیں۔ مخصوص حصے روشن ہوادار۔ کشادہ ہوتے ہیں اور محفوظ۔ تجربہ کار حجاج اپنی جماعت کے واسطے کئی کئی جگہ قبضہ کر لیتے ہیں۔ کہیں دن۔ کہیں رات۔ کہیں تخلیہ۔ کہیں ملاقات۔ حصے کے بعد پڑوس کے قصے۔ بعض پڑوسی پاک صاف رہتے ہیں۔ بعض غلیظ و کثیف۔ بعض خلیق اور ملنسار ہوتے ہیں۔ بعض کج خلق اور لڑاک۔ یہ بھی کھٹا میٹھا ساتھ ہے۔ اور کہیں تلخی کی بھی نوبت آجاتی ہے۔ بہرحال حاجیوں کے جہاز کا داخلہ تدبیر و تقدیر کی بڑی آزمائش۔ سفر بھر کوئی بشاش رہتا ہے۔ کوئی افسردہ۔ کوئی شکر کرتا ہے۔ کوئی صبر۔ اللہ تعالیٰ ناشکری اور بے صبری سے محفوظ رکھے۔

حاصل کلام یہ کہ چار روز حجاج کو بالعموم بہت تردد۔ اضطراب۔ اور قلق رہتا ہے۔ اول روانگی سے دو یوم قبل جب کہ حجاج کو جہاز دیکھنے کی اجازت ملتی ہے۔ اور سب جا جا کر موقع کی جگہ تاکتے ہیں۔ پھر ایک یوم قبل جب کہ حجاج جہاز پر بڑی کشمکش سے ایک ساتھ چڑھتے ہیں۔ اور جگھوں پر قبضہ کرتے ہیں اور حمال ان کا سامان لا لا کر رکھتے ہیں۔ اس کے بعد سب جہاز سے اتر آتے ہیں۔ سامان پر پولیس کا پہرہ کھڑا ہو جاتا ہے۔ تیسرے روانگی کا دن جب کہ خود حجاج جہاز پر آکر مقیم ہوتے ہیں۔ سامان جماتے ہیں۔ حدود بناتے ہیں۔

فصل۳ پیر پھیلاتے ہیں۔ اور سب سے آخر روانگی کا دوسرا دن جب کہ حجاج اِدھر اُدھر جاتے ہیں۔ دل ہی دل میں اپنی جگہ کا دوسروں کی جگہ سے مقابلہ کرتے ہیں عیب صواب ٹٹولتے ہیں۔ اپنی جگہ بہتر معلوم ہوئی تو الحمد للہ ورنہ خواہ مخواہ پچھتاتے ہیں۔ سمجھدار ان باتوں کو دل میں رکھتے ہیں۔ اوچھے ان کو زبان پر لے آتے ہیں۔ کبھی تو اپنی جگہ کی خوبیاں سناکر تکلیف والوں کا اور دل دکھاتے ہیں اور کبھی دوسروں کی جگہ پر رشک بلکہ حسد کا اظہار کرتے ہیں۔ مگر بہر صورت ایک دو روز میں اپنے اپنے حال و مقام کے عادی ہو جاتے ہیں۔ مساوات پڑجاتی ہے۔ خیال بیٹ جاتا ہے۔ پھر بھی تکلیف والے تکلیف میں رہتے ہیں۔ اور آرام والے آرام میں۔

(۳) درجہ اول و دوم

درجہ اول اور درجہ دوم کے کرایہ میں تو تھوڑا سا فرق ہے۔ لیکن آرام میں بہت کافی فرق ہے۔ بلکہ سچ پوچھیئے تو ڈک کے بعض حصے درجہ دوم سے کہیں بہتر ہوتے ہیں۔ لہذا یہ اصول بالکل صحیح ہے کہ آرام مقصود ہو تو درجہ اول میں سفر کرے۔ کفایت مقصود ہو تو ڈک پر رہے۔ درجہ دوم میں کوئی بھی مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ اکثر لوگ اس درجہ میں آکر پچھتاتے ہیں۔ درجہ اول و دوم کے کیبن دو قسم کے ہوتے ہیں۔ اکثر میں تو صرف دو دو برتھ رہتے ہیں۔ ایک اوپر ایک نیچے۔ اور بعض کیبن میں چار برتھ بھی ہوتے ہیں۔ ان میں نسبتہً گنجایش کم رہتی ہے۔ اس لئے حجاج کی کوشش ہوتی ہے کہ دوہرے برتھ کی کیبن میں جگہ ملے۔ اور وہاں بھی نیچے کا برتھ ملے۔ اوپر کے برتھ میں اُترنے چڑھنے کی زحمت ہوتی ہے۔ لیکن اوپر کے برتھ سے کھڑکی لگی رہتی ہے۔ چاہو تو لیٹے لیٹے سمندر کا نظارہ کرو۔ یوں تو کیبن میں بجلی کا پنکھا بھی رہتا ہے۔ لیکن کھڑکی سے جو سمندر کی ہوا آتی ہے

فصل ۳ اس کی اور ہی بات ہے۔ اس بنا پر مستعد لوگ اوپر کی برتھ کو نا پسند نہیں کرتے کبھی تو کمپنی صرف ٹکٹ دے دیتی ہے۔ نہ کیبن معین کرتی ہے۔ نہ برتھ مخصوص کرتی ہے۔ حاجی جائیں اور قبضہ کر لیں۔ کبھی کیبن معین کر دیتی ہے۔ لیکن برتھ مخصوص نہیں کرتی۔ جو برتھ جس کے قبضہ میں آئے لے لے۔ اور خاص اثرات ہوں تو برتھ بھی مخصوص ہو جاتی ہے۔ تینوں صورتیں پیش آتی ہیں لیکن بالعموم درجہ اول کے مسافروں کو بھی جگہ کے معاملہ میں پورا اطمینان نہیں رہتا۔ قبضہ کی دوادوش ان کے واسطے بھی کسی حد تک ضروری ہے۔

(۴) اپنا کیبن ہم کو تو کیبن ۵ میں جگہ ملی۔ اس میں چار برتھ تھے۔ اور کوئی برتھ مخصوص نہ تھا۔ ۱۲ مارچ کی شام کو جہاز پر گئے تو نیچے کی ایک برتھ ۱ پر اپنا ایک کپڑا بچھا دیا۔ گویا برتھ محفوظ ہو گیا۔ دوسرے روز سوار ہوئے تو کپڑا وہیں بچھا ہوا تھا۔ باقی تین ساتھیوں میں ایک بمبئی کا نوجوان سیٹھ تھا۔ ایک میڈ کا سکر کا سیٹھ تھا۔ دونوں بہت نیک اور ملنسار تھے۔ انہوں نے اپنی ہی خوشی سے اوپر کے دونوں برتھ پسند کر لئے۔ رہا نیچے کا دوسرا برتھ جو اپنے برتھ کے مقابل تھا۔ اس پر اپنے ایک قدیم دوست کا بستہ جما۔ بیس برس کے بعد بغیر توقع جو یکایک ملاقات ہوئی تو ایک دوسرے کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ چند سیکنڈ تو پہچاننے میں لگے۔ اور اس کے بعد جو گلے لگے تو کئی منٹ بغلگیر رہے ؎

اے ذوق کسی ہمدم دیرینہ کا ملنا بہتر ہے ملاقاتِ مسیحا و خضر سے

اب ان دوست کی کیفیت سنیئے۔ ہم دونوں نے ایک ہی سال ۱۹۰۸ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ دونوں درجہ اول میں کامیاب ہوئے۔ دونو اسی سال علیگڈھ کالج میں داخل ہوئے۔ دونوں ہونہار سمجھے جاتے تھے۔

فصل ۳ اب فرق سنیئے۔ حسب معمول ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب نے ان کو تو پہلا پھسلا کر ریاضی اور سائنس میں کھینچ لیا۔ مگر ہم فنون کی طرف جمے رہے۔ چنانچہ انھوں نے بی۔ ایس سی کا امتحان پاس کیا اور ہم نے اکنامکس میں ام۔ اے کیا۔ لیکن بعد کو ال ال۔ بی۔ کی سند دونوں نے حاصل کر لی۔ اس کے سوا۔ انکا وطن مظفر نگر ہے۔ اپنا وطن بلند شہر۔ کالج میں یہ کچی بارک میں رہتے تھے۔ ہم پکی بارک میں۔ یہ نماز کے مانیٹر تھے۔ ہم طعام کے مانیٹر۔ سوٹ بوٹ سے تو دونوں الگ تھے۔ تاہم کالج کی رعایت سے یہ ڈاڑھی کی ورتو ضع کرتے تھے۔ ہم اس سے بھی بے فکر تھے۔ لیکن اب ان کی ما شاء اللہ یک مشت ہے۔ صرف دو انگشت کی کسر ہے۔ اور اپنی وہی خشخشی۔ اب یہ خاصے مولوی نظر آتے ہیں۔ بفضلہ عنقریب حاجی بھی ہو جائیں۔ نماز اور تلاوت کے تو پہلے ہی سے پابند تھے۔ اب ما شاء اللہ ذکر اذکار ہیں۔ اشغال ہیں مراقبے ہیں۔ اور کیوں نہوں۔ حضرت مولٰنا اشرف علی صاحب تھانوی کے مرید رشید ہیں۔ ان شاء اللہ وہ دن دور نہیں جب کہ حضرت الحاج مولٰنا منفعت علی صاحب انگریزی تعلیم یافتہ جماعت میں بڑے بزرگ شمار ہونگے۔

اپنا تو وہی حال ہے ؎

گزری جہاں کے باغ میں یکساں برنگ سرو
سوکھے کبھی خزاں میں نہ پھولے بہار میں

وہی طرز وہی روش۔ وہی وضع۔ وہی قطع۔ چنانچہ یہ تسلیم کیا گیا کہ ہمارے دوست میں تغیر بہت کافی ہو گیا۔ اور ہم میں نسبتہً بہت کم ہوا۔ ہمارا ارادہ تو کبھی وکالت کا نہ تھا۔ ال ال بی۔ کرتے وقت سوچ لیا تھا کہ داشتہ آید بکار۔ البتہ منفعت علی صاحب نے اس سند سے خوب کام لیا۔ سہارنپور میں چوٹی کے وکیل

مانے جاتے ہیں۔ ہم تو شروع سے اسی تعلیم و تعلم میں لگے ہوئے ہیں۔ ۱۹۱۴ء تک اپنی تعلیم پوری ہوئی۔ اس کے بعد سے ابتک تصنیف و تالیف اور معلمی میں مصروف ہیں۔ اور شاید اسی شغلہ میں عمر بسر ہوجائے۔

بہرحال منفعت علی صاحب رحمانی جہاز کے درجہ اول کیبن ۵ میں مدتوں بعد اچانک ملے۔ لیکن ملتے ہی محسوس ہوا کہ بچھڑے ہی نہ تھے۔ خلوص میں بھی سونے کی خاصیت ہے۔ خواہ کتنا ہی زمانہ گزر جائے۔ اسکو زنگ نہیں لگتی۔ ذرا سی رگڑ میں چمک آجاتی ہے۔ حاصل کلام یہ کہ ہم، ہمارے دوست منفعت علی صاحب اور دونوں سیٹھ کیبن میں اچھا مجمع رہا۔ سب ایک دوسرے سے راضی تھے۔ بے تکلف تھے۔ خوب ہنسی خوشی بسر ہوئی۔

(۵) کھانے کا انتظام

سب جہازوں میں ڈائننگ سیلون تو پہلے ہی سے موجود ہیں۔ ان میں انگریزی طرز کا کھانا تیار ملتا ہے۔ جہاز کے سب افسر یہیں کھانا کھاتے ہیں۔ چاہیں تو حجاج بھی کھاسکتے ہیں۔ بلکہ درجہ اول و دوم کے بعض حجاج کھاتے بھی ہیں۔ یہاں کے کھانے پر شبہ اور اعتراض ہوتا ہے کہ شاید ذبیحہ نہو۔ اور شاید کھانوں میں شراب کی شرکت رہتی ہو۔ لیکن جب حجاج جہاز پر رہتے ہیں تو سیلون والے کسی حاجی ہی سے مرغی کا ذبیحہ کرالیتے ہیں۔ بکرے کا گوشت کافی مقدار میں بمبئی یا کراچی سے رکھ لیتے ہیں۔ کبھی بکرا بھی ذبیحہ کراتے ہیں۔ مچھلی میں ذبیحہ کا سوال ہی نہیں ہے۔ غرض کہ غیر ذبیحہ نہیں پکاتے ہیں۔ اور جو مروجہ کھانے ہیں۔ مکھن۔ پنیر۔ انڈا۔ ٹوسٹ۔ روٹی۔ چاول۔ گوشت۔ ترکاری چٹنی۔ آچار۔ مربے۔ پھل۔ ان میں بھی شراب کی کوئی شرکت نہیں ہوتی تاہم محتاط حجاج اس سے الگ ہی رہتے ہیں۔ یا کچھ زاید معاوضہ دیکر خاص کھانا

تیار کرا لیتے ہیں۔ البتہ وہاں چائے۔ سوڈا۔ لمینڈ پینے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے۔ اس پر بھی بعض اپنے واسطے گلاس مخصوص کر کے رکھتے ہیں۔ بوائے ٹیلر کو کچھ انعام دیجئے تو ہر طرح کی احتیاط ممکن ہے۔ فصل ۳

چند سال سے ہر جہاز پر اسلامی ہوٹل بھی کھل گیا ہے۔ وہاں ہندوستانی مذاق کے بہت سے کھانے تیار ملتے ہیں۔ اور فرمائش پر تیار ہو سکتے ہیں جو حاجی کھانے کا بکھیڑا نہیں کرنا چاہتے وہ ان ہی ہوٹلوں میں کھانا کھاتے ہیں۔ کھانا تو فی الجملہ غنیمت ہوتا ہے۔ لیکن نرخ بہت بڑھا ہوا ہے۔ اس کے سوا برتنوں اور نشست گاہ میں صفائی ستھرائی کی طرف زیادہ توجہ کی ضرورت ہے۔ ہم تو کھانے میں معلم بدرالدین صاحب کے شریک تھے۔ اور ان کے ساتھ ایک باورچی تھا۔ خاصا آرام تھا۔ خبر ہے کہ حجاج کا جو قانون پاس ہو رہا ہے۔ اس میں ایک دفعہ یہ بھی رکھی ہے کہ حجاج جہاز پر ہوٹل یا سیلون میں کھانا کھائیں گے۔ بطور خود نہ پکائیں گے۔ یہ خبر صحیح ہے تو ہوٹلوں کو خوب فروغ ہوگا۔ لیکن انتظام دشوار معلوم ہوتا ہے کہ ہزار ڈیڑھ ہزار حجاج کو دونوں وقت مناسب قیمت پر حسب پسند کھانا مل سکے۔ اور سہولت سے تقسیم ہو سکے انتظامی دقتیں ضرور پیش آئینگی اور لامحالہ حجاج کو شکایت ہوگی۔

(۶) پاخانے غسل خانے خیر باورچی خانوں کا تو کچھ انتظام ہو گیا اور ہو جائے گا۔ لیکن پاخانوں کی حالت نہ گفتہ بہ ہے۔ اول تو معدودے چند پاخانے۔ اور ہر ایک میں چند قدمچے وہ بھی نہایت تنگ اور بے پردہ۔ نہ طہارت کی گنجایش، نہ ستر پوشی کا امکان۔ بس حیوانی طور پر رفع حاجت ہو جائے تو غنیمت ہے۔ اس کا بھی موقع مشکل سے ملتا ہے۔ چار اندر ہوتے ہیں، تو چودہ انتظار میں کھڑے امیدواری کرتے

فصل ۳ ہیں۔ ایک جگہ خالی ہوتی ہے تو چار لپکتے ہیں۔ صبح شام بڑی بے تکلفی کا منظر رہتا ہے۔ جو حیا کرتے ہیں۔ غیر اوقات ہو آتے ہیں مگر انکا بھی ہر وقت اختیار کب چلتا ہے۔ اول اور دوم درجہ کے پاخانے البتہ صاف اور کشادہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ درجہ سوم کے حجاج جو رسا ہوتے ہیں۔ جہاز کے متعلقہ ملازموں سے معاملہ کرکے ان ہی پاخانوں میں نظر بچا کر پناہ لیتے ہیں۔ اونچے درجہ کے حجاج بھی بہ نظر مروت خموش رہتے ہیں کہ ایسی ادنیٰ بات میں کیا مزاحمت کریں۔ البتہ اگر جسارت بہت بڑھ جائے۔ اور وقت ناوقت درجہ سوم کے حجاج ادھر ہی متوجہ نظر آئیں۔ اور غلاظت پھیلائیں تو اس کو مقفل کرا دینا ممکن ہے۔ کبھی کبھی ایسا بھی کرنا پڑتا ہے۔ تاہم ان پاخانوں میں ایک عیب ہے۔ وہ یہ کہ بعض میں انگریزی وضع کے کموڈ لگے رہتے ہیں۔ حجاج بالخصوص مستورات اور بچے اس کے بالکل عادی نہیں ہوتے۔ بعض میں ہندستانی طرز کے قدمچے بنا دیئے ہیں۔ یہ بہتر ہیں۔ درجہ سوم میں بھی غسل خانے رہتے ہیں مگر تنگ اور کثیف البتہ اول و دوم درجہ کے غسل خانے صاف ستھرے ہوتے ہیں۔

ہم نے قصداً جہاز کے عام حالات تفصیل سے بیان کئے کہ ناواقف اور ناتجربہ کار حجاج کو پہلے سے کچھ اندازہ ہو جائے۔ اور وہ اس مرحلہ کے واسطے تیار رہیں۔ ورنہ بصورت لاعلمی عین وقت پر بہت حیرانی و پریشانی کا امکان ہے۔ تاہم جو حالات بیان کئے گئے وہ گویا انتہائی تکلیفی ہیں۔ ان سے خائف اور مایوس بھی نہ ہونا چاہیئے کہ خدانخواستہ ناقابلِ برداشت ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے وقت پر ایسی ایسی سہولتیں میسر آجاتی ہیں جن کا وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔ وہ بڑا کارساز ہے۔ بندہ نواز ہے۔ اس کا دل کو سہارا ہے تو بیڑا پار ہے۔

(۷) جہاز کے ساتھی

فصل ۳

یوں تو رحمانی بڑا جہاز کہلاتا ہے۔ اس میں پونے دو ہزار حجاج کی گنجایش بتاتے ہیں۔ مگر یہ گنجایش اس حساب سے نکلتی ہے کہ ہر حاجی کو صرف ۱۷ فٹ مربع جگہ دی جائے۔ جو حساب سے تین فٹ عریض اور پونے چھ فٹ طویل ہوتی ہے۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ واقعی کتنی گنجایش رہتی ہے۔ چنانچہ رحمانی میں تقریباً ہزار حاجی سوار تھے تو خاصا ہجوم معلوم ہوتا تھا۔ کچھ ایسی کشادگی نہ تھی کہ جہاز کو خالی کہہ سکیں۔ تقریباً ڈھائی سو حاجی تو حیدرآبادی قافلہ کے تھے۔ باقی ہندوستان کے مختلف صوبوں سے آئے تھے۔ حیدرآباد کے احباب سے تو بمبئی کے مسافرخانہ ہی میں تعارف ہو چکا تھا۔ بہار کے حجاج میں مولانا محمد سہول صاحب صدر مدرسۂ شمس الہدیٰ پٹنہ۔ اور مولوی عبدالرحمٰن صاحب ایڈوکیٹ پٹنہ۔ اور بہار کی ایک متمول بیگم صاحبہ جن کے بھائی ولی میاں بھی ان کے ساتھ تھے۔ خان بہادر سید احمد حسین صاحب جن کا تمباکو تمام ہندوستان میں پان کی جان بنا ہوا ہے۔ لکھنؤ سے آئے ہیں۔ لفٹنٹ کرنل عبدالرحمٰن خاں لودی پنجاب میں سول سرجن رہ چکے ہیں۔ پنشن کے بعد حج و زیارت کو جا رہے ہیں۔ یوں تو بڑے جنٹلمین تھے مگر جہاز پر سیدھے سادھے مسلمان نظر آتے ہیں۔ مولوی عبدالعزیز صاحب دہلوی جو ایک مشہور واعظ اور مبلغ ہیں۔ اس جہاز پر سوار ہیں۔ ملابار کے ایک معزز تعلیم یافتہ عرب نوجوان خان بہادر بھی ہمسفر ہیں۔ اردو بالکل نہیں سمجھتے عربی ان کی مادری زبان ہے۔ لیکن انگریزی زبان میں بات چیت کر سکتے ہیں۔ ان کے سوا اور بھی اچھے اچھے لوگ ساتھ ہیں۔ بہت خوب مجمع ہے۔ بڑی خوبی یہ کہ سب کے باہم اتفاق و اتحاد ہے۔ آپس میں میل ملاپ ہے۔ ایک

فصل ۳ دوسرے کے پاس آتے جاتے ہیں۔ اول دوم اور سوم درجہ کا کوئی امتیاز نہیں ہے۔ ہنسی خوشی وقت گزرتا ہے۔ فالحمد للہ علی ذالک۔

آپس کے علاوہ جہاز کے عہدہ داروں سے بھی تعلقات خوشگوار رہیں۔ جہاز کا کپتان مسٹر ٹامس وہیلر بہت خوش مزاج اور ملنسار ہے۔ روز ملاقات رہتی ہے۔ صبح کو جب جہاز کے معائنہ کے واسطے نکلتا ہے تو چند معزز حجاج کو بھی ساتھ لے لیتا ہے۔ حجاج سے خیر و عافیت دریافت کرتا پھرتا ہے۔ اور ان کے معاملات نرمی سے طے کرتا ہے۔ بوڑھا تجربہ کار ہے۔ حتی الوسع حجاج کی خوشنودی ملحوظ رکھتا ہے۔ ذی اثر حجاج سے بھی انتظام میں مدد لیتا ہے۔ میل ملاپ سے کام چلاتا ہے۔ اس کو مصوری کا بھی شوق ہے۔ اور خاصی مہارت رکھتا ہے۔ ۱۹۳۱ء میں جدہ کے بندرگاہ میں حجاج کے ایک فرانسیسی جہاز ایشیا نامی کو آگ لگی تھی اور اس میں بہت سے حاجی جاں بحق ہوئے، تو اس موقع پر اس نے بھی حجاج کی جان بچانے میں بہت مدد دی۔ چنانچہ اس خدمت کے صلہ میں اسکو فرانسیسی حکومت سے ایک پروانۂ خوشنودی اور ایک طلائی تمغہ ملا۔ جدہ میں اب تک اس منحوس جہاز کا جلا ہوا ڈھینچر سمندر میں کھڑا ہے۔ بڑی عبرت ہوتی ہے۔ جہاز کا دوسرا عہدہ دار چیف آفیسر مسٹر مریس گرچہ نوجوان ہے۔ مگر بہت تیز اور ہوشیار ہے۔ خوب موقع شناس ہے۔ بڑی حکمت عملی سے جہاز پر انتظام رکھتا ہے۔ اور حجاج کے معاملات میں چشم پوشی سے کام لیتا ہے۔ ان دونوں عہدہ داروں کی پالیسی یہ ہے کہ بظاہر تو حاجیوں پر رعب رکھیں لیکن درحقیقت مداخلت سے بچیں۔ حتی الوسع حاجیوں کے معاملات حاجیوں پر چھوڑ دیں۔ سفر ختم ہوتے وقت دونوں نے اعتراف کیا کہ حجاج کے ساتھ معمول سے بہت بہتر وقت گزرا۔ حجاج نے بھی واقعی انتظام میں بہت

قابل قدر مدد دی۔ اور یہ سفر خوشگواری کے لحاظ سے مدتوں یادگار رہیگا۔ فصل۳

(۸) جہاز کے مشاغل

سفر میں جہاز پر خوب دینداری کے شغل رہے۔ کپتان کے کمرہ کے قریب سب سے اوپر والے ڈک پر پنج وقتہ باجماعت نماز ہوتی تھی۔ مولوی عبدالرحمٰن صاحب بڑے مستعد موذن تھے۔ کبھی قبل از وقت بھی اذاں دے دیتے۔ زیادہ وقفہ ہوتا تو دوہرا دیتے۔ حضرت پیر بغدادی صاحب یا مولنا محمد سہول صاحب بالعموم امامت فرماتے۔ چونکہ جہاز کا رخ بدلتا رہتا ہے۔ دن میں کئی کئی مرتبہ جہت کی تحقیق ہوتی۔ اس غرض کے واسطے کئی نقشے ساتھ تھے۔ قطب نما موجود تھے۔ کپتان بھی حجاج کی خاطر اپنی تحقیق کے مطابق جہت کعبہ کے علامات صبح شام بالائی ڈک پر چاک سے لگوا دیتا تھا۔ غرض کہ نماز کا خاص اہتمام تھا۔ شب کو اکثر میلاد شریف ہوتے تھے۔ برزنجی شریف اور بردہ شریف کے دور چلتے تھے۔ بہت کافی عرب اور ان میں بھی متعدد مکی مدنی موجود تھے۔ ہندوستانی بھائی نعت خوانی کرتے تھے۔ میلاد شریف کے سلسلہ میں حجاج کی عام فرمایش پر میرا بھی ایک وعظ ہوا۔ الحمد للہ شان محمدی خوب بیان میں آئی۔ اس کے سوا اور بھی دو جلسے ہوئے۔ اہل حیدرآباد کی طرف سے جو ڈاکٹر خواجہ معین الدین صاحب مدینہ منورہ میں صنعت پارچہ بافی کا اہتمام کرنے جارہے ہیں۔ اس تحریک کے متعلق پہلے جلسہ میں مولوی عبدالرحمٰن صاحب بہاری نے اور دوسرے میں مولوی عبدالعزیز صاحب دہلوی نے تقریریں کیں۔ اور بہت پر اثر تقریریں کیں۔ حجاج نے اس کام کے واسطے جہاز پر کئی سو روپے چندہ جمع کیا۔

مگر سب سے زیادہ مشغلہ جو جہاز پر رہا وہ مناسک حج کا تھا۔ اور اس میں

عام و خاص کو ایسا شغف ہو گیا کہ واقعی سفرِ حج کا لطف آ گیا۔ پرانے حاجیوں نے بھی تسلیم کیا کہ حاجیوں کے جہاز دیکھے مگر ایسا رنگ نہیں دیکھا۔ جدھر دیکھو لوگ جا بجا بیٹھے مناسک حج سمجھتے۔ سمجھاتے ہیں۔ دعائیں یاد کرتے ہیں سنتے ہیں، سناتے ہیں۔ کہیں کہیں مسائل پر بحث بھی چل جاتی ہے۔ تحقیق کی نوبت آتی ہے۔ علما موجود ہیں۔ کتابوں کا کافی ذخیرہ ساتھ ہے۔ مطالعہ جاری ہے۔ جہاز کیا ہے۔ خاصا حاجیوں کا مدرسہ معلوم ہوتا ہے۔

بمبئی سے روانہ ہونے کے دوسرے ہی دن میں نے اپنے احباب میں یہ تحریک کی کہ مناسک حج کی تعلیم کا جہاز پر باقاعدہ انتظام ہو تو بہت خوب ہو۔ اور اس کی آسان سبیل یہ ہے کہ جہاز کئی حلقوں میں تقسیم کر کے ہر حلقہ ایک ایک مولوی یا مشائخ صاحب کے ذمہ کر دیا جائے کہ وہ اپنے حلقہ کے لوگوں میں بیٹھ کر مناسک کی باقاعدہ تعلیم دیں۔ اور پابندی سے یہ کام کریں۔ اس کے سوا یہ بھی ممکن ہے کہ عصر اور مغرب کے درمیان جہاز پر عام جلسہ ہوا کرے اور اس میں کسی خاص ترتیب اور سلسلہ سے مسائلِ حج بیان کئے جائیں تا کہ سب حجاج کے معلومات مکمل اور پختہ ہو جائیں۔ سب نے اس تحریک کو پسند کیا۔ اور اکثر کا اصرار ہوا کہ میں ہی یہ کام اپنے ذمے لوں۔ میں نے عذر کیا اور میرا عذر درست تھا کہ اچھے اچھے علما اور مشائخ کی موجودگی میں میری یہ جراءت نہیں ہو سکتی کہ مناسک کی تعلیم دوں۔ گزشتہ حج کے موقع پر البتہ اپنی ضرورت کے واسطے مناسک کا مطالعہ ضرور کیا تھا۔ اور اس کا خلاصہ خاص ترتیب سے صراط الحمید کی پہلی جلد میں درج ہے۔ بس یہی اپنا سرمایہ ہے۔ بہتر ہے کہ علماء اور مشائخ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے تعلیم کی استدعا کریں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا۔ بالآخر یہ قرار پایا کہ خاص ترتیب کے ساتھ سلیس اور عام فہم پیرایہ میں

فصل ٣ مناسک حج یہی ناچیز شام کے جلسہ میں بیان کیا کرے۔ حضرات علما بھی اسی جلسہ میں تشریف فرما ہیں کہ اگر کوئی غلطی یا فروگزاشت ہو جائے تو وہ اصلاح فرما دیں۔ چنانچہ عصر اور مغرب کے درمیان بالائی ڈک پر جلسے ہوتے تھے۔ ترتیب وار مناسک حج بیان ہوتے تھے۔ بیان کے ختم پر حاضرین کو سوالات کے ذریعے شکوک رفع کرنے کا موقع دیا جاتا تھا۔ پھر آئندہ جلسہ میں ان سے سوالات کرکے امتحان لیا جاتا تھا کہ فریقین کو پورا اطمینان ہو جائے۔ اور کوئی بات الجھی نہ رہے۔ دیگر اوقات میں بھی جہاز پر صحبتوں میں یہی چرچے رہتے تھے۔ خاص علمی اور دینی زندگی کی فضا پیدا ہو گئی تھی۔ بڑی خیر و برکت تھی۔ ہمارے بعض جدید تعلیم یافتہ حجاج اور بالخصوص کرنل رحمٰن صاحب کی فرمائش تھی کہ انکو زمانی اور مکانی ترتیب سے حج کا اک پروگرام لکھا دیا جائے۔ اسی میں سب احکام مسائل اور دعائیں ترتیب وار آجائیں کہ وہ اسی پروگرام کے بموجب عمل کریں۔ چنانچہ ایک ایسا پروگرام بھی لکھا دیا گیا۔ جو کہ ان صاحبوں کو بہت کارآمد ثابت ہوا۔ غرض کہ خدا کے فضل سے مناسک حج کی تعلیم کا خوب مشغلہ رہا۔ کپتان جو جلسوں کی کیفیت دیکھتا تھا۔ بعد کو ملاقات میں کہتا تھا کہ تم نے یہاں بھی کلاس کھول کر پروفیسری شروع کر دی۔ میں ہنس کر کہہ دیتا کہ تعلیم اپنی طبیعت ثانی ہے۔ ترک کیونکر ہو سکتی ہے۔

یوں تو پہلے ہی حج میں مناسک حج بفضلہ کافی تحقیق ہوئے تھے۔ اور خاص ترتیب سے صراط الحمید جلد اول میں درج ہوئے ہیں۔ کہ ان کو پڑھ کر حج کے ضروری احکام، مسائل اور متعلقات بخوبی ذہن نشین ہو جاتے ہیں۔ تاہم اس سفر میں جو مناسک سمجھانے کا موقع ملا۔ تو مسائل اور بھی منقح اور واضح ہوئے۔ چنانچہ صراط الحمید جلد اول کے جدید اڈیشن میں مناسک حج کے تحت مزید اضافے ہوئے۔

فصل ۳ مناسک حج جو جلد اول میں یک جا درج ہیں۔ جلد دوم میں ان کو دوہرانے کی ضرورت نہیں۔ البتہ مناسک کے متعلق دو مفید بحثیں جو جہاز پر چلیں وہ مختصراً اپنے اپنے محل پر درج کرتے ہیں۔

اول بحث تو یہ ہوئی کہ میں نے پہلے ہی دن جہاز پر ایک صحبت میں یونہی بہ سبیل تذکرہ بیان کیا کہ آفاقی حاجی کو یوں تو افراد کا بھی اختیار ہے۔ لیکن ایسی صورت کم پیش آتی ہے۔ بالعموم دو ہی حج کا معمول ہے۔ تمتع یا قران۔ لیکن اگر کوئی حج بدل کرے تو اس کو قران کی نیت کرنا لازم ہے۔ بشکل تمتع حج بدل نہیں ہو سکتا۔ وجہ یہ کہ حج بدل میں آمر کی میقات سے حج کی نیت کرنا لابد ہے۔ قران میں تو عمرہ کے ساتھ حج کی نیت بھی میقات ہی سے ہو جاتی ہے۔ لیکن تمتع میں میقات سے نیت صرف عمرہ کی کرتے ہیں۔ حج کی نیت مکہ معظمہ سے ہوتی ہے۔ اس لئے حج بدل میں تمتع نہیں ہو سکتا۔ قران لابد ہے۔ اس پر بعض حضرات چونکے بلکہ چیخے۔ وجہ یہ تھی کہ وہ خود حج بدل کو جا رہے تھے۔ اور تمتع کا ارادہ تھا۔ اور بعض اس سے قبل بطریق تمتع حج بدل کر چکے تھے وہ سٹ پٹائے۔ بہرحال دو روز تک جہاز پر اس مسئلہ کی چھان بین ہوتی رہی۔ علما موجود تھے۔ اور کتابیں بھی موجود تھیں۔ حضرت مولانا عبد الرشید گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ کو اپنی تالیف زبدۃ المناسک میں بہت وضاحت اور تاکید سے بیان فرمایا ہے۔ یہ تالیف دیکھنے کو تو مختصر سی ہے لیکن غور و فکر کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ واقعی دریا کوزہ میں بند کر دیا ہے۔ اس سے مولانا کے تبحر علمی کا اندازہ ہوتا ہے۔ بالآخر یہی تحقیق ہوا کہ بیشک حج بدل میں قران لابد ہے۔ یہ حج تمتع سے ادا نہیں ہوتا۔ بعض نے تخفیف جواز کی نادر شکلیں پیدا کرنی چاہیں۔ مگر پیدا نہ ہو سکیں۔ دوسری بحث گرچہ ختم سفر کے قریب جہاز پر شروع ہوئی، تاہم وہ مکہ معظمہ پہنچ کر فیصل ہوئی

فصل ۳

لہٰذا وہ آئندہ اپنے محل پر مکہ معظمہ کے بیان میں پیش ہوگی۔

(۹) کامران

غرض کہ جہاز پر میل ملاقات اور علمی مشاغل میں خوب وقت گزرا یوں بھی اس سفر میں آرام رہا۔ سمندر میں خاصا سکون تھا۔ البتہ کراچی سے چل کر دو روز اور کامران پہنچنے سے قبل دو روز ضرور کچھ تموج رہا۔ بالعموم لوگوں کو دوران سر کی شکایت تھی۔ کامران پر جہاز نے دو تین گھنٹہ قیام کیا۔ ڈاکٹر نے آکر جہاز کا معائنہ کیا۔ کشتی والوں نے آکر حاجیوں کے ہاتھ، انڈا، مرغی، مچھلی، ترکاری، کھانے پینے کا سامان فروخت کرنا شروع کیا۔ سمندر کے سیپ۔ گھونگے، اور بڑی کوڑیاں بھی خوب سستی بک رہی تھیں۔ ہم نے بھی کچھ خریدیں۔ ایک ایک آنہ کو جو بڑی سیپیاں خریدیں وہ ہندوستان میں ایک آنہ تولہ کے عطاری نرخ سے بلحاظ وزن دو دو۔ تین تین روپے کی ہوگئیں۔ اور عمدگی کے لحاظ سے بہت بہتر تھیں۔ اسی سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ سمندری چیزوں کی تجارت میں کس قدر منافع کی گنجائش ہے۔

خرید و فروخت کا بھی عجیب طریق ہے۔ دکان دار جہاز پر تو آ نہیں سکتے جہاز کے قریب کشتیاں لاتے ہیں۔ جو حاجی اشارہ کرتے ہیں۔ ان کی طرف بڑی صفائی سے ڈوری پھینکتے ہیں۔ حاجی ہاتھ بڑھا کر پھرتی سے اس کو پکڑ لیتے ہیں۔ اب گویا سلسلہ قائم ہوگیا کشتی والے ٹوکریوں میں مال رکھ کر ڈوری میں باندھ دیتے ہیں۔ حاجی ان ٹوکریوں کو ڈول کی طرح اوپر کھینچ لیتے ہیں۔ مال پسند ہو تو سمجھدار فریقین ہاتھ کے اشاروں سے اور ناسمجھ گلے پھاڑ پھاڑ کر نرخ طے کرتے ہیں۔ سودا پٹ جائے تو حاجی مال نکال کر اسی ٹوکری میں دام رکھ دیتے ہیں۔ اور کشتی کی طرف ٹوکری لوٹا دیتے ہیں۔ اس طریق میں بد معاملگی کی بہت گنجایش ہے۔ لیکن کشتی والے حاجیوں کا اعتبار کرتے ہیں۔ اور حاجی بھی

فصل ۳ ایمان داری کا سودا کرتے ہیں۔

کشتی والوں کے سوا بہت سے بوڑھے۔ بچے۔ نوجوان جہاز کے اردگرد جمع ہو کر خوب تیراکی اور غوطہ زنی کے کمالات دکھاتے ہیں۔ حاجی بھی ڈک پر کھڑے تماشہ دیکھتے ہیں۔ پیسے۔ اکنی۔ دوانی۔ اوپر سے پھینکتے ہیں تو وہ لوگ لپکتے ہیں، سمندر میں سے صاف نکال لاتے ہیں اور منہ میں بھرتے جاتے ہیں آپس میں خوب جھپٹتے ہیں کشتی لڑتے ہیں۔ گویا کہ سمندر میں مچھلیاں دوڑ رہی ہیں۔ مشق بھی عجب چیز ہے۔ تیراکی میں بلا کا توازن دکھاتے ہیں۔ بعض نوجوان بڑے دھینگ ہیں۔ دوسروں کو ان کا مقابلہ دشوار ہے۔ جو کچھ آتا ہے سب ان کے منہ میں جاتا ہے۔ مجھ کو چھوٹے بچوں سے ہمدردی ہے۔ بچوں کو اشارہ سے متوجہ کر لیا۔ اور ایسی ترکیب سے اکنیاں پھینکیں کہ قریب قریب ان کے منہ پر گریں اور انھوں نے لپک لیں۔ بڑے منہ دیکھتے رہ گئے۔ بعض دوسرے حاجیوں نے بھی اسی ترکیب سے بچوں کی امداد کی۔ لیکن بوڑھوں کا معاملہ دشوار تھا۔ نہ ان میں نوجوانوں کی سی پھرتی۔ اور نہ بچوں کی طرح ان کے ساتھ لوگوں کو دلچسپی۔ پھر بھی غریب ہاتھ پیر مارتے ہیں۔ ہمدردی سے کچھ ان کی طرف پھینکئے بھی تو شہ زور نوجوان لپکتے ہیں۔ بچے جھپٹتے ہیں۔ ان کا حصہ مارتے ہیں۔ بہرحال نوجوان اور بچے بھی فی الجملہ ان ہی کی آل اولاد ہیں مگر وہ تیرتے بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ اور ان کے بھونڈے پن پر ہنسی آتی ہے ہر عمر کا اقتضا الگ ہے۔ یہ سب دکان دار اور تیراک عرب لوگ ہیں۔ جو کامران کے ویران جزیرہ پر آباد ہیں۔ یہی جہازوں کی آمدورفت ان کی معاش ہے۔

(۱۰) یلملم

کامران سے جہاز چلا تو دو روز میں جدہ پہنچ گیا۔ راستہ میں ہندوستان کا میقات یلملم شام کو سات بجے آیا۔

لیکن کپتان نے صبح ہی اعلان کر دیا تھا اور سہ پہر کو وقت ظہر انجن کی سیٹی دیدی فصل ۳
کہ حجاج اطمینان سے احرام باندھ کر فارغ ہو جائیں۔ چنانچہ صبح سے احرام بندی
کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اور بالخصوص ظہر عصر کے مابین خوب سرگرمی رہی۔ جدھر
دیکھو احرام بندھ رہا ہے۔ تلبیہ ہو رہا ہے۔ بڑی رونق ہے۔ بعض کے نزدیک
احرام باندھتے وقت سر میں مشک لگانا سنت ہے۔ چنانچہ حضرت بغدادی صاحب
نے خود بھی مشک لگائی اور احباب میں خوب تقسیم کی۔ اکثر حجاج عصر تک فارغ
ہو گئے۔ کیونکہ بعد عصر مغرب تک حنفیوں کے نزدیک نفل احرام پڑھنا مکروہ ہے
اور خوف ہے کہ مبادا مغرب کے بعد ہی میقات آجائے اور احرام بندی کے
واسطے کافی وقت نہ مل سکے۔ چنانچہ مغرب کے بعد ہی دوسری سیٹی ہو گئی کہ گویا
جہاز میقات سے گزر رہا ہے۔ احرام بندی کا موقع ختم ہو گیا۔ سب نے خدا کا
شکر ادا کیا کہ احرام باندھ کر میقات میں داخل ہوئے۔ اور احکام حج کا سلسلہ
شروع ہو گیا۔

(۱۱) جدہ

یوں تو بمبئی سے جدہ تک راست دس روز کا سفر ہے
لیکن جہاز کو کراچی بھی جانا پڑا۔ اور مال لینے کی خاطر
وہاں اس کا دو روز قیام بھی رہا۔ اس لئے وہ چودہ روز میں ۲۷ مارچ یوم دوشنبہ
سہ پہر کو جدہ پہنچا۔ حجاج کی خوشی کا عالم قابل دید تھا۔ سامان تو پہلے ہی صبح سے
بندھ رہا تھا۔ کشتیوں نے جہاز کو آگھیرا۔ حمال جہاز پر چڑھ آئے۔ سامان جمع
کرنے لگے۔ مگر کسی کو اترنے کی اجازت نہ تھی۔ اول حجازی حکومت کے ڈاکٹر
آئے۔ اس کے بعد خان بہادر مولوی احسان اللہ صاحب برٹش وائس کونسل
خاص شان سے پہنچے۔ کشتی پر برطانوی جھنڈا لہرا رہا تھا۔ چند آفیسر ساتھ تھے
جہاز نے سیٹی سے سلامی دی۔ چیف آفیسر نے استقبال کیا۔ جہاز پر پہنچے تو حجاج نے

فصل ۳ گھیر لیا۔ ہم بھی سب سے اوپر کی ڈک پر کھڑے تماشہ دیکھ رہے تھے۔ خان بہادر نے واقفوں سے دریافت فرمایا کہ کیا فلاں شخص بھی اسی جہاز پر آیا ہے معلوم ہوا کہ آیا تو ہے مگر خدا جانے اس وقت کہاں ہے اِدھر اُدھر تلاش ہوئی۔ بہر حال اوپر تشریف لائے تو ملاقات ہوئی۔ محبت سے بغل گیر ہو گئے۔ خیریت پوچھی۔ دل سے دعا نکلی کہ اللہ تعالیٰ ان کو باصحت و عافیت حجاج کی خدمت گزاری اور خبر گیری پر مامور رکھے۔ اور جزائے خیر عطا کرے۔

داخلہ کی رسومات میں تقریباً دو گھنٹے گزر گئے۔ اور حجاج اترنے کو بیقرار تھے۔ بالآخر حجاج اترنے شروع ہوئے۔ کشتی اور باربرداری کی اجرت ٹکٹ کے ساتھ پہلے ہی وصول کر لی جاتی ہے۔ اس لئے حجاج کو یہاں کچھ دینا نہیں پڑتا۔ یوں بخشش کے طور پر اپنی خوشی سے کشتی والوں کو اور حمالوں کو کچھ دیں تو دوسری بات ہے۔ لیکن جو لوگ بادبانی کشتیوں کے بجائے برقی کشتیوں میں آئے۔ انھوں نے البتہ فی کس ڈیڑھ روپیہ ادا کیا۔ جہاز ساحل سے تقریباً دو میل دور لنگر انداز ہوا تھا۔ لیکن چونکہ پانی کے نیچے چٹانوں کی کثرت ہے۔ کشتیوں کو بھی گھوم گھوم کر احتیاط کے ساتھ چٹانوں سے بچکر آنا پڑتا ہے۔ اترتے وقت سمندر میں قدرے تموج تھا۔ اسی لئے کشتیاں خوب جھکولے کھا رہی تھیں۔ اور آپس میں ٹکرا رہی تھیں۔ سوار ہونے والوں کو مشکل تھی۔ زینہ سے اتر کر قریب کی کشتی میں پہنچنا۔ اور پھر اس سے کشتی بہ کشتی اترتے چڑھتے اپنی کشتی تک پہنچنا۔ اس مرحلہ میں اگر قدم خطا کر جائے تو گڑپ۔ یا دو ٹکراتی کشتیوں کے درمیان پیر آجائے تو الاماں الاماں۔ اگر کشتی کا کنارہ پکڑا اور قریب کی کشتی نے آکر ٹکر دی تو انگلیوں کا خدا حافظ۔ غرض کہ عجیب معرکہ تھا۔ ہر کوئی تہ و بالا ہو رہا تھا۔ خاص کر

فصل ۳
بوڑھوں۔ بچوں۔ عورتوں اور بیماروں کی بڑی مشکل تھی۔ خدا خدا کرکے سوار ہونے والے سوار ہوئے۔ مجروح ہونے والے مجروح ہوئے۔ اگر سمندر میں تموج نہوتا تو اتنی دشواری نہ ہوتی۔ اسی خوف سے محتاط لوگ رُکے رہے۔ حتیٰ کہ شام ہوگئی۔ اترنا بند ہوگیا۔ کئی سو حاجی جہاز پر رہ گئے۔ شب وہیں بسر کی۔ دوسرے روز صبح کو جہاز سے اترے۔ اس وقت سمندر میں سکون تھا۔ خاصی سہولت رہی۔

جدہ پہنچے تو معلموں کے وکیلوں نے اپنے حجاج الگ کئے۔ اور مکان لے گئے بعد کو آکر انکا سامان منگوایا۔ کروڑگیری سے نکالا۔ مکان پہنچایا۔ اس میں خود حجاج نے بھی ہاتھ بٹایا۔ خدا کا شکر ہے کہ بحری سفر ختم ہوا۔ حجاز شریف میں داخل ہوگئے۔ ہم حیدرآبادی حاجیوں کے معلم بدرالدین سیف الدین صاحب ہیں۔ اور جدہ میں ان کے وکیل عبدالرزاق صاحب، عبدالقادر صاحب بندرگاہ پر موجود تھے۔ حاجیوں کا اور ان کے مال و اسباب کا انتظام کر رہے تھے۔ مکان بھجوا رہے تھے۔ اسی کام میں رات کے دس بج گئے پھر حاجی مکانوں میں اترے۔ بارہ بجے کے قریب سب فارغ ہوکر سوئے۔ جدہ میں دو روز قیام رہا۔

(۱۲) مکہ معظمہ کو روانگی

حیدرآبادی حجاج تیسرے روز مکہ معظمہ روانہ ہوئے۔ کچھ اونٹوں پر۔ کچھ لاریوں میں۔ اور کچھ موٹروں میں۔ اونٹ کا کرایہ فی کس نصف گنی لاری کا ایک گنی۔ اور موٹر کا فی کس ڈیڑھ گنی تھا۔ یہی تناسب یعنی اکہرا۔ دوہرا۔ تہرا۔ ان سواریوں کے کرایہ میں ہر سفر میں قائم رکھتے ہیں۔ چنانچہ مکۂ معظمہ یا جدہ سے مدینہ منورہ تک دو طرفہ کرایہ اونٹ کا فی کس پانچ گنی۔

فصل ۳ لاری کا دس گنی۔ اور موٹر کا پندرہ گنی تھا۔ لیکن کرایہ کے نام سے جو رقوم معین ہیں۔ ان میں فی الواقع دو مدیں شامل ہیں۔ ایک کوشان۔ دوسرا کرایہ۔ ستر فیصدی حصہ کوشان رہتا ہے۔ اور یہ خاص شاہی حق قرار دیا گیا ہے۔ حکومت کو بھی یہ رقم نہیں ملتی۔ خود جلالتہ الملک کے خانگی خزانہ میں داخل ہوتی ہے۔ بقیہ تیس فی صدی رقم سواری والوں کو بطور کرایہ مل جاتی ہے۔ اسی طرح کام چل رہا ہے۔ شروع شروع میں کوشان کا یہ مقصد بتایا گیا تھا کہ اس رقم سے راستے درست کئے جائیں گے۔ اور راستے کسی نہ کسی حد تک کہیں کہیں درست بھی کئے ہیں تاہم کوشان کی کثیر رقم فی الحال سلطانی خزانہ میں جمع ہوتی ہے ع

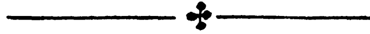
داشتہ آید بکار

اونٹ تو جدہ سے مکہ معظمہ معمولاً دو روز میں پہنچتے ہیں۔ لیکن لاری موٹر میں دو تین گھنٹہ کا سفر ہے۔ کثرتِ آمدورفت کی وجہ سے خاصی سڑک بن گئی ہے۔ کہیں کہیں حکومت نے بھی پہاڑ کاٹ کر سطح ہموار کی ہے۔ راستہ میں دو ایک جگہ نام کے ہوٹل ہیں۔ جہاں چاء پانی ملتا ہے۔ مسافر دم لیتے ہیں۔ آجکل تربوز کی خوب کثرت ہے۔ یہاں کے لوگ اس کو حب حب کہتے ہیں۔ خوب سرخ شیریں اور سستے ہیں۔ ہر جگہ ڈھیر نظر آتے ہیں۔ ریگستان میں یہ کثرت، خدا کی قدرت ہے۔ غریب بدوؤں کے بچے منزلوں پر جمع رہتے ہیں۔ حاجی پہنچے کہ انھوں نے چاروں طرف سے آگھیرا۔ مقصد تو خیر خیرات لینا ہے۔ مگر قرینے سے لیتے ہیں۔ یا تو ٹوٹی پھوٹی عربی میں کچھ ایسے درد سے نعتیہ اشعار پڑھتے ہیں کہ دل بھر آتا ہے یا بھولے انداز میں کچھ ایسے ناچتے کودتے ہیں کہ بیساختہ ہنسی آجاتی ہے۔ بہرحال ان کا کام بن جاتا ہے۔ حجاج ضرور ان کی تواضع کرتے ہیں۔ کوئی دل ایسا ہی سخت ہو اور نہ پسیجے تو دوسری بات ہے۔

فصل ۳ ہم لوگ لاری میں سوار ہو کر بتاریخ ۲۹ مارچ یوم چہارشنبہ مطابق ۳ ذیحجہ سہ پہر کو مکہ معظمہ پہنچے۔ حضرت بغدادی صاحب اور ان کے بال بچے سب ہمارے ساتھ تھے۔ مکہ معظمہ کے پھاٹک پر ایک کنواں ہے۔ وہاں غسل کر کے شہر میں داخل ہونا سنت ہے۔ لاری موٹر بھی وہیں رُکتے ہیں۔ وہاں سے لوگ یا تو پیدل جاتے ہیں۔ یا گھوڑا گاڑی کرایہ پر لیتے ہیں۔ اس کو عربانہ کہتے ہیں۔ ہم لوگ بھی یہیں اترے۔ مستورات کو تو عربانہ میں روانہ کر دیا۔ اور ہم سب نے بطریق مسنون اس کنویں پر غسل کیا۔ اور شہر میں پیدل داخل ہوئے۔ گرچہ پھاٹک سے قیام گاہ تک تخمیناً دو میل کا فصل تھا۔ راستہ بھی چڑھائی کا تھا دھوپ بھی تیز تھی۔ اور حضرت بغدادی صاحب کے گھٹنے میں درد تھا۔ مگر واقعی بڑی ہمت کی۔ کُل راستہ پیدل چلے۔ ہزار اصرار کیا۔ ادباً اور عقیدتاً سواری منظور نہ کی۔ اسی طرح چلتے، دم لیتے، مکان پہنچے۔

جدہ سے مکہ معظمہ جاتے ہوئے راستہ میں ایک لطیفہ ہوا۔ جب لاری حدود حرم کے قریب پہنچی تو حضرت بغدادی صاحب نے اس کو رُکوا لیا۔ اور اتر پڑے ریتی میں برہنہ پا چلنے لگے کہ داخلہ حرم کا کچھ تو ادب ادا ہو جائے۔ ساتھیوں نے بھی اتباع کی۔ چونکہ بالعموم لاری موٹر کے حجاج ان آداب کا لحاظ نہیں رکھتے۔ شوفر کو تعجب ہوا۔ اور لاری روکنا ناگوار گزرا۔ تاخیر کے عذر سے اس نے اصرار کر کے چند ہی منٹ بعد ہم کو سوار کر لیا۔ لیکن خدا کی قدرت چند ہی فرلانگ بڑھا ہو گا کہ بالکل نئے ٹائر میں پنکچر ہو گیا۔ اور اس کی مرمت کے واسطے اس کو دو ڈھائی گھنٹے رُکنا پڑا۔ اول تو دل میں خود ہی بہت جھینپا۔ دوسرے حضرت بغدادی صاحب نے اس کو عربی میں خوب چھیڑا کہ اگر اتنی عجلت نہ کرتا تو یہ باِ مشقت تاخیر کیوں پیش آتی۔ اس کے پاس بھی کیا

فصل۳ جواب تھا۔ ہم لوگ اتر کر خوب چلے پھرے۔ بعض ساتھیوں نے قریب کی
منزل بیدل جاکر چائے پی۔ مرمت کے بعد لاری چلی تو مکہ معظمہ پہنچے فالحمد للہ
علی ذالک۔



فصل چہارم

مکۂ معظمہ

(۱) قیام کا انتظام

بہر حال ۲۹ مارچ یوم چہار شنبہ ۳ بجے کو مکہ معظمہ حاضر ہوئے۔ دل کی خوشی کا کیا کہنا تھا۔ خدا سب کو نصیب کرے۔ حضرت بغدادی صاحب تو بال بچوں کی خاطر ایک کرایہ کے مکان میں اترے۔ اور میں سرکاری رباط چلا گیا۔ مکہ معظمہ میں اعلیحضرت بندگان عالی مدظلہ العالی کی دو رباط ہیں۔ ایک حسین بی صاحبہ کی رباط کہلاتی ہے اور دوسری دلاور النساء بیگم صاحبہ کی رباط مشہور ہے۔ یہ دونوں بیگمات بھی کیسی خوش نصیب ہیں۔ ان کے اوقاف سے حیدرآبادی حجاج کو مکہ معظمہ میں کیسا آرام ملتا ہے۔ اور اس کا کتنا ثواب ان کو ملتا ہوگا۔ حسین بی صاحبہ کا ایک مکان اور ایک رباط مدینہ منورہ میں بھی موجود ہے ان کے سوا بھی حیدرآباد کے کچھ رباط اور باغات ہیں۔ مگر اکثر خراب، خستہ ویران ہیں۔ نگرانی اور درستی کا جو انتظام ہے، ناکافی ہے۔ ناقص ہے۔

صرف ایک روز رباط میں رہا۔ دوسرے روز حرم شریف کے قریب شامی محلہ میں جہاں پیر بغدادی صاحب مقیم تھے۔ محض دل کی کشش سے ایک مکی صاحب

فصل ۴ ملاقات ہوئی۔ اور طبیعتوں میں کچھ ایسی موافقت اور مناسبت نکلی کہ دل مل گیا اور اسی روز میں ان کے مکان پر آ گیا۔ بہت آرام کا کمرہ مل گیا۔ دیگر ضروریات کا بھی وہاں بہت عمدہ انتظام تھا۔ کھانے کا انتظام بھی ان ہی کے ہاں ہو گیا اور یہ سب انتظام مجموعی حیثیت سے اس قدر بہتر ثابت ہوا کہ حضرت بغدادی صاحب بھی اپنی حد تک اس میں شریک ہو گئے۔ بال بچے تو دوسرے کرایہ کے مکان میں تھے۔ اور خود حضرت ہمارے ساتھ اس مکان میں رہنے لگے۔ آمنے سامنے مکانات تھے۔ کوئی دقت نہ تھی۔ بہت آرام و اطمینان سے ہنسی خوشی وقت گزرتا تھا۔

یوں تو مکہ معظمہ میں عام دستور ہے کہ لوگ حجاج کو کرایہ پر اپنے مکانات میں اتارتے ہیں یا ساتھ رکھتے ہیں۔ زیادہ تعلقات ہوں تو کھانے کا بھی انتظام کر دیتے ہیں۔ سب باتوں کا پہلے سے معاوضہ طے کر لیتے ہیں۔ لیکن یہ ایک کاروباری شکل ہے۔ اس میں تعلقات کا لطف نہیں آتا۔ مروت و محبت کی چاشنی نہیں رہتی معاملہ خشک خشک رہتا ہے۔ ع حساب دوستاں در دل۔ اس میں کچھ اور ہی برکت ہے۔ لیکن فریقین میں غیرت و مروت ہونا شرط ہے۔ ورنہ پھر حساب بگڑ جاتا ہے۔ ایک نہ ایک فریق پچھتاتا ہے۔ بہرحال خدا کا شکر ہے۔ اپنا تو یہی حساب رہا۔ ہمارے میزبان اسمٰعیل جمیل صاحب واقعی اسم بامسمّٰی ہیں۔ صورت میں بھی جمیل ہیں۔ اور سیرت میں بھی جمیل بلکہ اجمل ہیں۔ سفر میں نیکوں کی دوستی واقعی بڑی نعمت ہے۔ بڑی راحت ہے۔ مکہ معظمہ کے لوگ سخت مزاجی اور سخت معاملگی کے واسطے مشہور ہیں۔ لیکن ع

خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد

ہر جگہ سب طرح کے لوگ ہیں۔ بلکہ سچ پوچھئے تو حاجی بھی کچھ کمی نہیں کرتے۔ اکثر

یہی ہوتا ہے کہ لوہے کو لوہا کاٹتا ہے۔ اینٹ کا جواب پتھر ملتا ہے۔ بہرحال فصل ۴
ہمارے ملکی دوست اسمٰعیل جمیل صاحب ماشاءاللہ خوبصورت اور نیک سیرت ہیں۔ شریف اور معزز ہیں۔ صاحبِ علم اور صاحبِ حسن ہیں۔ رضا دل ہیں وضعدار اور زیادہ بہت بامروت ہیں۔ ملنسار ہیں۔ ہمارے احباب مکہ معظمہ میں ان سے ضرور ملیں، موقع ہو تو ان کی میزبانی قبول کریں۔ لیکن خود بھی اخلاق میں کوتاہی کریں کہ حرمین شریفین کے لوگ ہمیشہ سے محترم ہیں اور آج کل بہت امداد و ہمدردی کے مستحق ہیں۔ فی الحال باب العتیق کی گلی میں حرم شریف کے قریب شامی محلہ میں رہتے ہیں۔ لیکن یہ کرایہ کا مکان ہے۔ ممکن ہے آئندہ مکان بدل دیں۔ لیکن مکہ میں مشہور و معروف ہیں۔ بآسانی پتہ چل سکتا ہے۔

(۲) مقامی ساتھی قیام و طعام کا تو بفضلہ خوب امید سے بڑھکر انتظام ہو گیا۔ دوسرا مسئلہ ساتھی کا ہے غریب معلم کو تو سر کھجانے کی بھی مہلت نہیں ملتی۔ ع

یک سر و ہزار سودا

وہ اپنے ہی حال میں بے حال رہتا ہے۔ حج کے سب کام اسی کے ذمہ رہتے ہیں۔ پھر اپنے ساتھ کون رہے۔ زیارات کو ساتھ جائے۔ بازار کو ساتھ جائے۔ ضروریات خرید کر لائے۔ یوں تو بہت سے لوگ مل سکتے ہیں خود خواہش کرتے ہیں۔ لیکن مرضی موافق لوگ مشکل سے ملتے ہیں۔ سمجھدار ہیں تو دیانت دار نہیں۔ دیانت دار ہیں تو سمجھدار نہیں۔ دونوں بھی ہیں تو مستعد نہیں۔ کارگزار نہیں۔ خوش قسمتی سے معلم ہی کی معرفت ہم کو ایک شریف طالب علم مل گیا۔ اور اس سے خوب نبھی۔ عبدالرحمٰن سلمہٗ فی الحال رباط حسین بی میں مقیم ہیں۔ بہت نیک طینت اور سعید ہیں۔ کافی واقف کار ہیں۔ اکثر

فصل ۴ اپنے ساتھ رہتے تھے۔ کام کاج میں مدد دیتے تھے۔

(۳) مولانا شفیع الدین صاحب مہاجر مکی

فصل سوم میں ذکر آچکا ہے کہ جہاز پر دو بحثیں چلی تھیں۔ چنانچہ ایک بحث تو فصل سوم ہی میں بیان ہو گئی۔ دوسری بحث جو مکہ معظمہ حاضر ہو کر فیصل ہوئی وہ یہ تھی کہ ایک زرد پوش شاہ صاحب نے جہاز پر سفر کی آخر شب یہ دعویٰ کیا کہ تمتع کے حاجی بھی عمرہ کے بعد حلال ہو کر ایام تشریق سے قبل مزید عمرہ نہیں کر سکتے اس لئے کہ وہ بھی اہل مکہ کی شمار میں آجاتے ہیں۔ تعجب ہوا' شاہ صاحب کو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب زبدۃ المناسک میں دکھایا گیا کہ صرف وہ حاجی اہل مکہ کی شمار میں آتے ہیں جو اشہر حج سے قبل میقات میں داخل ہو کر مکہ معظمہ میں مقیم ہوں۔ ان کے واسطے البتہ اشہر حج میں عمرہ مکروہ ہے لیکن جو اشہر حج میں داخل میقات ہوں وہ آفاقی شمار ہوتے ہیں۔ اور تمتع کی صورت میں وہ عمرہ سے حلال ہو کر ایام تشریق عمرے کر سکتے ہیں۔ اور کرتے ہیں۔ اس بحث کی بدولت شب کو جہاز پر خاصی چہل پہل ہو گئی۔ جو علماء، جو معلم جو مکی موجود تھے سب نے مسئلہ کی تصدیق کی۔ مگر شاہ صاحب کی تشفی نہیں ہوئی۔ بالآخر ملا علی قاری کے مناسک پر تصفیہ قرار پایا۔ اسی وقت کتاب آئی اس میں بھی یہی شکل نکلی۔ اس پر بھی شاہ صاحب کو کلام رہا۔ بعض حجاج اسکو شاہ صاحب کی ہٹ دھرمی سمجھے۔ تیز ہونے لگے۔ لیکن بات رفع دفع ہو گئی رات بھی زیادہ ہو گئی تھی سب سو رہے۔

جب مکہ معظمہ حاضر ہوا تو حرم شریف میں مولانا شفیع الدین صاحب سے نیاز حاصل کیا۔ حضرت مولانا حاجی امداد اللہ علیہ الرحمۃ کے سلسلے میں

آپ خلیفہ ہیں۔ وطن تو قصبۂ نگینہ ہے لیکن مہاجر ہیں۔ عمر کا بیشتر حصہ مکہ معظمہ میں فصل ۲
بسر ہوا۔ بعد عصر حرم شریف میں نشست رہتی ہے۔ عالم متبحر ہیں۔ اور مناسک حج
پر تو ایسا عبور ہے کہ باید وشاید مسئلہ کے متعلق مولانا نے بھی یہی فرمایا کہ جو حاجی
اشہر حج میں داخل میقات ہو وہ آفاقی مانا جاتا ہے۔ اہل مکہ کی شمار میں نہیں آتا
اور تمتع کی صورت میں وہ عمرہ کے بعد حلال ہو کر قبل ایام تشریق مزید عمرے
کرسکتا ہے۔ اور یہ اس کا خاص حق ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ' مغالطہ لوگوں کو ایک
دوسرے مسئلہ سے پیدا ہوتا ہے۔ اور کبھی کبھی ان کے کانوں تک بھی پہنچتا ہے۔ وہ
مسئلہ یہ ہے کہ جو حاجی قدیم رسم کے مطابق اپنے ساتھ ہدی لائے وہ تمتع کے
صورت میں بھی عمرہ کے بعد محرم رہتا ہے۔ حلال نہیں ہوتا۔ البتہ اسی احرام میں
حج کی نیت کرتا ہے اور قارن کی طرح بعد حج حلال ہوتا ہے۔ لیکن یہ خاص صورت
اہل حجاز کو پیش آتی تھی اور آسکتی ہے کہ وہ حج کرنے آئیں تو ہدی بھی ساتھ
لائیں۔ اہل ہند کہاں ہدی ساتھ لاسکتے ہیں۔ ان سے اس مسئلہ کا کوئی
تعلق نہیں ہے۔

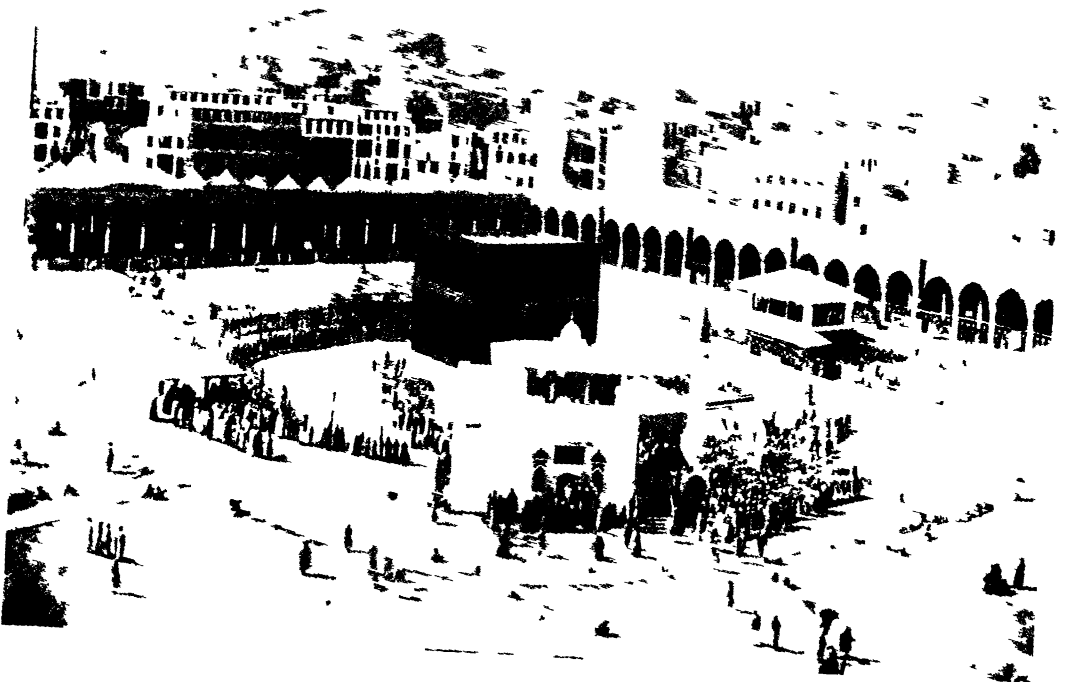
بعد کو شاہ صاحب بھی مولانا ممدوح کی خدمت میں حاضر ہوئے تو قائل
ہوگئے۔ اور پھر مجھ سے ملاقات ہوئی تو معذرت خواہ ہوئے۔ یہ شاہ صاحب
کا حسن خلق تھا' ورنہ معذرت خواہی کی کوئی بات نہ تھی۔ بعد کو بھی شاہ صاحب
اخلاق ومحبت سے ملتے رہے۔ اس خوش تعلقی کا ذکر اسلئے ضرور ہوا کہ سنا اس
طرح ایک دوسرے جہاز پر اسی سال دو مولوی صاحبان میں محض کعب کے معنی
پر بحث چلی کہ آیا اس میں صرف ٹخنہ داخل ہیں یا پشت پا بھی شامل ہے بحث
اتنی بڑھی کہ سخت کلامی سے دست درازی تک نوبت آئی۔ جہاز کے حکام تک
فریاد پہنچی اور نقض امن کا اندیشہ پیدا ہوگیا۔ دین کے مسائل میں اتنی ضد اور

فصل ۴ اور ہٹ کی کیا ضرورت ہے۔ اس سے تو دین کی بے توقیری ہوتی ہے۔ وما علینا الا البلاغ۔

تحقیق کے سلسلہ میں جو مولانا شفیع الدین صاحب سے نیاز حاصل ہوا اور مناسک حج کے متعلق کچھ عرض کرنے کا موقع ملا تو مولانا اس ناچیز پر بہت ملتفت اور مہربان ہوگئے۔ حاضر خدمت ہوتے رہنے کی نہ صرف اجازت ملی بلکہ تاکید ہوئی۔ ایسی صحبت کہاں نصیب ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ بہت سے مسائل کی توثیق ہوئی اور چند خاص مسائل جو یکجا کم ملتے ہیں اور مولانا کی تحقیق کا ثمرہ ہیں بطور خاص عنایت ہوئے کہ صراط الحمید میں درج کردئے جائیں۔ چنانچہ خیر جاریہ کے طور پر مولانا ممدوح کے حوالہ سے وہ مسائل صراط الحمید جلد اول میں مناسک حج کے سلسلہ میں درج کردئے گئے اور جدید اڈیشن میں شایع ہوگئے۔ دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ وہ مسائل کس درجہ ضروری اور مفید ہیں۔

(۴) حرم شریف

یوں تو دل چاہتا ہے کہ ہو سکے تو کُل وقت حرم شریف میں حاضر رہئے۔ طواف کیجئے۔ لیکن شب کے وقت اور ہی کیفیت ہوتی ہے۔ اس کے دیدار کے واسطے اللہ تعالیٰ دل عطا فرمائے۔ اس کے تصور سے بھی روح کو تفریح و تقویت ہوتی ہے۔ مغرب۔ عشا۔ اور فجر۔ ان نمازوں کے اول آخر طواف کا بہت زور رہتا ہے۔ عشا کے بعد جب ہجوم کم ہوجائے تو مستورات کو طواف کرنے کا اچھا موقع ہے۔ ڈھلتی رات کے طواف کا کیا کہنا۔ سبحان اللہ۔ اس وقت عام لوگ راحت کرتے ہیں۔ خاص لوگ طواف کرتے ہیں۔ اشراق کے بعد حرم شریف بہت خالی ہوجاتا ہے۔ طواف کرنے میں سہولت ہوتی ہے۔ مگر



حرم شریف میں
بیت اللہ مکہ معظمہ
(صفحہ ۸۲)

فصل ۴

اس وقت وہ کیفیت نہیں رہتی۔ ظہر کے بعد بھی لوگ طواف کرتے ہیں لیکن مجمع عصر کے وقت سے بڑھتا ہے۔ اور یوں تو چوبیسوں گھنٹے طواف چلتا ہے۔ ایک لمحہ کو بند نہیں ہوتا۔ طواف میں بڑا معرکہ حجر اسود کو بوسہ دینا ہے۔ جو لوگ تو انا تندرست ہیں۔ ان کو ہر وقت موقع حاصل ہے۔ جو کمزور ہیں۔ وہ ایسے وقت اپنے دل کی آرزو نکالتے ہیں جب کہ ہجوم کم ہو۔ ورنہ دور ہی سے استلام کر لیتے ہیں۔ مستورات کی بھی یہی کیفیت رہتی ہے۔ یوں تو ہر مقبول مقام پر ہجوم رہتا ہے۔ لیکن دو جگہ لوگ زیادہ جمتے ہیں۔ ایک تو ملتزم پر دعا مانگتے وقت۔ دوسرے حطیم میں میزاب رحمت کے نیچے نفل پڑھتے وقت۔ بعض لوگ واقعی بڑی خودغرضی دکھاتے ہیں۔ ان مقامات پر بہت وقفہ کرتے ہیں۔ دوسروں کو منتظر رکھتے ہیں۔ سب کو موقع ملنا چاہیئے۔ اسی بات پر کبھی کبھی آپس میں کھینچ تان بھی ہو جاتی ہے۔ عبادت ایسے ہونی چاہیئے کہ دوسروں کی حق تلفی نہ ہو۔ قادری خدام کے واسطے حرم شریف میں ایک ستون بھی بہت متبرک ہے۔ مستند روایت ہے کہ سیدنا حضرت غوث الاعظم اکثر اسی ستون کے مقام پر تشریف فرما رہتے تھے۔ یہ ستون باب الزیادہ کے قریب ہے۔ اس کی وضع بھی عام ستونوں سے کسیقدر مختلف ہے۔ غالباً ترکوں نے تعمیر کے وقت بغرض شناخت وضع میں امتیاز رکھدیا۔ پہچاننے والے پہچانتے ہیں۔

(۵) اپنے اوقات

اپنا تو یہ معمول تھا کہ دن کو مکان پر آرام لینا۔ ضروری کام انجام دینا۔ زیارات کو جانا۔ ملاقات کرنا۔ اور رات حرم شریف میں بسر کرنا۔ ایک طرف بستر جما لینا۔ اکثر مالکی مصلے کے قریب بستر جمتا تھا۔ جب تک ہو سکے طواف کرنا۔ پھر بیٹھے بیٹھے نہیں تو لیٹے لیٹے بیت اللہ شریف کو تکنا۔ طواف کی سیر دیکھنا۔ اور یہ سماں دل میں

 اُتارنا کہ ع جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی۔ جب نیند کا غلبہ ہو تو سو جانا۔ آنکھ کھلے اور ہمت ہو تو پھر وضو اور وہی مشغلہ۔ اسی طرح صبح کر دینا۔ اور بعد صبح گھر چلے آنا۔ قبل حج تک تو یہی معمول رہا۔ البتہ حج کے بعد طبیعت کچھ ناساز ہو گئی، تو عشا کے بعد مکان آجاتا اور تہجد کے وقت حرم شریف پہنچ جاتا۔ اسی طرح حاضری رہتی تھی۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

(۶) دعا کی لہر

قبول دعا کے جو اوقات و مقامات ہیں معلوم ہیں۔ صراط الحمید جلد اول میں انکی تفصیل بھی درج ہے۔ لیکن مزید برآں دعا کی ایک لہر آتی ہے یہ کچھ عجب ذوق ہے۔ عجب کیفیت ہے۔ ایک وقت ادراک ہوتا ہے کہ دعا کی کشتی میں مقبولیت کے بادبان لگے ہوئے ہیں اور رحمت کی ہوا اس کو اڑا لئے جا رہی ہے۔ ایک وقت ہے کہ ہوا کم ہے لیکن ہمت اور توجہ کے پتوار کشتی کو کھے رہے ہیں کشتی آگے بڑھ رہی ہے۔ مگر کوشش کے ساتھ۔ اور بعض اوقات صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہوا ناموافق ہے۔ ہزار پتوار مارئے کشتی انچہ بھر آگے نہیں بڑھتی بلکہ پلٹا چاہتی ہے۔ ڈوب جائے تو عجب نہیں۔ ایسے نازک وقت کشتی اتارنا بڑی غلطی ہے۔ موقع پہچاننا لازم ہے۔ اور بڑا فضل اُسوقت ہے کہ جو دعائیں کبھی وہم و گمان میں بھی نہ گزری ہوں وہ بے تکلف دل میں اتریں زبان پر آئیں اور مقبولیت کی خنکی سے دل باغ باغ ہو جائے۔ لیکن جبکہ سوچی سمجھی دعائیں ہوا ہو جائیں۔ بہ تکلف بھی دل میں جگہ نہ پائیں محض برائے گفتن زبان پر آئیں۔ ایسی نامقبولیت سے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ اس کوچہ میں عجب عجب احوال گزرتے ہیں۔ ع

عاقل را اشارہ کافیست

فصل ۴

(۷) نادر تحفہ

۱۴ ذی الحجہ یوم پنجشنبہ وقت صبح ملاقات کی غرض سے شیبی صاحب کے دولت خانے پہنچے۔ بدرالدین صاحب معلم کے چھوٹے بھائی حسین سلمہ بھی ساتھ تھے۔ جاتے ہوئے حرم شریف سے گزرے تو حسین نے کہا کہ آج بیت اللہ شریف کو غسل دیا گیا ہے۔ مطاف خوب مہک رہا تھا۔ اسی وقت دروازہ بھی بند کیا جا رہا تھا۔ آب زمزم میں مشک و گلاب جیسی خوشبوئیں ملا کر بیت اللہ شریف کے اندرونی حصے کو دھوتے ہیں۔ اسی کو غسل کہتے ہیں۔ سال میں دو غسل ہوتے ہیں۔ غسل کا پانی بہت احتیاط سے جمع ہو کر شیبی صاحب کے ہاں جاتا ہے۔ اور وہاں سے بطور تبرک تقسیم ہوتا ہے۔ بڑا تبرک سمجھا جاتا ہے۔ تھوڑا تھوڑا تقسیم ہو کر دور دور تک جاتا ہے۔ بہرحال ہم شیبی صاحب کے ہاں پہنچے، تو تمام مکان اسی خوشبو سے معطر تھا۔ حسین نے کہا کہ غسل کا پانی آیا ہے یہ اسی کی خوشبو ہے۔ معلوم ہوا کہ شیبی صاحب جلالۃ الملک سے ملنے تشریف لے گئے ہیں۔ لیکن واپسی کا وقت قریب ہے۔ خیر۔ ہم نے تصفیہ کیا کہ کچھ دیر انتظار کر لیں۔ ملاقات ہو جائے تو فبہا ورنہ پھر سہی۔ اس وقت اور بھی ضروری کام تھے۔ ہم نے ملاقات کے کمرہ میں کچھ دیر قیام کیا۔ ایک صاحبزادے بھی اخلاقاً ہمارے پاس آ بیٹھے۔ حسین نے پانی مانگا۔ فوراً ٹھنڈا زمزم عنایت ہوا۔ مجھ سے بھی دریافت کیا گیا۔ میں کیوں انکار کرتا۔ لیکن زہے قسمت ہم کو بلا طلب اور بلا توقع غسل کا معطر زمزم ایک بڑا گلاس بھر کر عطا ہوا۔ عطیہ الٰہی تھا فوراً ادب سے پی لیا۔ خوشبو سے دماغ بس گیا۔ خوشی سے دل بھر گیا۔ سچ پوچھیے تو روح مست ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ حسین نے مبارکباد دی کہ ایسا تبرک بن مانگے قسمت والوں کو ملتا ہے۔ بڑی نیک فال ہے۔

فصل ۴ شیبی صاحب کا تھوڑا انتظار کیا۔ اس کے بعد رخصت ہوئے۔ اور جہاں کہیں جانا تھا۔ گئے۔ مکان پہنچے تو سب نے سن کر اس تبرک کی مبارک دی لیکن ساتھ ہی سوال ہوا کہ قران کا احرام ہے۔ احرام میں خوشبو ممنوع ہے۔ جب معطر زمزم پی لیا۔ تو دو دم دینے واجب ہوئے۔ ہم نے عرض کیا۔ کہ ہمیں تو وہم و گمان بھی نہ تھا۔ لیکن۔ ع

گر یار مے پلائے تو پھر کیوں نہ پیجئے

دو دم بسر و چشم حاضر ہیں۔ سچ پوچھئے تو ایسا تبرک سو دم میں بھی سستا ہے۔

(۸) بیت اللہ شریف کی داخلی

اگلے دن ۵ ذیحجہ کو جمعہ تھا بعد نماز صبح بیت اللہ شریف کی داخلی ہوئی۔ ہم کو بھی اسی موقع پر داخلی کا شرف حاصل ہوا۔ عام داخلی تو بلا معاوضہ ہوتی ہے۔ لیکن اس میں اژدہام بہت رہتا ہے۔ خاص داخلی میں شیبی صاحب کو نذر دینی پڑتی ہے۔ اور اہل ذوق خوشی سے دیتے ہیں کہ بیت اللہ شریف کے اندر یکسوئی رہے۔ چنانچہ ہم نے بھی نذر پیش کی۔ صرف چند حجاج کی داخلی ہوئی اور تقریباً ایک گھنٹہ اندر حاضری رہی۔ جو پڑھنا تھا پڑھا۔ جو کہنا تھا کہا۔ جو دیکھنا تھا دیکھا۔ اللہ اکبر۔ اس عالم شہادت میں اس سے بڑھ کر کیا رسائی ہوگی۔ بیت اللہ شریف کے اندر حاضر ہیں۔ عالم باطن خدا پر روشن ہے۔ کیا خوب ہو کہ ہم بیت اللہ میں داخل ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دل میں داخل ہو۔ ہمارا دل پھر بیت اللہ بن جائے۔ ظاہر کے بیت اللہ میں باطن کا بیت اللہ آجائے۔ ایک حرم میں دوسرا حرم سما جائے۔ کچھ عجب لطف ہو جائے۔ ع

او در من و من در وے چوں بو بگلاب اندر

جن کے دل بیت اللہ تھے۔ ان ہی کے ہاتھوں نے اس بیت اللہ کی بنا ڈالی۔ فصل ۲
اور ان ہی کی دعاؤں سے یہ بیت اللہ آباد ہے۔ سُبحان اللہ و بحمدہٖ۔

(۹) زیارات

فرصت کے اوقات میں زیارات پر بھی حاضر ہوئے مولد النبیؐ۔ مولد فاطمہؓ۔ مولد علیؓ۔ تینوں مقام ویران چٹیل میدان پڑے ہیں۔ لوگ پتہ بتاتے ڈرتے ہیں۔ کوئی نہ بتائے تو گمان بھی نہ ہو کہ حال تک یہاں دنیا کی بہترین مرصع اور متبرک عمارات کھڑی تھیں۔ ظاہر و باطن کی نعمتوں سے مالامال تھیں۔ ان کی زیارت سے آنکھوں میں نور۔ دل میں سرور آتا تھا۔ روح تازہ ہوتی تھی۔ اب وہ سب خواب و خیال ہو گیا۔ البتہ جو حقیقی برکات ہیں، وہ حقداروں کیواسطے دائم قائم ہیں۔

ان کے سوا دار الخیزران بھی کیا مکان ہے۔ حرم شریف سے کچھ زیادہ دور نہیں ہے۔ سعی کے راستہ میں ایک سربستہ گلی کے ختم پر واقع ہے غنیمت ہے کہ باقی ہے۔ عام طور پر اس کا علم نہیں ہے۔ یہی وہ مکان ہے جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مسلمان عرصے تک خموش زندگی بسر کرتے رہے۔ اسی مکان کے دروازہ کو سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آکر کھٹکھٹایا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول ہوئی کہ اللہ تعالیٰ عمر کے ایمان سے اسلام کو تقویت دے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اسی دروازہ پر ایمان لائے۔ اور اسلام کا دروازہ ہمیشہ کے واسطے کھل گیا۔ منکرین نے پہلی مرتبہ آذان۔ اور تکبیر سُنی۔ اور علی الاعلان عبادت الٰہی شروع ہوئی۔ اس دروازہ پر حاضر ہوجے تو ابتدائے اسلام کا سماں آنکھوں میں پھرنے لگتا ہے۔

فصل ۴

علیٰ ھٰذا جبل ابو قبیس بھی قریب ہی ہے۔ خاصی چڑھائی ہے۔ ایک کنارہ پر مسجد ہے جو حرم شریف کے صحن سے صاف نظر آتی ہے۔ یہ مسجد تاریخی مانی جاتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسی پہاڑی پر رونق افروز تھے جب کہ کفار نے معجزہ کا مطالبہ کیا اور معجزۂ شق القمر نمودار ہوا۔ غرض اس پہاڑی کو بڑی تاریخی اہمیت حاصل ہے۔

اس سے بڑھ کر جبل ثور ہے۔ جہاں غار حرا واقع ہے۔ یہ پہاڑی آبادی سے کئی میل دور ہے۔ بلند بھی زیادہ ہے۔ قرب و جوار میں پولیس کا پہرہ رہتا ہے۔ جو سواری میں جاتے ہیں۔ پکڑے جاتے ہیں۔ حاجی تو بچ جاتے ہیں۔ لیکن گاڑی والے مار کھاتے ہیں۔ اسی لئے جاتے ڈرتے ہیں۔ ہمت والے وقت نا وقت آنکھ بچا کر پیدل جاتے ہیں۔ وہ بھی کبھی پکڑ میں آتے ہیں۔ کبھی نکل جاتے ہیں۔ تاہم دشوار مرحلہ ہے۔ خاص کر چڑھائی بہت زیادہ ہے۔ ہم نے بھی قصد کیا۔ مگر کوئی ساتھی نہ ملا۔ دوسرے پیر میں تکلیف ہو گئی تھی۔ یوں بھی معذوری رہی۔ انشاءاللہ آئندہ موقع پر یہ زیارت نصیب ہو گی۔

جنت المعلیٰ جائیے کہ ستنا خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے مزار شریف پر فاتحہ پڑھیں۔ صحابہ کرامؓ کے مزارات پر فاتحہ پڑھیں لیکن ان مزارات کو مسمار تو پہلے ہی کر دیا تھا۔ اب ایک حد کی دیوار بھی بلند کر دی ہے کہ کوئی آثار بھی نہ دیکھ سکے۔ غنیمت ہے کہ دیوار میں ایک پھاٹک لگا دیا ہے۔ کواڑ کی بواڑوں میں سے جھانکئے تو ویرانی کا کچھ منظر دیکھنے میں آتا ہے۔ دل مسمسا کر رہ جاتا ہے۔

(۱۰) تحائف و تبرکات

مکہ معظمہ کا خاص تحفہ تسبیح اور رومال ہیں۔

ادنیٰ۔ اعلیٰ۔ سب قسم کے ملتے ہیں۔ بالعموم سستے ملتے ہیں۔ کہربا کی تسبیح اور زیور　فصل ۴
بکثرت ملتے ہیں۔ یہاں کہربا کا بڑا بازار ہے۔ البتہ اصلی۔ نقلی کی تمیز ضروری
ہے۔ اصلی کو رگڑنے تو خاص خوشبو پیدا ہوتی ہے۔ نقلی میں یہ بات نہیں۔ البتہ
تنکا دونوں اٹھاتے ہیں۔ کسی واقف کار کی معرفت ایسا سامان خریدا جائے
تو بہتر ہے۔ مجھے تصاویر کی بہت تلاش تھی۔ کہ جن سے یہاں کے گوناگوں
مناظر محفوظ ہو جائیں۔ اور جن میں قدیم آثار نظر آئیں۔ دہلی کے ایچ۔ اے
مرزا سے بہت توقع تھی۔ لیکن ان کی تصاویر کا ذخیرہ تو مختصر نکلا۔ البتہ
جو بندہ یا بندہ ایک قدیم ترکی کمپنی کے فوٹو اک غیر معروف دکان سے مل گئے
اور بہت کافی تعداد میں مل گئے۔ بعض بعض نادر مل گئے۔ بہت مسلسل اور
مکمل البم مرتب ہو گیا۔ دوستوں کے واسطے بھی متفرق فوٹو بچ رہے جو واپسی پر
تقسیم ہوئے۔

مکہ معظمہ کے دو خاص تبرک ہیں۔ ایک زمزم شریف۔ دوسرے
بیت اللہ شریف کا غلاف۔ زمزم تو ہر وقت موجود ہے۔ بلا قیمت بھی میسر
آتا ہے۔ البتہ ساتھ لانے کے واسطے کپیوں کا انتظام کرنا پڑتا ہے۔ سو وہ بھی
سستی تیار ملتی ہیں۔ زیادہ لانا ہو تو کنستر بھروا لیتے ہیں ایک دو ماہ اس
میں بھی اچھا رہتا ہے۔ کئی ماہ رکھئے تو زنگ لگ جاتا ہے۔ پانی پیلا ہو جاتا
ہے۔ بعض لوگ حفاظت کے خیال سے کنستر کے اندر موم کی تہ جموا دیتے ہیں
اس ترکیب سے زنگ تو کم لگتا ہے۔ لیکن پانی میں موم کی بو آجاتی ہے۔
گھر لانے تک سادہ کنستر کافی ہے۔ یہاں شیشوں میں بھر لے تو سالہا سال
بھی زمزم خراب نہ ہو۔ رہے غلاف شریف کے ٹکڑے سو وہ حج کے بعد بکثرت
ملتے ہیں۔ عشرہ ذیحجہ کو نیا غلاف چڑھتا ہے۔ اور پرانا غلاف اتر کر تبرک

فصل ۴ بن جاتا ہے۔ ہدیتاً فروخت ہوتا ہے۔ امسال یہ بھی ارزاں تھا۔ پورا کلمہ شریف معمولاً چار پانچ روپیہ کو ملتا تھا۔ اگر بالکل صاف ستھرا ہو۔ کہیں کٹن پھٹن نہ ہو تو آٹھ دس روپے میں ملتا تھا۔ چنانچہ ہم نے بھی دس بارہ کلمے شریف خریدے اور ان میں ایک بہت عمدہ تھا۔ بالکل جدید معلوم ہوتا تھا۔ باقی بھی اچھے خاصے تھے۔ بڑے بڑے ٹکڑوں سے انتخاب کر کے نکلوائے تھے۔ چونکہ ایک ہی دُکان سے یکمشت زیادہ خریدے رعایتاً انتخاب کا زیادہ موقع مل گیا۔

(۱۱) شاہی دعوت

۵ ذی الحجہ جمعہ کے دن عصر کے بعد ہم اپنے دوست عبدالرحمٰن کے ساتھ اس ترکی فوٹو گرافر کی دکان پر زیارات کے فوٹو دیکھ رہے ہیں۔ انتخاب کر رہے ہیں۔ خرید رہے ہیں کہ اچانک دو ہرکارے پہنچے۔ ان میں ایک سرکاری آدمی ہے۔ ایک حیدر آبادی رباط کا ملازم۔ ان کے پاس سلطانی دعوت کے دو لفافے ہیں۔ دونوں میرے نام ہیں۔ مجھ کو لفافے دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دو گھنٹے سے اِدھر اُدھر آپ کی تلاش ہو رہی ہے۔ بارے غنیمت ہے کہ آپ مل گئے۔ جلد تشریف لے چلئے آج ہی شام کو قصر شاہی میں آپ کی دعوت ہے۔ اور شرکت کی تاکید ہے۔ باب ابراہیم کے قریب سرکاری ایوان میں مہمان جمع ہو رہے ہیں۔ وہاں سے سب سرکاری موٹروں میں سوار ہو کر جائیں گے۔ ڈاکٹر خواجہ معین الدین صاحب وہیں آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ وقت تنگ ہے۔ جلد تشریف لے چلئے۔ تاخیر نہ کیجئے۔

میں اس دعوت ناگہانی کے واسطے بالکل تیار نہ تھا۔ جی میں آیا کہ انکار کر دوں۔ لیکن پھر خیال ہوا کہ ان کی بات کیا سند ہو گی۔ خود چلوں اور

ڈاکٹر صاحب سے عذر کر آؤں۔ مبادا ان کو انتظار کی تکلیف ہو۔ چنانچہ گیا تو فصل ۲ دیکھا خوب مہمان جمع ہو رہے تھے۔ ان کے واسطے موٹر کھڑے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کو میرا واقعی انتظار تھا۔ یوں تو حیدر آبادی حجاج میں اور بھی کئی معززین مدعو تھے۔ جو بعد کو جلسہ میں ملے لیکن اس وقت وہاں ڈاکٹر صاحب تنہا تھے۔ میں نے عذر کرنا چاہا۔ لیکن صاحب موصوف نے فرمایا کہ انکار سے کیا فائدہ شرکت بہتر ہے۔ چلئے دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ آپ ہم ساتھ ساتھ رہیں گے ورنہ ہم کو تنہا کیا لطف آئے گا۔ میں نے بھی علیحدگی مناسب نہ سمجھی۔ ساتھ ہو لیا۔ موٹر میں سوار ہو، قصر شاہی پہنچے۔

اول سب مہمان ایک بڑے ہال میں جمع ہوئے۔ کرسیاں تھیں۔ صوفے تھے۔ تمامی اسلامی ممالک کے معزز و ممتاز منتخب حجاج مل کر بیٹھے۔ جلالۃ الملک تشریف لائے۔ شاہزادگان اور وزراء سلطنت بھی ساتھ تھے۔ اس مجمع کو دیکھ کر جی خوش ہوا۔ وضع وضع کے لباس تھے۔ خاص کر مغربیوں کا لباس بہت شاندار معلوم ہوتا تھا۔ چند مہمان احرام میں تھے۔ لیکن ان کے احرام بھی صاف ستھرے تھے۔ قیمتی تو ال تھے۔ غرض کہ سب شاہی دعوت کیواسطے تیار ہو کر آئے تھے۔ لیکن ہماری ہیئت کذائی قابل دید تھی۔ معمولی چادروں کا احرام اور وہ بھی میلا مسلا۔ بال پراگندہ۔ گرد آلودہ۔ جیسے کوئی دیوانہ ہو۔ اسی ہال کے ایک بڑے آئینہ میں جو اپنے پر نظر پڑی تو یقین ہوا کہ واقعی حج کا رنگ خوب چڑھا ہے۔ امیروں میں ایک فقیر بھی موجود ہے۔ قہوہ کا خوب دور چلا۔ لوگ تعریف کر کے پی رہے تھے۔ جب اپنی باری آتی تو ہم سلام کر کے ٹال دیتے۔ ملازم بھی گھورتے کہ یہ کون نو گرفتار ہے۔ سلطانی دعوت میں آیا ہے اور قہوہ پینے کا حوصلہ نہیں۔ مگر ایسا تلخ و تیز قہوہ کون پئے۔

فصل ۴ یوں مجمع ہوتا رہا کہ مغرب کا وقت آ گیا اور سب اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اسی عمارت کی چھت پر جمع ہوئے۔ جلالۃ الملک بھی تشریف فرما تھے۔ اور باجماعت نماز مغرب ادا ہوئی۔ یہ دیکھ کر تعجب اور افسوس ہوا کہ نماز پڑھتے وقت سلطان کے پیچھے ایک سعودی سپاہی حفاظت کے واسطے تلوار لئے کھڑا تھا۔ اور ایک حبشی سپاہی جماعت کے کنارے تلوار لئے کھڑا تھا۔ جب خاص اپنے محل میں جہاں ہر طرف پہرہ ہے اور خاص اپنے مہمانوں میں جو ہر طرح معتبر ہیں۔ نماز کے وقت جلالۃ الملک کو اس درجہ اپنی حفاظت کا اہتمام ضروری معلوم ہوتا ہے، تو پھر ان کو اپنی رعایا پر کس درجہ اعتماد ہو سکتا ہے۔ اور اس ملک میں ان کو کیا اطمینان حاصل ہوگا۔ سمجھدار مہمانوں کو اس سے حکومت کی کمزوری اور غیر ہر دلعزیزی کا شبہ ہوا۔ ایسی حفاظت مصلحت کے خلاف تھی۔

نماز مغرب کے بعد پھر سب حجاج اسی ہال میں جمع ہوئے۔ جلالۃ الملک تشریف لائے۔ مہمانوں کا خیر مقدم ہوا۔ اس کے بعد سب دسترخوان پر پہنچے، کھلی چھتوں پر میز کرسی کا انتظام تھا۔ لیکن کھانا بیشتر عربی مذاق کا تھا۔ خاص کر بڑے بڑے طشتوں میں جو سالم دُنبے بھُنے رکھے تھے۔ اور ان کے پیٹ سے بریانی نکالی جاتی تھی۔ وہ عجب تماشہ معلوم ہوتا تھا۔

(۱۲) شاہی جلسہ

کھانے سے فارغ ہو کر پھر سب مہمان ایک چھت پر جمع ہوئے۔ کرسیوں پر بیٹھے۔ اس کُل دوران میں بعض ہندوستانی مولوی صاحبان بڑے فخر سے اور بے تکلفی سے اِدھر اُدھر پھر رہے تھے کہ گویا اپنا ہی مکان ہے۔ اپنا ہی زمان ہے۔ بہرحال سب مہمان جمع ہوئے تو جلالۃ الملک پھر تشریف لائے۔ قہوہ کے دَور

فصل ۴

جلے ـ گلاب پاشی ہوئی ـ قصیدہ خوانی شروع ہوگئی ـ عربی کے کئی قصیدے پڑھ کر سنائے گئے ـ خوب واہ واہ ہوئی ـ اس کے بعد تقریروں کا سلسلہ شروع ہوا ـ ہر ہر اسلامی ملک کی طرف سے شکریہ کی ایک ایک تقریر ہوئی ـ سب تقریریں عربی میں ہوئیں اور اکثر پہلے سے قلمبند تھیں ـ حضرت ملا صاحب شور بازار بھی اسی جلسہ میں شریک تھے ـ افغانستان کی طرف سے حضرت نے تقریر فرمائی ـ سب کے جواب میں جلالۃ الملک نے تقریر فرمائی ـ اور یہ تقریر خوب پُرجوش تھی ـ اس میں کچھ توحید و سنت کی بھی تاکید تھی ـ

اب تک تو ہم محض تماشائی تھے ـ لیکن یکایک دل میں تحریک پیدا ہوئی کہ تقریر کرنی چاہیئے ـ اول تو یہ افسوس ہوا کہ ہندوستان کی طرف سے اس موقع پر کسی نے تقریر نہیں کی حالانکہ متعدد عالم موجود تھے ـ دوسرے یہ کہ توحید و سنت کا مسئلہ کسیقدر وضاحت کا محتاج ہے ـ جب ذکر چھڑا تو وضاحت ہونی چاہیئے ـ گو مختصر ہی سہی ـ لیکن ساتھ ہی یہ مشکل تھی کہ ہم عربی میں تقریر کرنے کے قابل نہ تھے ـ اور وہاں کی زبان عربی تھی ـ دل میں یہی کشمکش ہو رہی تھی کہ خدا کی قدرت جلالۃ الملک کی طرف سے خود ہی اعلان ہوا کہ اگر کوئی حاجی اپنی زبان میں تقریر کرنا چاہے تو کرسکتا ہے ـ اس کا ترجمہ سُن لیا جائے گا ـ میں نے اس کو سراسر تائید حق سمجھا اور اللہ کا نام لے کر تقریر کرنے کھڑا ہو گیا ـ

(۱۴) اپنی تقریر

تقریر کے وقت بفضلہ طبیعت بالکل قابو میں تھی ـ دل کو اطمینان تھا ـ پھر بھی ایک قسم کی محویت تھی ـ جو دل میں آیا کہا ـ اور جس طرح دل نے چاہا کہا ـ بیچ بیچ میں آیات قرآنی بھی یاد آتی گئیں ـ جہاں تک یاد پڑتا ہے ـ تقریر کا مختصر خلاصہ یہ تھا کہ :ـ

”آپ نے جو امن و امان قائم کیا ہے اس کا ہم اعتراف کرتے ہیں ـ اسکی

فصل ۴ قدر کرتے ہیں۔ اس کا شکر یہ ادا کرتے ہیں۔ لیکن ہم سابقہ ترکی حکومت کا بھی احسان فراموش نہیں کر سکتے کہ اس نے اپنی عقیدتمندی سے حجاز میں دولت کے دریا بہا دئے۔ اوقاف کی حد نہ تھی۔ داد و دہش کی حد نہ تھی۔ حرمین شریفین کیسے شاندار تعمیر کئے۔ اہل حجاز کس ناز و نعم کے ساتھ رہے۔ کس اعزاز و احترام سے رہے۔ امن میں جو کچھ خامی تھی اور یقیناً قابل شکایت خامی تھی۔ وہ کسی کمزوری یا بے اعتنائی کے باعث نہ تھی۔ بلکہ وہ بھی افراط تعظیم و احترام کا نتیجہ تھی کہ اس ملک کے باشندوں پر ذرا بھی سختی گوارا نہ کی۔ گویا حکومت کے لاڈ پیار نے یہاں کی رعایا کو نڈر اور سرکش بنا دیا۔ بدامنی سے حجاج کے جان و مال کو ضرور نقصان پہنچتا تھا۔ لیکن حکومت کی نیت بخیر تھی۔ اور حجاج بھی اسی احترام کے جذبہ میں سب سختیاں جھیلتے تھے۔ بکثرت آتے تھے اور بار بار آتے تھے۔

بہرحال آپ نے امن قائم کیا۔ خوب کیا۔ امن کی ضرورت تھی۔ لیکن ملک پر جو زد پڑی وہ بھی قابل غور ہے۔ آدمی جو تلف ہوئے سو ہوئے۔ معاش کی موجودہ تنگی بھی موت سے کچھ کم نہیں ہے۔ آپ نے حج کے اخراجات میں کافی اضافہ کر دیا۔ اور حجاج اس کو برداشت کر رہے ہیں۔ آپ کی نئی نئی حکومت ہے۔ آپ کو نئے نئے انتظام کرنے ہیں۔ سامان کرنے ہیں۔ آپ کے پاس کوئی سابقہ ذخیرہ نہیں ہے، جو اس وقت کام آئے۔ سب کام اسی آمدنی سے چلانے ہیں۔ کچھ مدت کے واسطے آپ کے یہ عذرات قابل قبول ہیں لیکن یہ حالت عرصہ تک قائم نہیں رہ سکتی۔ حج کی آمدنی میں رعایا کا حصہ بڑھانا ہوگا۔ حکومت کا حصہ گھٹانا ہوگا۔ اور اگر حج کے اخراجات اور زیادہ بڑھے تو حجاج گھٹ جائیں گے۔ حکومت کو خسارہ ہوگا۔ یہ مالی پہلو خاص توجہ کا محتاج ہے۔

فصل ۴ یہ تو انتظامی امور تھے۔ اب دینی امور کو لیجئے۔ توحید پر جو بار بار زور دیا جاتا ہے، بہت خوب ہے۔ اسلام تو اسلام۔ اسلام کی برکت سے دوسرے مذاہب بھی توحید کا دعویٰ کر رہے ہیں۔ اللہ ایک ہے۔ وہی خالق ہے وہی رازق ہے۔ وہی قادر ہے۔ وہی حاکم ہے۔ یہ عقائد آج بہت عام ہوگئے ہیں۔ کسی تاکید کے محتاج نہیں ہیں۔ آج اسلام اور دیگر مذاہب کے مابین جو حجت ہے۔ جو معرکہ ہے وہ رسالت پر ہے۔ ورنہ توحید پر سب راضی ہیں اس لئے اسلام و کفر میں اس وقت ما بہ الامتیاز جو عقیدہ ہے وہ رسول اللہ کی رسالت ہے۔ ورنہ عقلی اور قولی توحید تو بطفیل اسلام آج کم و بیش سب مذاہب میں عام ہو رہی ہے۔

پس خالی توحید دوہرانا چنداں کارگر نہیں ہے۔ رسالت کے اعلان اور وضاحت کی ضرورت ہے۔ اس کے بعد اُس ایمانی توحید کا لطف ہی جو رسالت کے طفیل سے حاصل ہوتی ہے۔ اور جو اسلام کے باہر میسر نہیں آسکتی۔ رسالت میں ہر کوئی سنت پر زور دیتا ہے۔ اور زور دینا بجا ہے کہ قرآن کریم میں اتباع کی تاکید ہے۔ لیکن بہت سے اس راز سے بےخبر ہیں کہ محبت اور تعظیم اتباع کی جان ہیں۔ ان ہی دونوں کے صحیح امتزاج سے حقیقی اتباع پیدا ہوتی ہے۔ محبت میں قوت ہے۔ اور تعظیم میں تعدیل۔ جس اتباع کی بنیاد محبت اور تعظیم نہ ہو، وہ محض ایک رسمی تقلید ہے۔ اتباع نہیں ہے۔ اور نہ اس میں اتباع کی خیر و برکت ہے۔ اتباع کے واسطے محبت و تعظیم کس درجہ لازم ہے، اہل علم اس کی اہمیت سے بخوبی واقف ہیں چنانچہ قرآن کریم میں توحید کے پہلو بہ پہلو حضور رحمۃ للعالمین کی محبت و تعظیم کی جو تعلیم ہے۔ وہ دنیا میں بے نظیر ہے کہ عبدیت میں انتہائی محبوبیت و رفعت درج ہے۔

فصل ۴ آپ کے ابتدائی طرزِ عمل نے مسلمانانِ عالم کو سخت متوحش اور مایوس کر دیا کہ گویا آپ کے عہد حکومت میں رسول کریمؐ کی محبت اور تعظیم کے واسطے کوئی گنجایش نہیں ہے۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ بعد کو تشدد گھٹنے لگا۔ حکومت کا مسلک رو با صلاح معلوم ہوتا ہے۔ گو رفتار سست ہے۔ تاہم اصلاح کا رجحان صاف نظر آتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ اس ارضِ مقدس کی خدمت گزاری آپ کے تفویض رہے تو ہمیں خدا کے فضل سے امید ہے اور ہم خدا سے دعا کرتے ہیں کہ وہ آپ کو رسول کریمؐ کی محبت و تعظیم سے سرشار کر دے کہ اتباع زندہ ہو جائے اور اتباع کی برکت سے توحید نبوی کا رنگ چڑھ جائے۔ عالم اسلام کے دینی مرکز پر آپ کی نیابت رہے۔ عنداللہ اور عندالخلق آپ کی سعی مشکور ہو۔ حرمین شریفین میں آپ کا عہد خدمت امن و امان خیر و برکت سے معمور رہے! اسکے بعد میں نے صلاۃ تنجینا اور قرآنی دعا پڑھکر تقریر ختم کر دی۔

دورانِ تقریر میں مجلس پر عجیب سکوت تھا۔ نصف شب۔ ہلکی ہلکی چاندنی تقریر ختم ہوتے ہی جلالۃ الملک اٹھ کھڑے ہوئے۔ گویا میری ہی دعا پر جلسہ ختم ہوا۔ بہت سے حاضرین جلالۃ الملک کی طرف مصافحوں کو بڑھے اور بہت سے اس ناچیز کی طرف لپکے۔ کوئی مصافحہ کرتا ہے۔ کوئی بغلگیر ہوتا ہے۔ کوئی عربی قاعدے سے پیشانی کو بوسہ دیتا ہے۔ کوئی دعا دیتا ہے۔ کوئی نام و نشان پوچھتا ہے۔ ہندوستانی حجاج تو قدرتاً خوش تھے کہ ہندوستان کی طرف سے بھی تقریر ہو گئی اور خوب ہوئی۔ لیکن حیرت عرب حجاج پر ہے کہ وہ اور بھی زیادہ خوش تھے۔ ان کا جوشِ محبت قابلِ دید تھا۔ میں ایسا گھر گیا کہ جلالۃ الملک سے مصافحہ کرنے کا بھی موقع نہ مل سکا۔

فصل ۴

اس دوران میں حکومت کے بعض اراکین آکر اردو میں اور بعض انگریزی میں ذاتی حالات دریافت کرنے لگے۔ مقامی عربی اخبار کے نمایندے نے تقریر قلمبند کرنے کی فرمایش کی تاکہ اس کا ترجمہ شایع ہو سکے۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے فرمایش کی تعمیل میں کوئی عذر نہیں ہے۔ لیکن مجھے ترجمہ شایع ہونیکی امید نہیں ہے۔ اولاً آپ اطمینان کر لیجیئے۔ اگر اشاعت قرار پائے تو تقریر قلمبند کر دوں گا۔ آپ طلب فرمالیں میرا خیال صحیح نکلا۔ بعد کو تقریر طلب نہیں ہوئی۔ اخبار میں صرف یہ خبر نکلی کہ سلطانی دعوت کے موقع پر ایک ہندوستانی حاجی کی بھی تقریر ہوئی جو کہ واقعی نفیس و جمیل تھی۔

(۱۴) خاص و عام تعارف

مختصر یہ کہ تقریر جو ہوئی تھی ہوئی اور وہ محض توفیق الٰہی کا ایک کرشمہ تھی۔ لیکن اس کا چرچا بہت پھیلا اور اس کی بدولت خاص و عام میں تعارف خوب ہو گیا۔ دو تین روز تک حرم شریف میں یہ کیفیت رہی۔ جدھر جاتے پہچان میں آتے لوگ ملتے۔ تقریر کا ذکر کرتے۔ عرب بھائی تو بس بوسہ دیتے یا بغلگیر ہو جاتے تھے۔ ان کی خاطر میاں عبدالرحمٰن کو التزاماً حرم شریف میں ساتھ رکھتا تھا۔ وہی ترجمان کا کام کرتے تھے۔ ایک روز اشراق کے وقت مطاف کے کنارے حضرت بغدادی صاحب سے باتیں کرتے حرم شریف میں بیٹھے تھے کہ دو تین مغربی نوجوان ادھر سے گزرے۔ دیکھتے ہی کھنچ آئے بڑی محبت سے ملے۔ اور وہی تقریر کی تعریف۔ حضرت نے فرمایا کہ تقریر نے بھی دلوں پر کیا گہرا اثر کیا ہے۔ کوئی کیفیت سُنے تو سراسر مبالغہ سمجھے۔ اسیطرح ایک روز بازار میں ایک دُکان پر بیٹھے رومال خرید رہے تھے کہ ادھر سے چند عرب حجاج گزرے۔ بعض مُسن تھے۔ بعض نوجوان۔ قریب سے گزرے تو

فصل۴ رُکے۔ اور مصافحہ کر بوسے لینے لگے۔ میں تو میں دکان دار حیران رہ گیا۔ غنیمت ہے کہ عبدالرحمٰن ساتھ تھے۔ وہی تقریر کی قدر افزائی تھی۔ دعائیں دیں اپنے پتوں کے کارڈ دئیے۔ میرا پتہ لکھا تاکہ بعد کو ملاقات ہو سکے۔ اور بعد کو ملاقات ہوئی۔ خوب دل کی باتیں کہنے سننے میں آئیں۔

(۱۵) مشائخ کی عنایات اس حج میں مغرب کے مشہور پیر حضرت سید عبدالحی کتانی اوریسی بھی شریک تھے۔ یہ بھی اپنے اثر اور اقتدار میں حضرت شیخ سنوسی علیہ الرحمۃ کے ہم پلہ مانے جاتے ہیں۔ واقعی ذی شوکت بزرگ ہیں فاس حضرت کا مستقر ہے۔ حضرت بھی دعوت اور جلسہ میں تشریف فرما تھے۔ دوسرے ہی روز حرم شریف میں ایک عرب صاحب نے حضرت کا کارڈ پہنچایا کہ حضرت کو ملاقات کا اشتیاق ہے۔ چنانچہ بعد مغرب حرم شریف میں حضرت سے نیاز حاصل ہوا۔ بزرگانہ شفقت و محبت سے گلے لگا لیا۔ بہت دعائیں دیں۔ اس وقت ارد گرد عربوں کا خاصہ مجمع تھا۔ ایک جلسہ کی شکل تھی۔ حضرت نے ایک ترجمان پہلے ہی سے بٹھا رکھا تھا۔ میرے ساتھ بھی عبدالرحمٰن تھے۔ حضرت نے اسی تقریر پر بہت اظہار خوشنودی فرمایا کہ وہ بہت موثر تھی۔ اور بہت مقبول تھی۔ اسلامی جذبات کے اظہار میں تم نے تمام اسلامی ممالک کی طرف سے نیابت اور وکالت کی۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے۔ جس کو چاہے عطا فرمائے۔ مجھے سخت حیرت ہوئی کہ وہ ایسی کیا تقریر تھی جو حضرت بھی ایسا فرماتے ہیں۔ بالآخر میں نے عرض کیا حضرت تقریر تو اردو میں تھی۔ اور اس کا عربی ترجمہ بھی نہیں ہوا پھر عرب حضرات نے اس کا اس درجہ اثر کس طرح لیا۔ فرمایا کہ ایمان و اخلاص میں بجلی کا سا اثر ہے۔ تمہاری آواز اور لب و لہجہ سے حقانیت ٹپکتی تھی۔ دل

لذت اندوز ہو رہے تھے۔ اور تم نے جو درمیان میں آیات قرآنی پڑھیں انھوں نے تمہارا بیان عربوں پر کافی واضح کر دیا۔ جلسہ حُب رسول سے مست ہو گیا۔ یہ فیضان اختیاری نہیں ہے۔ فضل الٰہی ہے۔ فصل ۳

پھر حضرت نے کچھ ذاتی حالات دریافت فرمائے اور ارشاد ہوا کہ تاقیام روزانہ ورنہ جب موقع ملے ملاقات ہوتی رہے تو خوب ہو۔ چنانچہ دوسری ملاقات میں حضرت کے قیام گاہ پر کئی بڑے بڑے عرب مشائخ سے نیاز حاصل ہوا حسن اتفاق کہ حضرت ملا صاحب شور بازار بھی اس صحبت میں تشریف لے آئے آجکل حضرت افغانی حکومت کی طرف سے مصر میں سفیر ہیں۔ حج و زیارت کی غرض سے تشریف لائے ہیں۔ اسی جلسہ میں حضرت سے بھی نیاز حاصل ہوا۔ البتہ بعد کو مدینہ منورہ میں حضرت سے خوب ملاقاتیں رہیں۔ ان کی کیفیت آئندہ پیش ہوگی۔ بہرحال حضرت نے بھی وہی تقریر کا ذکر نکالا اور اس کے متعلق بہت اظہار پسندیدگی فرمایا۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ میں کیا اور میری تقریر کیا۔ ع

عالم ہمہ افسانۂ ما دارد و ما ہیچ

(۱۶) دوسری دعوت

حجاج میں تو بفضلہ عام و خاص سب نے اس تقریر کی بہت قدر کی کہ مجھ کو اس کا گمان بھی نہ تھا۔ لیکن لوگ اس ٹوہ میں تھے کہ حکومت نے اس تقریر کو کن کانوں سے سُنا۔ آیا کچھ ترشی یا تلخی تو پیدا نہیں ہوئی۔ لیکن دو طرح سے یہ بات صاف ہو گئی۔ اول تو دو ہی روز بعد پھر دوسری دعوت آئی اور اس کے ساتھ یہ تاکید کہ ضرور شرکت فرمائی جائے۔ یہ حضرت الفاضل عبد اللہ سلیمان وزیر مالیہ کی طرف سے خاص دعوت تھی۔ گویا انگریزی طرز کا بہت پر تکلف

فصل۴ ڈنر تھا۔ مختلف ممالک کے چند منتخب حجاج شریک تھے۔ اس میں ایک لطیفہ خوب ہوا۔ پہلی سلطانی دعوت میں میرا جوتا گم ہو گیا تھا۔ اس جوتے میں بڑا عیب یہ تھا کہ بہت عمدہ قسم کا تھا۔ اور بڑی غلطی یہ ہوئی کہ ہم نے اور ڈاکٹر صاحب نے اپنے جوتے سب سے الگ ایک طرف رکھ دئے۔ وہاں سپاہیوں کا پہرہ موجود تھا۔ جب واپس آئے تو ڈاکٹر صاحب کے استعمالی پمپ شوز تو رکھے ہوئے اور ہمارے نئے ولایتی ڈک شوز غائب تھے۔ کوئی اور جوڑہ بھی قریب نہ تھا کہ غلطی سے کسی حاجی نے بدل لیا ہو۔ غالباً جوتہ پسند آ گیا۔ لامحالہ ننگے پیر واپس آئے۔ احرام نے پہلے ہی خاصی ہیئت بنا رکھی تھی۔ ایک جوتہ نمود کا تھا سو اس سے بھی پیچھا چھٹا۔ پورے فقیر صورت بن کر برہنہ پا قصر شاہی سے نکلے۔ اس کے بعد جو نیا جوتہ خریدا اس کا چمڑا کافی نرم نہ تھا اس نے پیر کاٹ لیا۔ اس پر وضو کا پانی لگا تو زخم بن کر مرہم پٹی کی نوبت آئی۔ اور تقریباً ایک ماہ تک سلسلہ جاری رہا۔ مدینہ منورہ حاضر ہو کر پٹی کھلی۔ بہرحال دوسری دعوت کے روز پیر زخمی تھا۔ پٹی بندھ چکی تھی۔ قصد ہوا کہ عذر لنگ لکھ بھیجوں۔ مگر خیال ہوا کہ وہ شائد عذر لنگ سمجھا جائے۔ بہتر ہے کہ چلیں اور دیکھیں کہ کیا رنگ ہے۔ ڈاکٹر صاحب بھی تھے دونوں مل کر ساتھ گئے۔

مہمانوں کی بہت خاطر تواضع ہو رہی تھی۔ ہماری بھی مزاج پرسی ہوئی۔ جب پیر کی نوبت آئی تو میں نے عرض کیا کہ گذشتہ دعوت کی تقریر میں میں نے امن وامان کی جو تعریف و تصدیق کی تھی، میں اس کو واپس لیتا چاہتا ہوں کہ شاہی محل میں میرا جوتہ گم ہو گیا۔ جواب ملا کہ کسی حاجی نے بدل لیا ہو گا۔ عرض کیا کہ وہ بے بدل گیا۔ قرینہ کہتا ہے کہ پسند آ گیا۔ ہنسی میں بات اڑ گئی۔ مگر جس نے سنا یہ لطیفہ پسند کیا۔

فصل ۴

(۱۷) اطمینان

اس دعوت کے بعد لوگوں کو اطمینان ہو گیا کہ تقریر سے کوئی شکر رنجی پیدا نہیں ہوئی۔ مزید برآں بلا تجسس بعض معتبر ذرائع سے خود بخود اطلاع ملی کہ اعلیٰ اندرونی حلقوں میں بھی اس تقریر نے توقع سے بڑھ کر اثر ڈالا۔ تخلیہ میں ترجمے ہوئے، تذکرے ہوئے اور سب سے بڑھ کر تعجب ہوا کہ ایک غیر معروف نوجوان نے فوری تقریر سے جلسہ کو کسی طرح مسخر کر لیا کہ دل ہلا دیئے اور دل ملا دیئے۔ اور جب مہمان نے اجازت سے تقریر کی تو کیا بیجا بات ہوئی۔ نیت میں اخلاص تھا۔ نہ تخالف تھا، نہ فساد تھا۔ ورنہ دلوں پر یہ رنگ نہ آتا۔ لہذا تردید یا تہدید کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ الحمد للہ کہ انجام بخیر ہوا۔ اللہ تعالیٰ حکومت حجاز اور مسلمانان عالم میں اتحاد قائم رکھے۔ آمین۔

(۱۸) کسی کا مشورہ

ایک مرتبہ عجیب خواب دیکھا تھا۔ واللہ اعلم کیا حقیقت تھی۔ دیکھا کہ ایک ھو کا مقام ہے۔ بہت بلندی پر معلوم ہوتا تھا۔ نہ چاند۔ نہ سورج۔ نہ شمع۔ نہ چراغ خود بخود عجیب قسم کی روشنی تھی۔ سبزی مائل تھی۔ دو بزرگ وہاں تشریف لاتے ہیں۔ ایک تو بہت سرخ سفید ہیں۔ دوسرے سانولے ہیں۔ دونوں تن ہیں۔ عربی لباس ہے۔ ہم تینوں مل کر بیٹھتے ہیں جیسے کوئی کمیٹی ہوتی ہے۔ سوال یہ پیش ہوتا ہے کہ عالم اسلام میں جو انحطاط پھیل گیا ہے، اس کو رفع کرنے کی کیا تدبیر ہے۔ اول مجھ سے رائے طلب کی جاتی ہے۔ عرض کرتا ہوں کہ تدابیر تو بیشمار ہیں۔ لیکن سب تدبیروں کی ایک تدبیر ہے۔ وہ اختیار کی جائے تو سب تدبیریں کام آئیں۔ اور سب بگڑے کام بن جائیں۔ تن مردہ میں جان پڑ جائے۔ وہ تدبیر یہ کہ مسلمانوں کے دلوں میں رسول اللہ کی محبت و

فصل ۴ عظمت زندہ ہو جائے۔ تو ان کو توحید کا نشہ آئے۔ عبدیت کا پتہ چل جائے تو امانت و خلافت کا حوصلہ آئے۔ غرض کہ ربط رسالت قوی ہو تو دنیا۔ دین اللہ۔ سب کچھ مل جائے۔ بحالت موجودہ رسالت کا ربط ضعیف ہے۔ رسمی ہے روایتی ہے۔ تاریخی ہے۔ دل سے تعلق بہت کم ہے۔ نتیجہ یہ کہ توحید بھی ضعیف ہو گئی۔ قولی ہے۔ خیالی ہے۔ استدلالی ہے۔ ایمانی توحید جو رسالت سے ملتی ہے۔ اس کا زور کہاں۔ جب رسالت سے ربط نہیں توحید میں جان نہیں تو پھر دین و دنیا میں اسلام کا فیضان کہاں سے آئے۔ جو کچھ فیضان میسر ہے اللہ کا رحم و کرم ہے۔ لیکن اس کے فضل سے بہت کچھ امید ہے۔ قرآن موجود ہے۔ محفوظ ہے۔ رسول اللہ سے اللہ ملے تو پھر سب کچھ اپنا ہے۔ اس کے لگ بھگ عرض کیا تو دونوں حضرات نے پورا اتفاق کیا کہ گویا اسی تدبیر پر عمل ہو۔ پھر خدا جانے کہاں سے کھانا آیا۔ تینوں نے مل کر کھایا۔ پھر یاد نہیں کیا ہوا۔ آنکھ کھل گئی۔

(۱۹) مشکوٰۃ الصلوات

نسبتِ رسالت کی تقویت کے واسطے دو کتابیں تالیف کی ہیں

تحفۂ محمدی کی چار جلدوں میں تو اردو و فارسی نعتوں کا انتخاب ہے۔ اور مشکوٰۃ الصلوات عربی صلوات و سلام کا منتخب مجموعہ ہے۔ یہ پانچوں جلدیں مل کر ایک مکمل سٹ بنتا ہے۔ حال میں تاج کمپنی لاہور نے ان کو خاص اہتمام سے شائع کیا ہے۔ یہ کتابیں بفضلہ ہندوستان میں کئی سال تقسیم ہوتی رہیں۔ اور ان کو روز افزوں مقبولیت حاصل ہوئی۔ حجاج کی معرفت حرمین شریفین بھی پہنچتی رہیں۔ لیکن میں مشکوٰۃ الصلوات کے پانسو نسخے خاص کر اپنے ساتھ لایا کہ عرب حجاج میں اس کو ہدیۃً تقسیم کروں۔ اور اس طرح تمام اسلامی ممالک میں

اس کی اشاعت ہوجائے۔ انھیں انھوں کو تردد تھا کہ شاید حکومت اس کتاب فصل۴
سے تعرض کرے لیکن مجھے یقین تھا کہ اگر اپنی نیت بخیر ہے۔ اللہ اور اسکے
رسول کے ہاں یہ کتاب مقبول ہے تو ان شاء اللہ کوئی مانع مزاحم نہ ہوگا۔
ہاتھوں ہاتھ تقسیم ہوجائے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ بنظر احتیاط مقامی دوست
احباب کو تو میں نے اس کام میں شریک نہ کیا۔ خود ہی اللہ کا نام لے کر مکہ معظمہ
میں اور خاص کر حرم شریف میں اس کی تقسیم شروع کردی۔ اور علانیہ شروع
کردی۔ خدا کے فضل سے اس کو عربوں میں بہت مقبولیت حاصل ہوئی ایسی
ایسی تعریف کرتے کہ کوئی سنے تو مبالغہ سمجھے۔ اور نوبت یہ ہوئی کہ جدھر
گزرئے پہچاننے والے کتاب کی فرمایش کرتے۔

تقسیم میں بھی ایک لطیفہ ہوا۔ حضرت کتانی نے اپنے احباب و مریدین
کے واسطے متعدد نسخے طلب فرمائے۔ ایک صحبت میں جب کہ مشکوٰۃ الصلوات
کے نسخے سامنے رکھے تھے اور میں بھی موجود تھا حسن اتفاق سے حکومت کے
بعض حکام حضرت سے ملنے آپہنچے۔ انھوں نے کتاب بھی دیکھی۔ تعریف
بھی سنی۔ پھر ایک ایک نسخہ ہدیۃً ملا تو خود بھی تعریف کی۔ اور غالباً حکومت
میں بھی ذکر کیا ہوگا۔ بعد کو بھی ملتے تھے تو اخلاق سے ملتے تھے۔ راضی معلوم
ہوتے تھے۔ جب حکومت کی طرف سے اطمینان ہوگیا تو احباب کو بھی کتابیں
دیں۔ انھوں نے اپنے دوستوں میں تقسیم کیں۔ اس طرح تین سو نسخے مکہ معظمہ
میں تقسیم ہوگئے۔ بقیہ دو سو نسخے جو مدینہ منورہ میں تقسیم ہوئے۔ انکی کیفیت
اپنے محل پر پیش ہوگی۔

(۲۰) عرفات کا مرحلہ

حسب معمول ۸ ذی الحجہ کو حاجی مکہ معظمہ سے
منیٰ کو روانہ ہوئے۔ کچھ موٹروں میں۔

فصلؔ کچھ لاریوں میں۔ کچھ اربانوں میں۔ کچھ اونٹوں پر۔ کچھ گدھوں پر اور کچھ پیدل ہم بھی لاری میں گئے۔ حضرت بغدادی صاحب بھی مع اہل وعیال اپنے ہی ساتھ تھے۔ تجربہ سے ثابت ہوا کہ اربانے میں جانا سب سے بہتر ہے۔ قیام گاہ سے سوار کر کے قیام گاہ تک پہنچا دیتا ہے۔ کرایہ بھی نسبتہً کم رہتا ہے۔ موٹر اور لاری کے حجاج کو قیام گاہ سے ان کے اسٹیشن تک پیدل یا اربانے میں آنا جانا پڑتا ہے۔ اور اکثر کافی فصل رہتا ہے۔ تکلیف اور دقت ہوتی ہے۔ اونٹ کی طوالت تو معلوم ہے اور گدھے پر بیٹھنا ہر ایک کا کام نہیں۔ رہے پیدل تو ان کا کیا کہنا۔ اپنی مرضی کے مختار ہیں۔

حیدرآبادی حجاج کے واسطے منا میں سرکار نظام کی طرف سے قیام وطعام کا انتظام تھا۔ ایک وسیع مکان کرایہ پر لے لیا تھا۔ اور اس کے صحن میں خیمے بھی نصب کر دئے تھے۔ جاتے ہوئے تو منا میں ایک روز قیام رہا۔ ۸ ذیحجہ کو دوپہر سے قبل پہنچے۔ پانچ نمازیں پڑہیں۔ اور اگلے روز ۹ ذیحجہ کی صبح کو وہاں سے عرفات روانہ ہوگئے۔ لیکن واپسی میں ۱۰ ذیحجہ سے ۱۲ تک تین یوم خاصا قیام رہا۔ سرکار کی طرف سے چھ دعوتیں رہیں۔ کھانے کا بہت عمدہ انتظام تھا۔ اچھا پکتا تھا۔ وقت پر تیار ہوتا تھا۔ قرینے سے کھلایا جاتا تھا۔ اور معلوم ہوا کہ گذشتہ سالوں کے مقابل خرچہ بھی کم رہا۔ یہ سب بدرالدین صاحب معلم اور ان کے چھوٹے بھائی حسین کی ان تھک کوششوں کا نتیجہ تھا۔ اس انتظام سے سب حاجیوں کو بہت آرام ملا۔ سب نے صدق دل سے اعلیٰحضرت بندگانعالی مدظلہ العالی کے جاہ واقبال کے واسطے دعا کی۔ اور سب معلم صاحب کے اہتمام سے خوش ہوئے۔ ان کو بھی دعا ملی۔

فصل ۴ صبح دس بجے کے قریب لاری میں سوار ہو کر عرفات پہنچے۔ جبکہ خیموں کے درمیان سے گزرتے ہوئے ہم اپنے حیدرآبادی کیمپ کو جارہے تھے۔ تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک خیمہ میں ہمارے دوست سید محی الدین صاحب بیٹھے ہیں۔ خیمہ کے وسط میں پردا پڑا ہے۔ معلوم ہوا کہ ان کی والدہ صاحبہ اور بیوی بچے بھی ساتھ ہیں۔ حیدرآباد میں محکمۂ تعلیمات کے ایک بڑے عہدہ دار ہیں۔ چاہتے تو ہماری طرح حیدرآبادی قافلہ میں شریک رہتے لیکن خانگی سہولتوں کے مدنظر انھوں نے ایک دوسرے معلم کی معرفت بہاری ہونے کی حیثیت سے اپنا جداگانہ انتظام کیا۔ بہرحال اچانک ملاقات ہوئی۔ طائف کے انار سامنے رکھے تھے۔ ہماری ضیافت ہوئی۔

اس کے بعد خیموں کی طنابیں پھاندتے آگے بڑھے تو دیکھا کہ پانی کے حوضوں کے قریب میدان میں ایک طرف کو خیموں اور شامیانوں کا ایک باقاعدہ خوش وضع کیمپ لگا ہوا ہے۔ اس پر حیدرآبادی معلم صاحب کا زرد رنگ جھنڈا خوب بلند لہرا رہا ہے۔ دور ہی سے نظر آتا ہے۔ حجاج خوشی خوشی پہنچے اور کیمپ میں جا اترے۔ بہت کافی گنجایش رکھی تھی۔ کوئی تکلیف دہ اژدہام نہ تھا۔ مستورات کے واسطے کئی خیمے جدا مخصوص تھے۔ بعض معزز خاندانوں کے واسطے بھی بنظر ضرورت خیمے مخصوص تھے۔ کھانا تیار تھا۔ اور بافراط تھا۔ سالار قافلہ ڈاکٹر خواجہ معین الدین صاحب کی ہدایت کے بموجب اور ڈاکٹری اصول کے مطابق صبح کو خوب نفیس مرغن بریانی تیار ہوئی اور شام کو گھارا خشکہ اور کھٹا۔ حاجیوں نے فراغت سے دعوت کا لطف اٹھایا۔ سرد پانی کا بھی خاص اہتمام تھا۔ برف کو مات کر رہا تھا۔

فصل ۳ ایسے موقعوں پر سب سے زیادہ دردِ سر قیام و طعام کا انتظام ہوتا ہے۔ جب اللہ تعالٰی نے عرفات میں اپنے بندوں کو اپنا اور اپنے حبیبؐ کا مہمان بنا کر حضور نظام خلد اللہ ملکہ کا مہمان بنا دیا۔ تو حجاج کو اس کے سوا کیا مشغلہ رہ گیا کہ اللہ جل شانہٗ کا ذکر کریں۔ رسول کریمؐ پر صلوٰۃ و سلام بھیجیں۔ اعلیحضرت خلد اللہ ملکہ کے حق میں دعائے خیر کریں۔ اور اپنے احباب و اقربا اور عامۃ المسلمین کے واسطے دعا مانگیں کہ اللہ تعالٰی دین و دنیا میں حسنات عطا فرمائے اور امت محمدی کا بول بالا رکھے۔ چنانچہ کیمپ میں عجب رونق تھی۔ عجب خیر و برکت تھی۔ عجب اخلاص تھا عجب محبت تھی۔ عجب یکسوئی اور فراغت تھی۔

(۲۱) عرفات کے برکات

دن ڈھلا تو دل بھی ڈھلنے لگے۔ نماز ہوئی اور سب لوگ دعاؤں میں لگ گئے۔ جسکو دیکھو اپنے خیال میں محو۔ اپنے ذوق میں مست۔ کوئی کسی سے بات نہیں کرتا۔ کوئی ناظرہ پڑھ رہا ہے۔ کوئی حفظ۔ کسی کی تسبیح چل رہی ہے۔ کوئی مراقب ہے۔ اور کوئی حیران ہے۔ توحید کا میدان ہے۔ مگر ربط کو کیا کہئے۔ جبل رحمت پر نظر جمی ہے۔ اور کسی کی یاد میں دل برباد ہے ؎

دل میں اک درد اٹھا آنکھوں میں آنسو بھر آئے
بیٹھے بیٹھے ہمیں کیا جانئے کیا یاد آیا

خدا کی شان کے قربان کہ اسی آن ایک بوڑھا۔ ایک بچہ۔ ایک نوجوان۔ تینوں پھیری لگاتے آپہنچے۔ اور ان کی جو خاطر خواہ تواضع ہوئی تو جم گئے۔ شان محمدی میں دل کھول کر عربی نعتیں پڑھنی شروع کیں۔ اور نعتیں بھی کیسی حضرت عبدالرحیم برعی رضی اللہ عنہ کے معروضات جو عشق نبی میں چور ہیں مخموز ہیں۔

اور پھر پڑھنے میں خوش الحانی۔ اور توفیقی ولولہ۔ سماں بندھ گیا۔ ادھر سے فصل ۴
اُدھر سے حجاج سمٹ آئے۔ سُبحان اللہ۔ سُبحان اللہ۔ کیا فیضان تھا۔
خوب رُلایا۔ خوب تڑپایا۔ دل قاش قاش جگر پاش پاش ہوگئے۔ رحمت کے بادل
اُٹھے۔ اور غلاموں پر موسلا دھار برس گئے۔ کشتِ آرزو کو سرسبز و شاداب کر گئے ع

اے خدا قربان احسانت شوم

اتنے میں عصر کا وقت ہوگیا۔ نماز ہوئی۔ حال تو بے حال تھا پھر بھی ہم نے اول قرآنی دعائیں پڑھیں مشکوٰۃ الصلوات کو از اول تا آخر پورا پڑھا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ جب دن ختم ہونے لگا۔ اور دھوپ زرد پڑگئی تو پھر سب ہوش میں آئے اور رخصتی کی ہلچل شروع ہوئی۔ حیدرآباد کے کل حجاج کیمپ میں ایک جگہ جمع ہوئے۔ جبل رحمت بالکل روبرو تھا۔ سب نے اسی طرف رُخ کرکے خشوع اور خضوع کے ساتھ دعائیں مانگنی شروع کیں۔ مل مل کر بھی مانگتے تھے۔ اور جدا جدا بھی۔ دل میں بھی مانگتے اور آواز سے بھی معلم بدرالدین صاحب نے اول سب کو بلند آواز سے دعائیں پڑھائیں۔ اسکے بعد حضرت پیر سید محمد رفاعی بغدادی صاحب آگے بڑھے اور حضرت نے اول عربی میں اور پھر اردو میں تمام مسلمانانِ عالم کے واسطے۔ مسلمانانِ ہند کے واسطے اور بالخصوص ریاست حیدرآباد دکن کے واسطے اور خاندانِ آصفیہ کے واسطے اور اعلیحضرت بندگانِ عالی متعالی مدظلہ العالی کے واسطے بہت پُرکیف انداز میں دعا فرمائی کہ سب آمین کہہ کر وفورِ جوش سے رو پڑے۔ اسی موقع پر نواب نثار یار جنگ بہادر نے ایک پُر درد قومی نظم پڑھی۔

(۲۲) عرفات سے روانگی

اس کے بعد سب حاجی مصافحے کرنے لگے بغلگیر ہونے لگے۔ مبارکباد دینے لگے۔

فصل ۴ ایسا سماں بندھا کہ قرب وجوار کے حجاج جمع ہوکر تماشہ دیکھنے لگے۔ مغرب کا وقت قریب آگیا۔ یہی وقت روانگی کا ہے۔ سب نے اپنا اپنا سامان سنگوایا اٹھایا۔ اور جس طرح سوار اور پیدل آئے تھے۔ مزدلفہ کو روانہ ہوئے۔ عرفات میں یہ وقت بھی عجب رستخیز کا ہوتا ہے۔ جس کو دیکھو رواں دواں ہے دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ جس میدان میں صدہا خیمے اور ہزاروں حاجی دن کو جمع ہوتے ہیں، وہاں شام آتے ہی ہُو کا عالم ہو جاتا ہے کہ گویا کوئی تھا ہی نہیں ؎

نہ گل چمن میں رہیں گے نہ گل میں بُو باقی
فنا ہے سب کو۔ اکیلا رہے گا تُو باقی
اللہ ھُو۔ ھُو۔ ھُو

(۲۴) مزدلفہ

غرض کہ رات کو مزدلفہ پہنچے۔ یہ شب بھی عجب پُر لطف ہوتی ہے۔ اول تو جمع تاخیر کے قاعدے سے نماز پڑھنا۔ پھر کچھ کھانا پینا۔ پھر کچھ آرام لینا۔ پھر بیٹھے بیٹھے ریتی ٹٹولنا اور رمی جمار کے واسطے کنکریاں جمع کرنا۔ پھر ہمت ہو تو مشعر الحرام جاکر عبادت کرنا۔ کہ اس شب اس مسجد کی عبادت بہت مقبول ہے۔ ہم نے تو اپنی لاری مشعر الحرام کے قریب ہی ٹھیرائی۔ وہاں بجلی کی روشنی کا بھی اچھا انتظام تھا۔ اور پانی بھی قریب ہی موجود تھا۔ شام کا کھانا تو عرفات ہی میں کھالیا تھا۔ فراغت تھی۔ جاتے ہی اول مشعر الحرام میں نماز پڑھی۔ اس کے بعد کنکریاں جمع کیں۔ پھر سو رہے خدا کے فضل سے ڈھلتی رات آنکھ کھُل گئی۔ اور صبح تک مشعر الحرام میں حاضری رہی۔ خوب دل بھر کر اوراد و اذکار ہوئے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

(۲۴) منا کے مشاغل

فصل ۴ — ۱۰ ذی الحجہ کی صبح کو مزدلفہ سے منا آئے اس مرتبہ قیام گاہوں سے الگ

تقریباً ایک میل کے فصل پر قربانی کا انتظام تھا۔ وہیں اونٹ۔ گائے۔ بھیڑ۔ بکری اور دنبوں کا بازار تھا۔ اور وہیں مذبح تھا۔ سب حاجی وہیں جاجا کر قربانی کرتے تھے۔ اس سے آبادی میں بہت صفائی رہی۔ امسال قربانیاں خوب سستی رہیں۔ عمدہ بکرے دو ڈھائی روپے میں اور عمدہ دنبے چار پانچ روپے میں ملتے تھے۔ سب سے اول منا پہنچکر رمی جمار کیا۔ اس کے بعد قربانی سے فراغت حاصل کی۔ دم قران کے سوا دو قربانی دم جنایت کی دینی پڑیں۔ مکہ معظمہ میں جو غسل بیت اللہ شریف کا خوشبودار زمزم عطا ہوا تھا۔ یہ اس کی فیس تھی۔ اس کے سوا والدین۔ اہل وعیال اور احباب و اعزا کی طرف سے بھی قربانیاں کی گئیں۔ تقریباً بیس تک نوبت پہنچی۔ دوپہر تک واپس آئے۔ کھانا کھایا۔ تو سر منڈانے کی فکر ہوئی دکانات پر تو ہجوم زیادہ تھا۔ اور وہاں صفائی بھی خاطر خواہ نہ تھی۔ حجام کو قیام گاہ پر بلا لیا۔ اور اطمینان سے سر منڈایا۔ غسل کیا۔ احرام اتار کر کپڑے پہن لئے۔ اس روز یہی عام مشغلہ تھا۔ ہر طرف یہی منظر تھا۔

(۲۵) مکہ معظمہ کا چکر

ہمارے مکرم دوست اور برادر سلسلہ مولوی نثار احمد نواب نثار یار جنگ بہادر کی رائے ہوئی کہ طواف زیارت کرنے مکہ معظمہ چلیں تو وہ اول حجامت بنوا کر غسل کر لیں۔ اس کے بعد طواف کریں۔ چنانچہ ہم دونوں منا سے مکہ معظمہ روانہ ہوئے۔ عصر کا وقت تھا۔ دو گدھے ایک ایک روپیہ کو کرایہ کئے۔ اور سوار ہو کے چل دئے۔ پیچھے پیچھے گدھے والا۔ آگے آگے ہم گدھے سوار۔

فصل۴ گدھوں کے منہ میں لگام نہ پشت پر زین نہ زین میں رکاب اور چال تیز۔ شہ سواری کا خاصا امتحان تھا۔ مگر نواب صاحب نے اصرار کر کے بنظر احتیاط چھوٹے گدھے انتخاب فرمائے کہ بیٹھیں تو پاؤں زمین کے قریب رہیں۔ ضرورت ہو تو پاؤں زمین پر ٹیک دیں۔ اس احتیاط میں کرایہ کی بھی کفایت رہی۔ اونچے گدھوں کا کرایہ زیادہ تھا۔ ہمیں تو وہی پسند تھے۔ مگر ساتھ کے خیال سے ہم نے اختلاف نہیں کیا۔ تاہم یہ چھوٹے لدھے بھی بڑے چالاک نکلے۔ جب رستہ میں دوسرے گدھے یا اونٹ ملتے تو ان سے ٹکرانے کی کوشش کرتے کہ سواروں کو گرا کر سبکدوش ہو جائیں۔ مگر سوار بھی بڑے پختہ کار تھے۔ کان کھینچ کھینچ کر گدھوں کو سیدھا کر دیا۔ تاہم یہ بھی تصفیہ کر لیا کہ واپسی گدھوں پر نہ ہو گی۔ خدا خدا کر کے حرم شریف پہنچے۔ قریب مغرب پہنچے۔ نماز پڑھی۔ ہم نے تو اس کے بعد ہی طواف زیارت کر لیا۔ نواب صاحب نے حجامت اور غسل سے فارغ ہو کر بعد عشا طواف کیا۔

اب واپسی کا سوال پیش ہوا۔ ہم نے اونٹ کی سواری کا مشورہ دیا نواب صاحب کو بخوف طوالت تامل تھا۔ لیکن بالآخر مروتاً راضی ہو گئے۔ حرم شریف سے نکلے تو قریب ہی اونٹ مل گئے۔ کرایہ ٹھیرایا۔ اونٹ والے نے فی کس آٹھ قرش مانگے۔ لیکن بدوؤں کی زبان سمجھنے میں غلطی ہوئی ہم نے فی کس ایک روپیہ یعنی ۲۲ قرش میں کرایہ طے کیا۔ ایسے مسافر تو قسمت ہی سے ملتے ہیں۔ اونٹ والے کو شبہ ہوا کہ شاید یہ مذاق کر رہے ہیں۔ انکو کرایہ دینا مقصود نہیں ہے۔ اس لئے اس نے بنظر احتیاط پیشگی کرایہ کا مطالبہ کیا۔ اس سے بے اعتباری ٹپکتی تھی۔ اس لئے ہم نے پیشگی دینے سے انکار کیا اس پر اونٹ والے نے ہم کو خوب دل بھر کر قسمیں دلائیں کہ ہم مقررہ کرایہ

فصل ۴ دینے میں عذر و حجت نہ کریں گے۔ اور ہم کو سوار کر کے لے چلا۔ ایک ہی اونٹ پر آگئے ہم اور ہمارے پیچھے نواب صاحب ہماری کمر مضبوط پکڑے ہوئے۔ نواب صاحب کا پہلا ہی تجربہ تھا۔ اونٹ نے جو اپنی چال دکھائی تو نواب صاحب از حد محظوظ ہوئے اور چاہا کہ بطور انعام اونٹ والے کو فی الفور کرایہ دیگر اونٹ کو سبکدوش کر دیں۔ لیکن ہم نے اس سواری کی قدامت۔ ضرورت اور برکت تفصیل سے بیان کی اور حفاظت کا اطمینان دلایا تو نواب صاحب پھر نیم راضی ہوئے۔ ہم کو اچھی طرح پکڑ کر جم بیٹھے۔ تھوڑی دیر میں نشیب و فراز کے عادی ہو گئے تو پھر اطمینان سے باتیں شروع ہوئیں۔ اور منا تک چاندنی رات میں پہاڑی منظر کا لطف اٹھاتے چلے گئے۔ راستہ میں اور بھی اونٹ مل گئے۔ خاصا قافلہ بن گیا۔ ہم کو کرایہ کی غلطی تو اسی وقت معلوم ہو گئی تھی۔ اور پھر راستہ میں چار چار قرش کو لوگ سوار ہوئے بات صاف ہو گئی۔ تاہم ہم نے وعدہ کے بموجب اونٹ والے کو ایک ایک روپیہ کرایہ دیا۔ اور دل کو سمجھایا کہ یہ غریب لوگ ہیں۔ ان کے ساتھ سلوک کیا جائے تو اچھا ہے۔ اونٹ والے نے کرایہ پا کر ہم کو دعا دی۔ اور غالباً یہ بھی دعا کی کہ ایسے کرایہ ٹھیرانے والے حجاج اکثر ملتے رہیں۔

(۲۶) مکہ معظمہ میں واپسی

منا میں تین روز قیام رہا۔ جیسا کہ اوپر بھی ذکر آچکا ہے۔ اعلیحضرت حضور نظام خلد اللہ ملکہٗ کی طرف سے حیدرآبادی حجاج کے واسطے یہاں قیام و طعام کا انتظام تھا۔ اور بہت عمدہ انتظام تھا۔ ہر قسم کا آرام تھا۔ سب صدق دل سے اعلیحضرت بندگانعالی مدظلہ العالی کے جاہ و اقبال کے واسطے دعائے خیر کرتے تھے۔ ۱۲ ذیحجہ کی شام کو مکہ معظمہ واپس آگئے۔ خدا کا

فصل ۴ شکر ادا کیا۔

اول تو بڑے سفر کا تکان یوں ہی کیا کم ہوتا ہے، اور سفر بھی حج کا سفر اور پھر ۹ ذی الحجہ سے ۱۲ ذی الحجہ تک کا معرکہ۔ صحت پر جتنا بھی بار پڑے کم ہے۔ چنانچہ اس مرحلہ تک بالعموم حجاج کی صحت کم و بیش اصلاح طلب ہو جاتی ہے اول قبض۔ اس کے بعد نزلہ۔ زکام۔ کھانسی۔ پھر بخار۔ یہ علالت کا معمولی دور ہوتا ہے۔ پیچش اور سوہضمی کی صورتیں بھی پیش آتی ہیں۔ کچھ علاج معالجے کی ضرورت پڑتی ہے۔ لوگ مزاج کے موافق مجرب دوائیں ساتھ رکھتے ہیں چنانچہ ہماری طبیعت بھی خراب ہوئی۔ کوئی خاص شکایت تو نہ تھی۔ لیکن ایک عام پستی تھی اور خوف تھا کہ طبیعت بگڑ جائے۔ لیکن خدا خوش رکھے ہمارے قافلہ سالار ڈاکٹر خواجہ معین الدین صاحب کو ایسا عمدہ مکسچر تیار کر کے دیا کہ دو ہی روز میں طبیعت سنبھل گئی۔ خطرہ رفع ہو گیا۔ اور ہم جلد مدینہ منورہ کے سفر کے قابل ہو گئے لیکن سلطانی دعوت کی یادگار بہت دنوں تک باقی رہی۔ وہاں جو جوتہ گم ہوا اور نئے جوتے نے جو پیر کاٹا۔ اس کے زخم نے طول پکڑا۔ شروع میں تو ہم نے غفلت کی اس کو حقیر سمجھا۔ جب تکلیف بڑھی تو ڈاکٹر صاحب کا علاج شروع کیا۔ بعد کو طواف میں حجاج کی ٹھوکریں لگتی رہیں۔ ہزار احتیاط پر بھی نہ بچ سکے۔ زخم بار بار تازہ ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ مدینہ منورہ حاضر ہو کر اس کا خاتمہ ہوا۔ ڈاکٹر صاحب کی مرہم پٹی نے بہت کام دیا۔ ورنہ پیر کی تکلیف سے کام بگڑ جاتا۔ سفر میں مرض کو۔ زخم کو حقیر نہ سمجھے۔ جلد علاج کرالے ورنہ بعض وقت بہت پچھتانا پڑتا ہے۔

(۲۷) ڈاکٹر خواجہ معین الدین صاحب قافلہ سالار

ڈاکٹر صاحب موصوف کا ساتھ حجاج کیواسطے

فصل

بہت باعث راحت تھا۔ اول تو ایسا مستعد۔ تجربہ کار۔ اور نیک مزاج بڑا قافلہ سالار ہونا مشکل ہے۔ کہ سب کی خوشی پوری کرے۔ کسی صورت میں عذر و انکار نہ کرے۔ اور اپنے اوپر سب طرح کی سختی برداشت کرے۔ پھر بھی خوش نظر آئے۔ ڈاکٹر صاحب وطن میں نازک مزاج سمجھے جاتے ہیں لیکن سفر میں ایسا تحمل دکھایا کہ سب قائل ہو گئے۔ قافلہ سالاری کی دردسری کیا کم ہے کہ علاج معالجہ کا سلسلہ بھی ساتھ ہے۔ قافلہ کی خبر رکھنا۔ بیماروں کی مزاج پرسی کرنا۔ دوا دینا۔ سفر میں کچھ آسان کام نہیں ہے۔ غنیمت ہے کہ غلام صمدانی صاحب ساتھ ہیں۔ بھاری بھر کم ہونے کی وجہ سے یوں تو آرام طلب نظر آتے ہیں۔ مگر ماشاء اللہ بڑے محنتی۔ مستعد اور کارگزار ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کے دست راست ہیں۔ قافلہ سالاری کے حسابات اور ڈاکٹری کے معالجات میں شب و روز مصروف رہے اور ہمیشہ تازہ دم بنے رہے۔ کبھی سست اور پست نظر نہیں آئے۔

(۲۸) کارخانہ پارچہ بافی

مذکورہ بالا فرائض سے بڑھ کر ڈاکٹر صاحب کے سپرد ایک اور کام ہے اور وہ بہت اہم ہے۔ حیدرآباد میں ایک مجلس قائم ہوئی ہے جس میں متعدد عمائدین، معززین اور متمولین شریک ہیں۔ اس مجلس کا مقصد یہ ہے کہ فی الحال مدینہ منورہ میں صنعت و حرفت کی تعلیم جاری کریں۔ تاکہ اہل مدینہ کو حصول معاش میں سہولت ہو۔ تجویز یہ ہے کہ اول سوت کاتنے اور کپڑا بننے کی تعلیم دی جائے۔ مشق کرائی جائے۔ اس غرض سے دو کاریگر بھی ڈاکٹر صاحب کے ساتھ حیدرآباد سے آئے ہیں۔ کپڑا بننے کی دستی کلیں بھی ہندوستان سے آ رہی ہیں۔ چرخے بھی تیار کرائے جا رہے ہیں۔ کافی غور و مشورہ کے بعد

فصل ۴ حکومت سے بھی اس کام کی اجازت مل گئی ہے۔ اسی کی خاطر ڈاکٹر صاحب فی الحال مدینہ منورہ میں چند ماہ قیام فرمائیں گے۔ حج کے بعد سے اسی اہتمام میں مصروف ہیں۔ پارچہ بافی کو اس لئے منتخب کیا ہے کہ توقع ہے احرام تیار ہوں گے اور حاجی تبرک کے خیال سے حج میں یہی احرام استعمال کریں گے مال کی نکاسی کی طرف سے اطمینان رہے گا۔

(۲۹) حجاج اور معلم

قافلہ کے معاملات میں قافلہ سالار کیساتھ ساتھ معلم کو بھی بہت کام کرنا پڑتا ہے۔ اور ان ہی دو کے اتفاق و اتحاد عمل سے خاطر خواہ انتظام ممکن ہے۔ حجاج کو سنبھالنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ تجربہ اور مشاہدے سے دشواریوں کا اندازہ ہوتا ہے۔ حاجی کئی قسم کے ہوتے ہیں۔ اول تو وہ جو دل کھول کر خرچ کرتے ہیں اور خود سمجھدار واقف کار ہوتے ہیں۔ حسب مرضی راحت پاتے ہیں۔ دوسرے وہ جو خرچ کو آمادہ رہتے ہیں۔ لیکن خود ناواقف ہوتے ہیں۔ دوسروں کی معرفت کام چلاتے ہیں۔ معتبر آدمی مل جائے تو یہ بھی خاصا آرام پاتے ہیں البتہ کسی چالاک کے ہاتھ میں پھنسیں تو بعد کو پچھتاتے ہیں۔ تیسرے وہ جنکی گرہ میں رقم کم مگر عقل زیادہ رہتی ہے۔ یہ اپنی دانائی اور رسائی سے کام نکال لیتے ہیں۔ ان کے بھی حج کم خرچ بالا نشیں رہتے ہیں۔ چوتھے وہ جو تکلیف وراحت کی چنداں پرواہیں کرتے۔ جو صورت پیش آئے برداشت کرتے ہیں۔ تلخ و شیریں۔ گرم و سرد۔ سب کے عادی رہتے ہیں۔ صبر و شکر ان کا سرمایہ ہے۔ اس طبقہ میں بڑے بڑے لوگ چھپے رہتے ہیں۔ ان کے حج حج ہوتے ہیں۔ پانچویں وہ جو نہ زیادہ رقم رکھتے ہیں۔ نہ کافی عقل لیکن ان کو راحت کی بڑی فکر رہتی ہے۔ اور اس کا ملنا معلوم۔ لہذا بغض وحسد

ان کا محل ہو جاتا ہے۔ اور شکوہ شکایت ان کا ورد بن جاتا ہے۔ یہ سخت ابتلا ہے۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ فصل ۴

معلم سب ایک طرح کے نہیں ہوتے۔ برے بھی ہوتے ہیں۔ اچھے بھی۔ اور بعض بروں کے ساتھ برے رہتے ہیں اور اچھوں کے ساتھ اچھے۔ اپنا اپنا میل ہے۔ اپنا اپنا ربط۔ تاہم اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ پہلے زمانہ میں معلموں کے اختیارات و تصرفات بہت قوی اور وسیع تھے۔ اور انکے مقابل ذمہ داری اور بازپرس بہت کم۔ بڑی بڑی زیادتیاں ذرا ذرا سے عذر پر معاف ہو جاتی تھیں۔ حاجی کی جان۔ مال اور آبرو سب معرض خطر میں رہتی تھی۔ لوگ شاید اس کو مبالغہ سمجھیں لیکن یہ واقعہ تھا۔ آجکل معاملہ بالکل برعکس ہے۔ معلموں کے اختیارات اور تصرفات معین و محدود ہیں لیکن ان کی ذمہ داری بہت بھاری ہے۔ بات بات پر ایسی بازپرس ہوتی ہے کہ توبہ کرنی پڑتی ہے۔ اول تو خود حکومت نے معلموں کو سخت شکنجہ میں کس دیا ہے۔ پھر کچھ کسر رہ گئی ہو تو خان بہادر مولوی احسان اللہ صاحب نے وہ کسر پوری کر دی۔ واقعہ ہے کہ معلم اور وکیل خان بہادر صاحب کے نام سے کانپتے ہیں۔ جانتے ہیں کہ وہ حاجی کی بہت حمایت کرتے ہیں۔ اور شکایت پہنچے تو اچھے سے اچھے معلم کی حیثیت بگاڑ دیتے ہیں۔ اس لئے حجاج کو بہت امن رہتا ہے۔ معلم محتاط بلکہ خائف رہتے ہیں۔ لیکن تقابل سے حالات کا صحیح اندازہ ہوتا ہے۔ جو لوگ معلموں کی دست درازیاں دیکھ چکے ہیں وہ موجودہ انتظام کی کچھ قدر کر سکتے ہیں۔ نئے حاجی تو موجودہ انتظامات کو معمولی بات سمجھتے ہیں۔ بہرحال معلموں کی حاجیوں کے ساتھ فی الحال وہی مثل ہے کہ دبی بلی چوہوں سے کان کٹواتی

فصل ہے۔

(۳۰) بدرالدین سیف الدین صاحب حیدرآبادی معلم

بدرالدین سیف الدین صاحب حیدرآباد کے معلم ہیں۔ یہ تعلق مدت سے ان ہی کے خاندان کو حاصل ہے۔ چنانچہ ان کے والد صاحب مرحوم سے حیدرآبادی حجاج ہموطنوں کی طرح واقف اور مواقف تھے۔ یہ کئی بھائی ہیں۔ لیکن اپنی مستعدی۔ واقف کاری۔ کارگزاری۔ حلم ومروت اور خوش خلقی کی بدولت یہی حیدرآباد میں سب سے زیادہ مقبول ومعروف اور ہر دلعزیز ہیں۔ چند سال کے بعد خوش انتظامی کے صلہ میں امسال ان کو بفرمان شاہی حیدرآبادی قافلہ کا سرکاری معلم مقرر کیا گیا۔ منشا یہ تھا کہ یک جہتی سے انتظامات میں سہولت رہے ورنہ معلموں کے اختلافات سے خواہ مخواہ دشواریاں اور پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں حجاج کو تکلیف اُٹھانی پڑتی ہے۔ تجربہ سے یک جہتی کا اصول صحیح ثابت ہوا۔ انتظامات میں بہت سہولت اور کفایت رہی۔ حاجیوں کو آرام ملا۔ قافلہ میں تو وہی حجاج شمار ہوتے ہیں۔ جو سرکاری امداد لیکر حج کرنے آتے ہیں۔ لیکن حیدرآباد کے دیگر معزز اور متمول حجاج نے بھی معدودے چند کے سوا اپنی خوشی اور مرضی سے ان ہی کو اپنا معلم مقرر کیا۔ اور سب خوش رہے۔ البتہ اگر کچھ فروعی شکایات ہوں تو ان سے کسی معلم کو مفر نہیں۔ ان کے چھوٹے بھائی حسین سلمہٗ نے بھی انتظامات میں ان کو کافی مدد دی۔

(۳۱) مکی ملاقاتیں

مکہ معظمہ میں چند مفید اور مبارک ملاقاتوں کا موقع ملا۔ اول تو اسمٰعیل جمیل صاحب جن کے مکان پر ہم مقیم رہے۔ بڑے جمیل صورت اور جمیل سیرت ہیں۔ دوسرے

حضرت عبدالحی کتانی صاحب سے ملاقاتیں رہیں۔ اور یہ مغرب الاقصیٰ کے فصل ۴
مشہور مرشد ہیں۔ شیخ سنوسی علیہ الرحمۃ کے ہم پلہ سمجھے جاتے ہیں تیسرے
حضرت ملا صاحب شور بازار۔ جن کے کارنامے افغانستان جدید کی تاریخ میں
یادگار رہیں گے۔ حضرت کی ملاقات کی مزید تفصیل مدینہ منورہ کے تحت
آئندہ پیش ہوگی۔ ان کے علاوہ مکہ معظمہ میں دو تین بزرگوں سے نیاز
حاصل ہوا۔ ایک حضرت سید عیدروس البار۔ دوسرے حضرت سید عبداللہ
الجعفری۔ یہ دونوں حضرات مکہ معظمہ میں بڑے کامل بزرگ ہیں۔ بفضلہ
دونوں نے مشکوٰۃ الصلوات کو بہت پسند فرمایا۔ بہت دعا دی۔ تیسرے
حضرت مولانا شفیع الدین صاحب مہاجر بھی حرم شریف میں بہت غنیمت ہیں
علم کا فیضان رہتا ہے۔ حضرت کی ملاقات تفصیل سے بیان ہو چکی ہے۔



فصل پنجم

مدینۂ منورہ

(۱) مدینۂ منورہ کو روانگی مکہ معظمہ میں حج کے بعد جوں جوں دن گزرتے۔ مدینہ منورہ کی تڑپ دل میں بڑھتی اور بیساختہ زبان پر جاری رہتا۔ ع

مولا جلد بلا لو مدینے مجھے

بالآخر حج کے دس روز بعد بتاریخ ۱۵ اپریل یوم شنبہ مکہ معظمہ سے لاری میں روانہ ہوئے۔ اور جدہ ہوتے ہوئے تیسرے دن یوم دوشنبہ دوپہر کو مدینہ منورہ جا حاضر ہوئے۔ اور فی الوقت سید حسین برزنجی صاحب کے دولت خانہ پر قیام کیا۔

اس سفر کی بھی مختصر کیفیت قابل تحریر ہے۔ اس سے قبل بیان ہو چکا ہے کہ جدہ سے مکہ معظمہ تک یک طرفہ کرایہ اور کوشاں۔ فی سواری اونٹ پر نصف گنی۔ لاری پر ایک گنی اور موٹر میں ڈیڑھ گنی تھا۔ علی ھٰذا مکہ معظمہ سے منا اور عرفات کا دو طرفہ کرایہ بھی وہی مقرر تھا جو اوپر درج ہوا۔ مکہ معظمہ یا جدہ سے مدینہ منورہ تک دو طرفہ کرایہ اور کوشاں فی سواری اونٹ پر ۵ گنی لاری میں

فصل ۵ دس گنی اور موٹر میں پندرہ گنی مقرر ہے۔ حجاج کو عام طور پر آٹھ یوم مدینہ منورہ
حاضر رہنے کی مہلت دی جاتی ہے۔ اگر کوئی زیادہ حاضر رہنا چاہے تو کل بیس
یوم تیس یوم۔ اور چالیس یوم کے واسطے ایک گنی سے لے کر ڈھائی گنی تک مزید
فیس لی جاتی ہے۔ جو لوگ اس سے بھی زیادہ ٹھیرنا چاہیں وہ خاص اجازت
حاصل کر کے یک طرفہ کوشان اور کرایہ سے آجاتے ہیں۔ نصف سے کچھ زیادہ
رقم دینی پڑتی ہے۔ لیکن ان کو واپسی کی پابندی نہیں رہتی۔

موٹروں کی متعدد کمپنیاں ہیں۔ حیدرآبادی حجاج کا انتظام سہالہ
کمپنی کی لاریوں میں ہوا۔ یہ کمپنی بہت معتبر مانی جاتی ہے۔ اور واقعی معتبر ہے
سال گذشتہ حجاج سے موٹروں اور لاریوں کی بہت شکایت سننے میں
آئی تھی۔ کہ ٹیوب ٹائیر پرانے چڑھے ہوئے تھے۔ انجن ناقص حالت میں تھے
راستہ میں بہت ٹوٹ پھوٹ ہوتی تھی۔ وقت ضایع ہوتا تھا۔ امسال عام طور
پر انتظام بہتر تھا۔ خود اپنا مشاہدہ ہے۔ بالعموم عمدہ نئے ٹیوب ٹائیر چڑھے
ہوئے تھے۔ زاید سامان بھی ساتھ چلتا تھا کہ شاید راستہ میں کوئی کل پرزہ ٹوٹ
جائے تو فوراً درست کر دیا جائے۔ چنانچہ سہالہ کمپنی کی لاریوں کے ساتھ ساتھ
آخر میں ایک لاری رہتی تھی جس میں ہر قسم کے زاید پرزے بھرے رہتے تھے
اور ساتھ ہی مرمت کے واسطے اس میں انجنیر اور فٹر بھی رہتے تھے۔ خود ہمارے
سفر میں ساتھ کی دو لاریوں کے گیر ٹوٹے۔ اور گیر کا ٹوٹنا موٹر کا بیکار ہو جانا
ہے۔ لیکن گیر کے زاید پرزے ساتھ تھے۔ دو تین ہی گھنٹہ میں محنت کر کے
نئے گیر بٹھا دئے۔ اور لاریاں چل دیں۔ قریب قریب ہر کمپنی میں ایسا ہی
انتظام ہے۔ لیکن سہالہ کمپنی کا انتظام بہتر مانا جاتا ہے۔ اور درستی کا خاص
اہتمام رہتا ہے۔

(۲) غائبانہ تعارف کی برکت

فصل ۵ بہرحال معلم صاحب کی کوشش سے اچھی کمپنی کے موٹر ملے۔ اس کمپنی کے ایک حصہ دار ہیں سید عبدالحی صاحب۔ جو مکہ معظمہ میں کمپنی کے منیجر بھی ہیں۔ حسن اتفاق کہ ان سے ملاقات ہوگئی۔ دو ایک مرتبہ ہمارے قیام گاہ پر بھی ملنے تشریف لائے۔ ان کو ہماری راحت کا بہت خیال ہوگیا۔ خاص کر اس وجہ سے کہ حضرت بغدادی صاحب کی صحت کسیقدر خراب ہوگئی تھی۔ سفر میں احتیاط کی ضرورت تھی۔ چنانچہ سید صاحب موصوف نے اپنی کمپنی کا سب سے ہوشیار انجنیر ہماری لاری کے واسطے شوفر مقرر کیا۔ اور اس کو ملانے کے واسطے مکان پر لائے۔ اور خوب تاکید کردی کہ سفر میں ہر طرح کا آرام رہے۔ مزید حسن اتفاق یہ کہ انجنیر صاحب ہم سے غائبانہ تعارف رکھتے تھے۔ اور یہ ہماری کتابوں کی برکت تھی۔ خود انھوں نے ہم کو پہچان لیا۔ اور مل کر بہت خوش ہوئے کہ گویا دوست مل گئے۔

حسن الدین چغتائی صاحب کوئی معمولی شوفر نہیں ہیں۔ دہلی کے شریف نوجوان ہیں موٹر کے کام میں بہت ہوشیار ہیں۔ یورپ بھی جانا ہوا اور جرمنی میں خصوصیت سے اس فن کی تعلیم حاصل کی۔ جنگ کے دوران میں انھوں نے اپنے فن کی بڑی کارگزاری دکھائی۔ چنانچہ سرکار نے خوشنودی کی سند عطا کی۔ بہت دین دار اور خوش عقیدہ مسلمان ہیں۔ حرمین شریفین کے اشتیاق میں حجاز آئے۔ بلکہ ہجرت کا قصد دل میں لائے۔ دو سال سے سہالہ کمپنی میں انجنیر ہیں۔ لاریوں کے قافلہ کے پیچھے زاید سامان لے کر چلنا۔ اور راستہ بھران کی دیکھ بھال کرنا ضرورت ہو تو درستی مرمت کرنا۔ یہی ان کا کام ہے۔ دو ایک مددگار انکے ساتھ رہتے ہیں۔ ہماری خاطر شوفر کا کام انھوں نے اپنے ذمہ لیا۔ اور

فصل۹ زاید سامان کی لاری پر دوسرے انجنیر کا تقرر ہوا۔ تاہم ہماری لاری بھی سب سے پیچھے۔ سامان کی لاری کے ساتھ رہتی ہے۔ اور بوقت ضرورت حسن الدین صاحب کو ہاتھ بٹانا پڑتا ہے۔

اول تو حسن الدین صاحب کو کمپنی کی تاکید۔ دوسرے وہ اپنے ملاقاتی ہیں تیسرے خود ان کی ضعیف والدہ صاحبہ بھی اسی لاری میں ہمارے ساتھ سوار ہیں بغرض زیارت مدینہ منورہ جا رہی ہیں۔ حسن الدین صاحب ان کی ایسی خاطر اور خدمت گزاری کرتے ہیں اور دعائیں لیتے ہیں کہ ان کی سعادتمندی اسلامی تہذیب کا اعلیٰ نمونہ معلوم ہوتی ہے۔ ان کو اپنی والدہ صاحبہ کی راحت کا بہت زیادہ خیال ہے۔ چوتھے' ان کو علم ہوا کہ موٹر کے فن سے کچھ ہم بھی واقف ہیں۔ علمی مطالعہ بھی کیا ہے۔ اور عملی تجربہ بھی حاصل ہے تو ان کو اور شوق ہوا کہ اپنے فن کا کمال دکھائیں۔ غرض کہ کئی وجوہ جمع ہو گئے۔ جن کی بنا پر حسن الدین صاحب نے نہایت دشوار گزار علاقوں میں ایسی خوبی سے لاری چلائی کہ سواریوں کو راستہ کی خرابی کا ذرا بھی احساس ہونے دیا۔ مگر جو موٹر چلانے کی دشواریوں سے واقف ہیں۔ وہی سمجھ سکتے ہیں کہ انھوں نے کیا کام کیا۔

(۳) سفر کی کیفیت جدہ سے مدینہ منورہ تک تقریباً ساڑھے تین سو میل کا فصل ہے۔ راستہ کی تین حالتیں ہیں۔ ایک حصہ صاف ہموار ہے۔ اور کہیں کہیں ایسا ہموار کہ گویا سمنٹ کی سڑک ہے۔ دوسرا حصہ ریگستان ہے۔ اور وہاں اس بلا کی ریتی ہے کہ موٹر لاری پھنس جائے تو انجن عاجز ہو جاتا ہے۔ سواریاں اتر اتر کر دور دور تک لاریوں کو دھکیلتی ہیں تو نجات ملتی ہے۔ لاری میں چودہ پندرہ سواریاں

فصل ۹

رہتی ہیں۔ سب کے زور سے کام چل جاتا ہے۔ لیکن اگر سواریوں میں بوڑھے۔ بچے یا مستورات زیادہ ہوں تو مشکل پڑتی ہے۔ اکثر اوقات کئی کئی لاری ریتی میں قریب قریب پھنسی رہتی ہیں۔ انجن شور کرتے ہیں۔ مگر کچھ زور نہیں چلتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مکھیاں شیرہ میں پڑی بھن بھنا رہی ہیں۔ ایسی صورت میں ایک لاری کے مسافر دوسری لاری کی مدد کرتے ہیں۔ اتحاد و اتفاق سے مشکل آسان ہو جاتی ہے۔ غریب موٹر والے اور بھی عاجز رہتے ہیں۔ چار پانچ مسافروں کے زور سے موٹر نہیں ہلتی تو انکو ہمراہی دھکیل دیتے ہیں۔ کہیں کہیں بدو مل جاتے ہیں۔ ان سے بھی کام نکل جاتا ہے۔ ان کا بھی کام بن جاتا ہے ایسے علاقوں میں شوفر کا کمال یہ ہے کہ اول تو راستے کی حالت پہچانے اور ایسے حصہ سے گزرے جہاں ریتی کم ہو۔ دقت یہ ہے کہ جہاں دیکھنے کو زمین پختہ معلوم ہوتی ہے۔ وہیں ریتی زیادہ چھپی رہتی ہے۔ کم سمجھ شوفر اس دھوکے میں بری طرح پھنستے ہیں۔ دوسرے انجن کی طاقت کو ایسے انداز سے بڑھائے کہ لاری نکلتی چلی جائے۔ انجن کا کہیں دم نہ ٹوٹنے پائے۔ اگر عمدہ مشق نہ ہو تو انجن کی طاقت تا وقت بڑھاتے ہیں۔ اور خواہ مخواہ پھنس جاتے ہیں۔

تیسرا حصہ کوہستان سنگلاخ ہے۔ زمین ناہموار۔ اور پھر راستہ بھر چھوٹے بڑے پتھر بکھرے پڑے۔ اس حصہ میں موٹر چلانا سب سے دشوار ہے۔ موٹر چلاتے ہیں۔ مگر سواریوں کی بری گت بنتی ہے۔ وہ جھٹکے لگتے ہیں کہ بوٹی بوٹی دکھتی ہے۔ ہڈی ہڈی ہلتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جانیں اچھل رہی ہیں۔ وہ تو غنیمت ہے کہ چھتوں میں کپڑے لگا دئیے ہیں۔ اگر خدانخواستہ لکڑی ہوتی تو پھر سروں کی خیر نہ تھی۔ بہرحال جب لاریاں اس حصہ سے گزرتی ہیں تو حجاج خوب

فصل ۹ اچھلتے ہیں۔ اپنے تن بدن کی خیر مناتے ہیں۔ پھر بھی تھوڑی بہت چوٹ کھاتے ہیں۔ اس معرکہ میں شوفر سے بھی خوب چلتی ہے۔ حجاج کی فرمائش ہوتی ہے کہ آہستہ چلاؤ۔ سنبھال کر چلاؤ۔ مگر شوفر کسی کی نہیں سنتا۔ اور عرب ہی تو کسی کو نہیں سمجھتا۔ اپنی دھن میں موٹر خوب تیز اڑاتا ہے۔ اول تو ان کو تیز چلانے کا شوق ہوتا ہے۔ اس کو بڑا کمال سمجھتے ہیں۔ دوسرے تیز چلانے میں شوفر کو سہولت رہتی ہے۔ موٹر اپنے زور میں بڑھی چلی جاتی ہے۔ اگر آہستہ چلائیں تو ان کو زیادہ محنت کرنی پڑے۔ جلد جلد انجن کی طاقت بدلنی پڑے پٹرول بھی زیادہ خرچ ہو۔ علیٰ ھذا راستہ کی ہمواری ناہمواری کی بھی چنداں پرواہ نہیں کرتے۔ بس اپنی دھن میں سیدھے چلے جاتے ہیں۔ اگر گڑھوں سے بچیں تو پھر ان کو اسٹیرنگ وہیل پر زیادہ کام کرنا پڑے۔ جلد جلد موٹر کا راستہ بدلنا پڑے۔ ان کو کیا غرض جو اتنی محنت اپنی جان پر لیں۔ چونکہ وہ آگے بیٹھتے ہیں۔ ان کو جھٹکے بھی کم لگتے ہیں۔ اور وہ عادی بھی رہتے ہیں جو سختی پڑتی ہے وہ حاجیوں پر پڑتی ہے۔ خاص کر جو لاری میں زیادہ پیچھے بیٹھتے ہیں۔ زیادہ جھٹکے سہتے ہیں۔ کچھ صبر کرتے ہیں۔ کچھ شوفر سے لڑتے ہیں۔ اور کچھ لے دے کر شوفر کو ہموار کر لیتے ہیں تو سفر بھی کسی قدر ہموار ہو جاتا ہے۔

(۴) راستہ کی منزلیں

راستہ میں کہیں کہیں منزلیں بنا دی ہیں۔ لکڑی کے کھمبوں پر پھونس کی چھتیں جما دی ہیں۔ عربی وضع کی اونچی نیچی سادہ چارپائیاں بچھی رہتی ہیں۔ حاجی ان ہی پر بیٹھتے لیٹتے ہیں۔ رات کو سوتے ہیں۔ یہاں چاء تو بکثرت ملتی ہے لیکن کہیں کھانا بھی مل جاتا ہے۔ خاص کر رابغ پر تو ایسی تازہ بھنی ہوئی مچھلیاں ملتی

ہیں کہ لوگ ناشتہ کے واسطے ساتھ لیجاتے ہیں۔ قیام کے معاملہ میں بھی حجاج فصل ۹
کی شوفروں سے چلتی ہے۔ کبھی رات کو حجاج کسی منزل پر سونا چاہتے ہیں۔ مگر
شوفر راضی نہیں ہوتا۔ گھنٹہ دو گھنٹہ آرام دے کر وہ آگے بڑھنا چاہتا ہے۔ کبھی
حجاج کو جلدی ہوتی اور شوفران کے خلاف مرضی منزل پر زیادہ قیام کرنا چاہتا
ہے۔ کبھی حجاج راستہ میں کسی ضرورت سے موٹر روکنا چاہتے ہیں۔ مگر شوفر عذر
کرتا ہے۔ یا کم روکتا ہے۔ ان ہی اختلافات کی وجہ سے بعض لاریوں کا سفر
بہت تلخ رہتا ہے۔ سمجھدار حجاج کچھ وعدے کچھ وعید سے کام نکال لیتے ہیں۔

(۵) اپنا سفر

بفضلہ اپنے سفر کی کیفیت کچھ اور ہی تھی۔ گویا اپنے ایک دوست کے ساتھ ہنستے بولتے۔ اپنی کہتے۔ اُس کی سنتے۔ چلے جا رہے ہیں۔ دوست لاری چلانے میں بڑا ماہر ہے اور پھر وہ اپنی مہارت کا کمال بھی دکھانا چاہتا ہے۔ سیر بھر دھچکی کو تولہ برابر کرکے گزر جاتا ہے۔ جب ناہموار اور پتھریلے حصوں سے گزرتا ہے تو اسٹیرنگ وھیل پر دونوں ہاتھ۔ اور بریک۔ کلچ۔ اور ایکسی لیٹر پر دونوں پاؤں مشین کی طرح کام کرتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ انجن اشارے پر کام کر رہا ہے۔ جتنا چاہا تیز چلایا اور جدھر چاہا موڑ دیا۔ حسن الدین صاحب کو تو اس طرح چلانے میں ضرور محنت پڑی لیکن سواریاں بہت آرام سے آئیں۔ سب نے دعائیں دیں۔ خود ان کی والدہ صاحبہ نے بھی کئی مرتبہ دعا دی۔ اس تجربہ سے ثابت ہوا کہ ہوشیار مستعد اور ہمدرد شوفر دشوار سفر کو بھی کس درجہ آسان بنا سکتا ہے۔

غائبانہ تعارف تو پہلا بھی نکل آیا۔ لیکن اس سفر میں خاصی دوستی ہو گئی۔ حسن الدین صاحب کا ہفتہ عشرہ مدینہ منورہ قیام رہا۔ حرم شریف میں روز ملاقات ہوتی تھی۔ جاتے وقت بھی مل کر گئے۔ فی الحال ان کا قصد اپنی والدہ صاحبہ

فصل ۵ کو لے کر ہندوستان جانے کا ہے۔ واپسی یقینی نہیں ہے۔ یہاں کے حالات سے برداشتہ خاطر ہیں۔ تاہم اگر واپس آئیں تو جو حجاج لاریوں میں سفر کریں ان سے ضرور ملیں۔ بہت کام کے آدمی ہیں۔

(۶) مدینہ منورہ میں حاضری

غرض کہ آرام و اطمینان کے ساتھ لاری کے ذریعہ مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔ حضرت بغدادی صاحب اور حضرت کے متعلقین بھی اپنے ساتھ تھے۔ اول سید حسین برزنجی صاحب کے مکان پر مہمان اترے۔ حضرت برزنجی صاحب نے بہت خاطر تواضع کی۔ میں تو تیسرے روز اجازت لے کر اپنے قدیم دوست مولنا ضیاء الدین صاحب قادری کے مکان پر آ گیا۔ اور کل وقت یہیں مقیم رہا۔ بالکل گھر کا سا بے تکلف آرام ملا۔ کھانے پینے کا۔ رہنے سہنے کا۔ اور حضرت بغدادی صاحب نے بھی دو تین دن بعد مکان کا انتظام کر لیا۔

(۷) اپنے اوقات

مدینہ منورہ کا اول مقصد اور بہترین مشغلہ حرم شریف کی حاضری ہے اور جنت البقیع کی حاضری۔ بفضلہ اپنا تو وہی سابقہ معمول رہا۔ تہجد اور فجر کے مابین مواجہ شریف میں حاضری۔ عصر اور مغرب کے درمیان مواجہ شریف میں حاضری۔ یہ دونوں وقت خاص ہیں۔ ہجوم بھی کم رہتا ہے اور فیضان بھی زیادہ ہوتا ہے۔ دل کو خود انداز ہو جاتا ہے۔ بعد نماز فجر علی الصباح جنت البقیع کی حاضری۔ معمولاً وہاں کا دروازہ کسی قدر دیر سے کھلتا تھا۔ لیکن بسہولت انتظام ہو گیا اور ہمارے وقت پر دروازہ کھلنے لگا۔ وہاں بھی اس وقت خوب تخلیہ رہتا ہے۔ حجاج عام طور پر طلوع آفتاب کے قریب وہاں پہنچتے ہیں۔ گھنٹہ سوا گھنٹہ بالکل تنہائی ہوتی تھی اور صبح کا عجب سماں ہوتا تھا۔ سب سے اول اور سب سے زیادہ



حرم نبوی وروضهٔ
اقدس مدینه منوره
(صفحه ۱۲۶)

حاضری حضرت ستنا فاطمۃ الزہرا خاتون جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی فصلِ
خدمت اقدس میں رہتی تھی۔ لیکن حاجیوں کے آنے تک کل زیارات سے
فراغت ہو جاتی تھی۔ واپس آکر حرم شریف میں کچھ تلاوت کرنا۔ پھر مکان
پہنچکر ناشتہ کرنا۔ آرام لینا۔ آرام لے کر سفرنامہ لکھنا۔ چنانچہ اس سفرنامہ کا
بیشتر حصہ مدینہ منورہ میں تحریر ہوا۔

مختصر یہ کہ تہجد سے اشراق تک اور عصر سے عشا تک حرم شریف
میں حاضری رہتی تھی۔ ظہر کی نماز البتہ کبھی مکان پر اور کبھی حرم شریف میں
ہوتی تھی۔ خدا کے فضل سے اوقات اچھے رہے۔ تحفۂ محمدی مواجہ شریف
میں پڑھی گئی۔ مشکوات الصلوات کے بھی کئی دور ہوئے۔ اپنی نعتیں اور اپنے
صلوات و سلام جب دل میں لہر آئی پڑھے، پیش کئے۔ یہی اپنا تحفہ تھا ع

گر قبول افتد زہے عز و شرف

یوں حرم نبوی میں بہت سے مقام متبرک ہیں۔ لیکن مواجہ شریف کی
بات ہی اور ہے۔ سُبحَان اللہ۔ دیوانہ پن سوار ہوا تو ایک وقت
مواجہ شریف میں عرض کیا:—

نیناں رسیلے جادو بھرے
توری نجریا پہ جاؤں پیا واریا
اک نظر ہی میں یہ قلبوں پہ جلا دیتے ہیں
اک نظر ہی میں یہ مُردوں کو جِلا دیتے ہیں
نیناں رسیلے جادو بھرے
توری نجریا پہ جاؤں پیا واریا

فصل ۵

اک نظر ہی میں یہ باطل کو مٹا دیتے ہیں
اک نظر ہی میں یہ حق دل میں بٹھا دیتے ہیں

نیناں رسیلے جادو بھرے
توری نجریا پہ جاؤں پیا واریاں

اک نظر ہی میں یہ خلقت کو بھلا دیتے ہیں
اک نظر ہی میں یہ خالق سے ملا دیتے ہیں

نیناں رسیلے جادو بھرے
توری نجریا پہ جاؤں پیا واریاں

اک نظر ہی میں یہ خود ہم کو چھپا دیتے ہیں
اک نظر ہی میں یہ عالم کو دکھا دیتے ہیں

نیناں رسیلے جادو بھرے
توری نجریا پہ جاؤں پیا واریاں

اک نظر ہی میں یہ کونین کو پا لیتے ہیں
اک نظر ہی میں یہ خود عرش کو جا لیتے ہیں

نیناں رسیلے جادو بھرے
توری نجریا پہ جاؤں پیا واریاں

اک نظر ہی میں یہ رحمت کو لبھا لیتے ہیں
اک نظر ہی میں یہ سب کام بنا لیتے ہیں

نیناں رسیلے جادو بھرے
توری نجریا پہ جاؤں پیا واریاں

فصل ۵

اک نظر ہی میں یہ عرفان پلا دیتے ہیں
اک نظر ہی میں یہ الیاس بنا دیتے ہیں

نیناں رسیلے جادو بھرے
توری نجریا پہ جاؤں پیا واریاں

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ وَسَلَّمْ

(۸) معروضات

وقت وقت کے لحاظ سے دعائیں ہوتی رہیں دین و ملت کے واسطے۔ احباب و اقربا کے واسطے۔ اہل و عیال کے واسطے اور اپنے واسطے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ ایک مرتبہ خاص عنایت و شفقت کا وقت تھا۔ عجب اعتبار دل میں اترا۔ دعا کی کہ اس ناچیز کو زمرۂ مومنین میں محض رحم و کرم سے شامل فرما لیا جائے تو اس سے بڑھ کر کیا خوش نصیبی ہوگی۔ مومنین کے واسطے قرآن کریم میں ایک سے ایک بڑھ کر بشارت موجود ہے۔ خلاصہ یہ کہ مومنین کے ساتھ اللہ رؤف و رحیم ہے۔ رسول اللہ رؤف و رحیم ہے۔ مومنین میں شامل ہونے کے بعد دو میں سے کوئی ایک صورت پیدا ہوگی۔ یا تو قاعدین میں داخلہ ہوگا یا مجاہدین میں۔ قاعدین کا بھی بڑا رتبہ ہے لیکن مجاہدین کی کچھ بات ہی اور ہے۔ بہرحال قاعدین میں رہے تو سکون رہے گا۔ ہر طرح کا امن رہے گا۔ اور مجاہدین میں داخل ہوئے تو البتہ ہل چل کی نوبت آئے گی لیکن کیا مضائقہ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ (۲۱) فَاللّٰهُ خَيْرٌ حَافِظًا وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِينَ (۱۳)۔

(۹) غلامی کی باتیں

ایک مرتبہ غلامی کی رگ بھڑکی تو بہت کچھ عرض و معروض کیا کہ اس غلام کی غلامی حق الیقین تک واضح ہو جائے تو دلِ حریص کو کچھ قرار آئے۔ کچھ جواب ملا

فصلہ معلوم ہوا کہ اول بشرات ہوئے اب ان کے تصدیقات ہو رہے ہیں۔ اس سے زیادہ کیا وضاحت مطلوب ہے۔ کئی سال قبل ایک مرتبہ دیکھا تھا کہ کوئی قدیم وسیع اور عالیشان مسجد ہے۔ قلعہ سی معلوم ہوتی ہے۔ رات کا وقت ہے۔ چاندنی چھٹک رہی ہے اس کے سوا بھی عجب نور ہے۔ اسلامی فوجیں پرے جمائے ہوئے ہیں اور مسلمان بکثرت جمع ہیں۔ بڑا اہتمام ہے۔ ہم بھی ایک طرف کھڑے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ صحابہ کرام کی ایک جماعت ساتھ ہے۔ عجب شان ہے۔ صحن مسجد میں ایک مقام پر تشریف فرما ہوئے۔ وفور اشتیاق سے چاروں طرف لوگوں کا ہجوم ہوا لیکن زیارت شریف دشوار ہوگئی۔ ایک دوسرے پر اچکنے لگا۔ گرنے لگا۔ اس وقت اپنے دل میں ایک ولولہ اٹھا کہ اپنے نبیؐ تو کریم ہیں۔ رؤف ورحیم ہیں۔ صاحب خلق عظیم ہیں۔ پھر کیا تامل ہے۔ اس مجمع کو چیرتا پھاڑتا آگے بڑھا۔ اور حضوریٔ اقدس میں دست بستہ عرض کیا کہ مشتاقوں کا ہجوم ہے لیکن زیارت سے محروم ہیں۔ اگر قریب ہی فلاں مرتفع مقام پر حضور تشریف فرما ہوں تو غلاموں کے دلوں کے ارمان نکل جاویں۔ سب زیارت شریف سے اپنی روحوں کو تازہ کریں۔ دلوں کو زندہ کریں۔ آنکھوں کو منور کریں الحمدللہ معروضہ قبول ہوا۔ اور حاضرین کی آرزو پوری ہوئی۔ اس خدمتگزاری کے صلہ میں اس غلام کو بھی عام وخاص کی خوشنودی حاصل ہوئی۔ فالحمد للہ علیٰ احسانہ۔

تحفۂ محمدیؐ، مشکوٰۃ الصلوات، صراط الحمید، یہ کتابیں ہر طرف ہاتھوں ہاتھ جا رہی ہیں۔ ان کے مطالعہ سے بفضلہ حب رسولؐ کی برقی لہر چار طرف دلوں میں دوڑ رہی ہے۔ سوتوں کو جگا رہی ہے۔ مُردوں کو جلا رہی ہے۔

سب کو مشتاقِ جمال بنا رہی ہے۔ پھر خدا کی شان کہ یہ کتابیں بالخصوص مشکواۃ الصلوات علی الاعلان حرمین شریفین میں صدہا کی تعداد میں تقسیم ہوتی ہے۔ حجاج وزائرین ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں۔ حرزِ جان اور وردِ زبان بناتے ہیں۔ فیض پاتے ہیں۔ لوگوں کو تو بڑے بڑے اندیشے تھے۔ لیکن بفضلہ حرمین شریفین میں پچاس دن اپنی حاضری رہی۔ ۱۷ یوم مکہ معظمہ میں اور ۳۳ یوم مدینہ منورہ میں۔ کہیں پتا بھی نہیں کھڑکا۔ پھر ارباب حکومت سے موقع بموقع ملاقات رہی۔ کسی نے آنکھوں بھی گلہ نہیں کیا۔ کوئی حرف بھی زباں پر نہیں لایا۔ خیر و خوبی سے کتابوں کی اشاعت ہوگئی۔ مقبولیت پھیل گئی لوگوں نے حکومت کے اس سکوت کو حکمت عملی قرار دیا۔ لیکن ہم بدگمانی کیوں کریں۔ ہم تو اس کو نیک نیتی اور نیک توفیق سمجھتے ہیں۔ حکومت کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور ان کے حق میں دعائے خیر کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انکو حقیقت کے مطابق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و تعظیم۔ اور اتباع کی کامل توفیق عطا فرمائے۔ اور ملک کو امن و امان اور خیر و برکت سے معمور رکھے۔ آمین

فصل ۵

(۱۰) مشکوٰۃ الصلوات

مدینہ منورہ میں مشکواۃ الصلوات جو تقسیم ہوئی اس کی کیفیت یہ کہ تقریباً دو سو نسخے ساتھ آئے تھے۔ عام خیال تھا کہ مکہ معظمہ کے مقابل مدینہ منورہ میں نگرانی بہت سخت ہے۔ حرم نبوی میں یہ کتاب بلا روک ٹوک چل نکلے تو کرامت بلکہ بڑی کرامت ہے۔ خدا کے فضل سے ایسا ہی ہوا۔ ہم نے تقسیم شروع کی تو ابتدا میں لوگ جھجکے لیکن جلد اطمینان ہوگیا۔ اور حرم نبوی میں اس کا ورد شروع ہوگیا شیخ الدلائل جو دلائل الخیرات کی اجازت دیتے ہیں۔ حضرت ممدوح نے بھی

فصل۹ اس مجموعہ کو از حد پسند فرمایا۔ اور اجازت حاصل کی۔ حرمین شریفین میں بعض حجاج نے بیعت کے طریق پر اس ناچیز سے اس کے ورد کی اجازتیں حاصل کیں۔ ہرچند عرض کیا کہ اجازت عام ہے۔ خاص کی ضرورت نہیں۔ تاہم بہت اصرار ہوا تو فرمائش کی تعمیل کر دی۔ ورنہ میری کیا حقیقت کہ اجازت دوں۔ ع

ایاز قدرِ خویش بشناس

حرم نبوی میں جب بعض دیوانے ہاتھ پکڑ کر مواجہ شریف میں لیجاتے اور اجازت چاہتے تو دل بے قابو ہو جاتے تھے۔ الحمد للہ کہ لوگ اپنے سامنے اس کو حرمین شریفین میں ورد کرتے تھے۔ عرب حجاج کا اندازہ ہے کہ اسلامی ممالک میں اس کا ورد بہت پھیل جائے گا یہ بہت مقبول ہوگی۔ ان شاء اللہ وما توفیقنا الا باللہ۔

جس زمانہ میں مشکوٰۃ الصلوات تالیف ہو رہی تھی۔ دل کی عجب حالت رہتی تھی۔ بفضلہ تعالیٰ تکمیل کو پہنچی۔ تو عجیب حال ہوا۔ مقصود و مدعا یہی تھا کہ قبول ہو جائے۔ واللہ اعلم کیا بشارت تھی کہ گویا حضرت خاتم النبیین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل فرمایا۔ اور غسل شریف کا پانی یک جا محفوظ رکھا گیا تو ایک غلام کو اس سے غسل کرنے کا شرف عطا ہوا۔ اور غلامی دیکھئے تو کیسی ادنیٰ۔ ع

غلام غلامانِ آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

(۱۱) شیخ الاغوات | ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ بشارت کی بشارت اور تصدیق کی تصدیق۔

خدام حرم میں اغوات بہت مقدم مانے جاتے ہیں کہ ان کو بہ سبیل خدمت جالی مبارک کے اندر معمولاً داخل ہونے کا شرف حاصل ہے۔ جب یہ

جالی مبارک کے اندر غلاف شریف سے لگے لگے پھرتے ہیں تو اچھے اچھے باہر کھڑے رشک کرتے ہیں۔ ان ہی کے توسل سے خاص خاص تبرکات حاصل ہوتے ہیں۔ ترکی عہد میں تو ان کے تمول واعزاز کا کیا کہنا۔ تاہم اب بھی حُبِ رسولؐ کے سہارے صبر وشکر سے بسر کر رہے ہیں۔ کچھ نہ کچھ پرانی آن بان رکھتے ہیں۔ فصل ۵

حضرت آغا عبداللطیف صاحب مدت سے شیخ الاغوات ہیں۔ روضۂ اقدس پر ان کی مستقل حاضری نصف صدی سے متجاوز ہے۔ اس لحاظ سے ان کا خاص احترام ہوتا ہے۔ عمر بہت ہوگئی ضعیف ہیں۔ اب روزانہ حاضری کی طاقت نہیں رہی۔ جمعہ کے جمعہ نماز میں حاضر ہوتے ہیں۔ کچھ دیر حاضر رہتے ہیں۔ رخصت ہو جاتے ہیں۔ کچھ جذب سا رہتا ہے۔ دوسروں کی بات تکلف سے سنتے ہیں۔ بیشتر خاموش رہتے ہیں۔ لیکن کبھی کبھی گفتگو کرتے ہیں تو خوب شد و مد سے کرتے ہیں۔

چنانچہ ایک روز کا ذکر ہے کہ خلاف معمول حضرت آغا عبداللطیف بعد نماز عصر اصحاب صفہ کے چبوترے پر اپنی جگہ محو سے خموش بیٹھے تھے۔ قریب ہی حضرت ملا صاحب شور بازار کی اور ہماری باتیں آہستہ آہستہ چل رہی تھیں کہ یکایک آغا صاحب چونکے اور ملا صاحب سے دریافت کیا کہ آپ جن سے باتیں کر رہے ہیں یہ کون ہیں۔ ملا صاحب نے فرمایا کہ یہ ایک ہندی حاجی ہیں۔ اپنے ملاقاتی ہیں۔ یہ سُن کر آغا صاحب میری طرف متوجہ ہوئے اور جہاد کی ضرورت اور شہادت کی عظمت پر ایک پُرجوش تقریر شروع کر دی کیفیت یہ تھی کہ فرماتے فرماتے خموش ہو جاتے۔ ہم سمجھتے کہ سلسلہ ختم ہو گیا۔ پھر جوش میں آتے اور سلسلہ شروع کر دیتے۔ کافی وقت تک یہ کیفیت رہی کہ

فصل ۹ رہ رہ کر جوش آتا تھا۔ خلاصہ یہ تھا کہ جہاد رکن اسلام ہے۔ اس کے واسطے ہمکو تیار رہنا چاہیے۔ یہ تقریر کسی سابقہ بشارت کی کامل تصدیق تھی۔ میری عقل حیران تھی کہ یہ کیسے صاحب باطن ہیں۔ دل کی بات زبان پر لا رہے ہیں۔

(۱۲) عجب بشارت

ایک سال قبل کا ذکر ہے کہ ایک بڑی مفصل بشارت ہوئی تھی۔ اس کا ایک اہم جزو مختصراً یہ تھا کہ مدینہ منورہ سے دو سوار پہنچے کہ بارگاہ اقدس میں تمہاری طلبی ہوئی ہے۔ ہمارے ساتھ چلو۔ عن قریب ایک بڑا جہاد ہوا چاہتا ہے۔ اس میں تمہاری شرکت بھی ضرور ہے۔ چنانچہ میں خوشی خوشی ساتھ ہو لیا۔ عجب طریق سے حاضر ہوا۔ شرف عطبہ بوسی حاصل ہوا۔ بہت اظہار خوشنودی ہوا۔ سرفرازی ہوئی۔ شب کا وقت تھا۔ اول وقت کھانے پینے اور آرام لینے میں بسر ہوا اس کے بعد کچھ عبادت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ڈھلتی رات جہاد کا سماں بندھا۔ خوب چاندنی کھلی ہوئی تھی۔ ریگستان تھا۔ ریتی چمک رہی تھی۔ چاروں طرف پہاڑوں کا سلسلہ تھا۔ اسلامی فوجوں نے پرے جمائے۔ سب پیدل تھے۔ سفید لباس تھا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوج کو خود کمان فرما رہے تھے۔ اس غلام کو حکم ہوا کہ پشت مبارک کی جانب بالکل قریب رہے۔ ادھر یہ انتظامات ہوئے کہ ادھر پہاڑوں کے دروں سے ایک سیہ فام بدصورت قوم برآمد ہوئی۔ مگر بہت خونخوار نظر آتی تھی۔ تلواریں نکل آئیں اور چلنی شروع ہوئیں۔ خوب گھمسان کا معرکہ تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار مبارک میں عجب معجزہ نظر آیا کہ دست مبارک میں دیکھو تو وہی معمولی طول و عرض۔ مگر جب چلے تو کھنچ کر کہیں سے کہیں پہنچے اور دور دور آگے تک صفایا کر دے۔ بجلی سی تڑپ رہی تھی۔ مسلمان بھی

شہید ہوئے مگر کفار کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ اور میدان مسلمانوں کے فصل ۵
ہاتھ رہا۔ اس غلام کی تلوار نے بھی کچھ کمی نہیں کی۔ خوب فرض غلامی ادا کیا۔
پشت مبارک کی طرف سے جو کفار بڑھنا چاہتے۔ منہ کی کھاتے اور جہنم جاتے۔
لیکن بالآخر اپنے پر بھی کسی کافر کی ضرب کاری پڑی اور شہادت نصیب ہوئی
فی الفور تو زخم کی تکلیف کافی محسوس ہوئی لیکن اس عالم سے رخصت ہونے
کے بعد راحت ہی راحت تھی۔ اور رخصت ہونا بھی کیا کہیے۔ وہیں کے وہیں
سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ سن رہے تھے۔ سمجھ رہے تھے۔ صرف بولنے کی طاقت
نہ تھی۔ چنانچہ ختم جہاد پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شہدا کے
قریب تشریف لیجاتے۔ ان کو دیکھ کر تبسم فرماتے۔ اور ہاتھ پکڑ کر اٹھاتے
تو زندہ ہو کر اٹھ بیٹھتے۔ اپنے اوپر بھی یہی سرفرازی رہی۔ فتح کی خوشی
میں مجاہدین کا جلوس بڑی دھوم دھام سے چشم زدن میں مکہ معظمہ پہنچا
اور حرم شریف میں اجتماع ہوا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی
طرف سے خوب کھانا۔ کپڑا۔ زر و سیم تقسیم ہوا۔ اس غلام کو بھی بہت کچھ
انعامات عطا ہوئے۔ اور بحکم اقدس خوش و خرم گھر واپس آیا۔ غرض کہ
عجب قسم کی تفصیلی بشارت تھی۔ اور اس کا جزو اعظم جہاد تھا۔ اس سے ملتی جلتی
نصیحتیں آغا صاحب نے سنائیں۔ اور بڑی تاکید سے سنائیں تو تصدیق کا
یقین ہو گیا۔

اس تصدیق میں ایک جدید بشارت بھی شامل تھی۔ دوران گفتگو میں آغا صاحب
جوش میں آتے تو بار بار ہاتھ پکڑ پکڑ فرماتے۔ یا ولی اللہ۔ یا ولی اللہ۔
دل کہتا تھا کہ یہ تکیہ کلام تو ہے نہیں۔ عجب نہ ہو کہ بشارت ہو اور ایک قدیم
خادم حرم کی زبان سے حرم شریف میں جو یہ خطاب بیساختہ نکل رہا ہے

فصل ۵ تو اس سے مراد اس غلام کی سرفرازی ہو۔ غرض کہ یہ بھی عجب صحبت رہی ہمیشہ یاد رہے گی۔

آغا عبداللطیف صاحب سے بعد کو بھی ملاقات رہی۔ صرف جمعہ کو تشریف لاتے تھے۔ مگر پھر اس رنگ کی بات نہیں ہوئی۔ بلکہ ان کو یاد بھی دلایا تو یاد نہیں آیا۔ یوں ہی ہوں، ہاں کردی۔ ان کے نائب خلیل آغا عبدالسلام نقیب الاغوات کہلاتے ہیں۔ شیخ الاغوات تو بہت ضعیف ہیں۔ جماعت کا سب انتظام ان ہی کے ہاتھ اختیار رہے۔ اچھے عالم ہیں۔ بہت خلیق ہیں بلا ناغہ حرم شریف میں حاضر رہتے ہیں۔ اصحاب صفہ کے چبوترے پر ان کی نشست ہے۔ بالعموم اغوات اسی چبوترے پر بیٹھتے ہیں۔ اور جاننے والے جانتے ہیں کہ حرم شریف میں یہ موقع محل بھی خاص ہے۔ بالعموم تو روضۃ الجنۃ میں زائرین کا ہجوم رہتا ہے۔ لیکن بعض غلام مواجہ شریف کے بعد اسی چبوترے پر زیادہ حاضر رہتے ہیں۔

(۱۳) مولٰنا شویل

خوش عقیدہ لوگ مولٰنا محمود شویل صاحب کی بہت شکایت کرتے ہیں کہ مذہبی روک ٹوک میں ان کا بڑا ہاتھ ہے۔ اس شکایت کی اصلیت تو مسلم ہے لیکن اس میں کچھ اشتعال اور کچھ مبالغہ بھی شامل ہے۔ بعض لوگ عمداً بھی ایسے طریق اختیار کرتے ہیں کہ کچھ چلے۔ تو تو میں میں ہو۔ اپنا اپنا مذاق ہے۔ ہم سے تو بفضلہ کوئی تعرض اور مزاحمت نہیں ہوئی۔ بلکہ ہنسی خوشی میل ملاپ رہا۔ البتہ مولٰنا شویل صاحب کے نائب ایک ہندوستانی مولوی صاحب بہت دلچسپ اور عبرت آموز ہیں۔ نام کیا لکھئے۔ کام دیکھئے۔ دلچسپ تو یوں کہ وہ اپنی نسبت نیابت پر بہت نازاں معلوم ہوتے ہیں۔ حرم شریف میں

بیٹھتے ہیں تو ہمیشہ شوپل صاحب کے پہلو بہ پہلو زانو بزانو قریب قریب چسپیدہ رہتے ہیں۔ تابع مہمل کا سا ربط رکھتے ہیں۔ عبرت آموز یوں کہ حرم شریف میں امیدوار کی حیثیت سے بامید تقرر حکومت کی طرف سے وعظ کہتے ہیں۔ یہ سن کر عبرت ہوتی ہے کہ اللہ اکبر۔ یہ مقام اور یہ کلام۔ محرومی کی حد ہو گئی۔ قسمت کا لکھا ہر جگہ ساتھ ہے۔ ہندی مثل ہے۔ اتر جاؤ یا دکھن۔ وہی کرم کے لچھن۔ ایسے وعظوں کا اثر تو معلوم۔ خواہ مخواہ بد دلی پھیلتی ہے۔ بلکہ اشتعال کا اندیشہ ہوتا ہے۔ حکومت کا یہ انتظام سراسر مصلحت اور دور اندیشی کے خلاف ہے۔ خدا کرے جلد مسدود ہو جائے اور بیچارے مولوی صاحب کے واسطے بھی معاش کی کوئی اور صورت نکل آئے۔　　فصل ۵

(۱۴) مدارس و کتب خانہ　مکہ معظمہ میں تو دو بڑے مدرسے پہلے سے کام کر رہے ہیں۔ ایک مدرسۃ الفلاح اور دوسرا مدرسۂ فخریہ۔ پہلا مدرسہ تو حرم شریف سے ذرا دور ہے۔ البتہ دوسرا مدرسہ باب ابراہیم سے متصل ہے۔ قاری محمد اسحاق صاحب اس کے مہتمم ہیں۔ چندہ سے کام چلتا ہے۔ سرکار حیدرآباد سے بھی امداد ملتی ہے۔ مدینہ منورہ میں بچوں کے متعدد مدارس ہیں۔ لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم جدا جدا ہوتی ہے۔ تعلیم بھی جدید طرز کی ہے۔ عربی اور دینیات کے علاوہ تاریخ، جغرافیہ، ریاضی۔ ابتدائی سائنس۔ حتیٰ کہ بعض مدارس میں انگریزی زبان کی بھی شد بد کراتے ہیں۔ منشا یہ ہے کہ کاروبار میں اس زبان سے مدد ملے۔ مدارس تو اور بھی زیادہ کھل جاتے لیکن حکومت نے دینیات میں اپنے عقائد کا نصاب لازم کر دیا ہے۔ جو لوگ اس نصاب کو قبول کرتے ہیں۔ ان کے مدارس جاری ہیں۔ جن کو اس میں عذر ہے اُن کے مدارس بند ہو گئے۔

فصل ۵ فی الحال مولٰنا سید احمد صاحب فیض آبادی کا مدرسہ بہت ترقی پر ہے۔ حرم شریف کے قریب ہی عمدہ نئی عمارت میں واقع ہے۔ اسی سعودی حکومت میں اس کی بنا پڑی اور چند سال میں سب مدارس سے بڑھ گیا۔ یہ مدرسہ گویا دیوبند کی ایک شاخ ہے۔ چنانچہ اس تعلق کی یادگار میں مدرسہ کے سامنے لب سڑک مولسری کے پودے بھی وہاں سے لاکر نصب کئے گئے ہیں۔ کہ جو پھل وہاں آتے ہیں یہاں بھی آئیں۔ مولٰنا سید احمد صاحب۔ مولٰنا حسین احمد صاحب دیوبندی کے بڑے بھائی ہیں۔ عرصہ سے یہاں تشریف فرما ہیں۔ حکومت میں خاص اثر اور رسوخ ہے۔ مدرسہ پر بھی حکومت کی خاص عنایت ہے۔ چنانچہ مدرسہ کی زمین اور عمارت حکومت کی اعانت کا ثمرہ ہیں۔ ہندوستان سے بھی کافی چندہ ملتا ہے۔ مدرسہ میں طلبہ کی تعداد بڑھ رہی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ عمارت بھی بڑھ رہی ہے۔ اگر یہی شکل رہی تو یہ مدرسہ بہت ترقی کرے گا۔ عجب نہیں ایک مستقل تعلیم گاہ بن جائے۔ اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ علماء دیوبند میں اشاعت و تعلیم کا جو حوصلہ اور سلیقہ ہے۔ اس کی مثال ہندوستان کے دیگر علما میں کم نظر آتی ہے۔ البتہ عقائد کی بحث جدا ہے۔ یہ ایک قدیم بحث ہے۔ نئی نہیں۔ بہرحال ابتدائی تعلیم پھیل رہی ہے البتہ اعلیٰ تعلیم کا انتظام باقاعدہ کم ہے۔ اور مدارس میں بچوں کی ورزش جسمانی اور کھیل کود کا بھی کوئی انتظام نہیں ہے۔ ادھر توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔

مدینہ منورہ میں حرم شریف کے قریب ہی جانب جنوب ایک کتب خانہ بہت خوشنما پختہ عمارت میں قائم ہے۔ کتابوں کا کافی ذخیرہ ہے۔ بعض نسخے بہت نادر موجود ہیں۔ ترکوں کے عہد میں اس کتب خانہ کو بھی بہت فروغ تھا۔ اب تو بند پڑا ہے۔ برائے نام کھلتا ہے۔ چند پرانے ملازم دیکھ بھال کرتے ہیں۔ یہ بھی

فصل ۵

تنگیٔ معاش سے پریشان ہیں۔ بہرحال یہ کتب خانہ قابل حفاظت ہے۔

(۱۵) مذہبی جماعتیں

مذہبی لحاظ سے مدینہ منورہ میں چند جماعتیں نظر آتی ہیں۔ ان میں اختلافات ضرور ہیں مگر خدا کا فضل ہے کہ مخالفت کی شدت نہیں ہے۔ سب پُر امن زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور حکومت کا بھی فی الحال یہی مسلک ہے کہ مذہبی نزاعات کو طول نہو درگزر اور چشم پوشی سے کام چلے۔ ان جماعتوں میں قدرتاً دیوبندیوں کا بڑا عروج ہے۔ حکومت سے گہرا ربط ضبط ہے۔ شیر شکر کا معاملہ ہے۔ مولٰنا سید احمد صاحب سرگروہ ہیں۔ ان کے مقابل لکھنوی جماعت ہے۔ اس کی حکومت سے خاصی چشمک ہے۔ وہی عقائد کا قصہ ہے۔ چنانچہ اسی کشمکش میں مولٰنا عبدالباقی صاحب کا مدرسہ بھی بند ہوگیا۔ اس مدرسہ کو سرکار نظام سے کافی امداد ملتی تھی۔ وہ امداد اب بھی جاری ہے۔ مولوی صاحب مکان پر چند طالب علموں کو خود دینیات کی اعلیٰ تعلیم دیتے ہیں۔ چونکہ اعلیٰ تعلیم کا باقاعدہ انتظام کم ہے۔ یہ صورت بھی غنیمت ہے۔ اور اس ضعف پیری میں مولوی صاحب کی کوشش قابل داد ہے۔

علیٰ ہذا فقراکی بھی دو جماعتیں زیادہ نمایاں ہیں۔ ایک تو قادری۔ دوسری نقشبندی مجددی مولٰنا ضیاء الدین صاحب پہلی جماعت میں بہت مشہور ہیں حسن خلق کی برکت سے مدینہ منورہ کے خاص وعام سب طبقوں میں ہر دلعزیز ہیں۔ حتیٰ کہ حکومت بھی اختلاف کے باوجود ان کا لحاظ کرتی ہے۔ اور ان کے ساتھ حسن سلوک ملحوظ رکھتی ہے۔ اسی سے اندازہ ہوتا ہے کہ حکومت کس حد تک رواداری کے واسطے آمادہ ہے۔ مولٰنا علی حسین صاحب مجددی جماعت کے سرخیل ہیں۔ نوجوان ہیں۔ مگر ذی علم ہیں۔ حوصلہ مند ہیں۔ البتہ طبیعت میں

فصل ۵ سخت گیری زیادہ ہے۔ حتیٰ کہ احباب کو بھی شکوہ ہوتا ہے۔ حکومت سے کچھ اندرونی ان بن ہو تو ہو۔ لیکن بظاہر کوئی تصادم نہیں ہے۔ تاہم میل جول اور آمدورفت کم ہے۔ گوشہ نشینی سی اختیار کر لی ہے۔

(۱۶) مدنی خاندان مدینہ منورہ میں یوں تو بہت سے قدیم خاندان گزر گئے۔ حتیٰ کہ انصاریوں کے خاندان میں اب دوچار لوگ نظر آتے ہیں۔ پھر بھی چند خاندان شرافت و نجابت کی یادگار ہیں۔ حضرت سید عبد الجلیل صاحب۔ سید زین العابدین صاحب۔ اور ان کے بھائی۔ یہ صاحبان حضرت خواجہ نقشبند رضی اللہ عنہ کی اولاد ہیں۔ کئی صدی سے مدینہ منورہ میں آباد ہیں۔ ہمیشہ سے معزز اور محترم ہیں۔ بفضلہ اب بھی کچھ آن بان سنبھالے ہوئے ہیں۔ ایک خاندان حضرت برزنجی رضی اللہ عنہ کا ہے۔ اس کے بھی اکثر رکن عزت و آبرو سے بسر کر رہے ہیں۔ حضرت سید حسین برزنجی صاحب بہت خلیق اور ملنسار ہیں۔ رفاعی خاندان کو بھی خاص امتیاز حاصل ہے۔ حضرت سید حمزہ رفاعی صاحب قدیم مشائخ کی یادگار ہیں۔ ترکی عہد میں حضرت کو بڑا رسوخ حاصل تھا۔ اب بھی عمائدین شہر میں ممتاز ہیں۔

(۱۷) مدنی احباب قدیم خاندانوں کے سوا جدید مہاجرین کو لیجئے تو مولانا ضیاء الدین قادری صاحب بہت مشہور و مقبول ہیں۔ عام و خاص سب سے رفاقت اور محبت ہے۔ موافق بہت اور مخالف کم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ ایک ماہ ان کے ہاں قیام رہا۔ اور گھر کا سا آرام رہا۔ لیکن جو چاہے جا کر دیکھ لے۔ گھر ایک مہمان خانہ معلوم ہوتا ہے۔ صبح سے رات تک دو آتے ہیں۔ دو جاتے ہیں۔ جو وقت پر

آتے ہیں وہ کھانا بھی کھاتے ہیں۔ پھر کوئی مستقل آمدنی نہیں۔ سراسر توکل پر مدار ہے۔ اچھا کھانا۔ اچھا پہننا۔ اچھا مکان۔ اچھا سامان۔ عجب خیر و برکت ہے نسبت قادری کا فیضان ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے۔ حسن اتفاق سے امسال مولنٰا عبدالعلیم صاحب صدیقی میرٹھی بھی حج و زیارت کو تشریف لائے تھے۔ مکہ معظمہ میں ملاقات رہی۔ پھر مدینہ منورہ میں مولنٰا ضیاء الدین صاحب کے مکان پر ایک ہی جا قیام رہا۔ خوب رنگ چڑھا ہوا ہے۔ سر سے پیر تک مشائخ بن گئے ہیں۔ مگر نام کے مشائخ نہیں۔ کام کے مشائخ ہیں۔ تبلیغ دین کے واسطے اپنی زندگی وقف کر دی ہے۔ اور دور دور تک دورہ کرتے ہیں۔ جاوا اور ماریشس میں خاص کر ان کے بہت معتقد اور مرید ہیں۔ وہاں عیسائی مشنریوں سے بھی خوب مقابلے اور مناظرے رہتے ہیں زبان عربی اور علوم دینی میں تو خاصی دستگاہ ہے۔ اس کے سوا کالج کی تعلیم میں علوم جدیدہ اور انگریزی سے بھی کافی واقفیت حاصل ہو گئی تھی۔ مخالفین کے واسطے بخوبی مسلح ہیں۔ خوبصورت۔ خوب سیرت اور خوش آواز۔ خوش مذاق۔ خاص دلکشی رکھتے ہیں۔ بہت مقبول واعظ ہیں۔ چنانچہ مدینہ منورہ میں خوب وعظ ہوئے۔ خوب دعوتیں ہوئیں۔ مولوی صاحب خوب خوش رہے۔ کثرت مشاغل اور قلت ورزش کی وجہ سے البتہ عمر کے مدنظر صحت زیادہ کمزور ہو گئی ہے۔ اطبا نے آرام کا مشورہ دیا ہے۔ اور مولوی صاحب نے بھی تہیہ کیا ہے۔ لیکن وعظ اور دعوت یہ دو مشغلے طبیعت ثانی ہو گئے ہیں۔ ان سے آرام ملنا بہت مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ صحت بحال کر دے اور کار دینی میں برکت دے۔ آمین۔

مولنٰا ضیاء الدین۔ مولنٰا صدیقی اور بعض احباب۔ شب کو بالائی منزل پر

فصل ۵

صحبت گرم ہوتی تھی۔ مولنا صدیقی کی پُرکیف نعت خوانی۔ اور رفیقوں کی حالت وجدانی۔ بالائی منزل پر یہ کیفیت رہتی اور ہم ان کے تحت دوسری منزل پر اپنے کمرہ میں حصہ رسد لطف حاصل کر لیتے۔ چونکہ رفاقت حوصلہ طلب تھی اور زیادہ بیداری کی استطاعت نہ تھی۔ سنتے سنتے سو گئے۔ رات ڈھلی اُٹھے۔ حرم شریف کی راہ لی ۔ فصل ۵

حاجی عبد الغنی صاحب بہت ممتاز اور مخیر تاجر ہیں۔ چند سال قبل آکر مختصر پیمانہ پر چاول اور غلہ کی تجارت شروع کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے تجارت میں برکت دی۔ اب ان کی دکان کاروبار کا خاصا مرکز بنی ہوئی ہے۔ سیٹھ صاحب بہت نیک مزاج ہیں۔ کار خیر میں ہمیشہ حصہ لیتے ہیں۔ چنانچہ اسی سال اپنے اہتمام سے اچھے پیمانہ پر ایک یتیم خانہ جاری کیا ہے۔ امید کہ مقبول ہوگا۔ مولنا ضیاء الدین صاحب اور حاجی عبد الغنی صاحب کے احباب میں علی کابلی صاحب بھی بڑے مخلص اور کارگزار دوست ہیں۔ دعوت اور جلسوں کے انتظام کا خاص شوق اور خاص سلیقہ ہے۔ ایسے موقعوں پر بہت کام آتے ہیں۔ یوں بھی ماشاء اللہ خاندانی ہیں۔ حسن خلق کی بدولت ہر دلعزیز ہیں۔ ایک رفیق قاسم سیٹھ بھی ہیں۔ یہ بھی اپنی جماعت کے اچھے معین اور مشیر ہیں۔

کام کے دوستوں میں داروغہ حافظ سید عبد الغفور صاحب۔ حاجی قمر الدین صاحب اور شیخ احمد رجب مجلد صاحب بھی شکریہ کے مستحق ہیں۔ ہر ایک نے کام کاج میں اخلاص و محبت کا پورا حق ادا کیا۔ حافظ عبد الغفور صاحب تو حضور نظام خلد اللہ ملکہٗ کی طرف سے مامور ہیں۔ حفاظ جو حرم شریف میں خاندان آصفیہ کی طرف سے قرآن خوانی کرتے ہیں۔ ان کی نگرانی ان کے ذمہ ہے حیدرآباد کے مکان بیت حسین بی میں ان کا قیام ہے۔ دیکھنے کو بوڑھے اور

بھولے ہیں۔ لیکن کام میں بہت مستعد اور سمجھدار ہیں۔ ہر طرح معتبر دیانت دار ہیں فصل ۹
باتیں بہت دلچسپ کرتے ہیں۔ خاص کر حافظ صاحب کی طبعزاد عربی سننے
کے قابل ہے۔ انہی خوبیوں کے بدولت ہم ان کو اکثر ساتھ رکھتے تھے خاصکر
بازار کو ہل کر ساتھ جاتے تھے۔ صورت اور سیرت کی مناسبت سے ہم نے خواجہ خضر
لقب دیا تھا۔ حافظ صاحب دل سے تو لقب پسند کرتے لیکن زبان سے منع
کرتے تھے۔

حاجی قمر الدین صاحب بھی اپنے خاص دوست ہیں۔ حرم شریف میں
بواب ہیں۔ اول باب جبریل پر نشست تھی۔ اب باب النسا پر قیام ہے۔ یہ بھی
بہت کام کے آدمی ہیں۔ سمجھدار اور امانت دار ہیں۔ حضرت قبلہ والد
علیہ الرحمہ کی طرف سے معمولاً ایک سو روٹی اور دس سیر خرمے مساکین
کو تقسیم ہوتے تھے۔ احباب کی طرف سے بھی حرم شریف میں نیازیں ہوتی تھیں
عشرہ محرم کو باب النسا پر دودھ کی سبیل لگی۔ یہ سب اہتمام قمر الدین صاحب
ہی کے سپرد تھا۔ اور سب کام حسن وخوبی سے ہوتا رہا مجھے ہر طرح کا اطمینان
رہا۔ سہولت رہی۔

شیخ احمد رجب مجلد بھی بہت مخلص دوست ہیں۔ دیکھنے کو تو غریب مگر
دل کے غنی ہیں۔ غیور ہیں۔ لالچ اور طمع سے دور ہیں۔ کام کاج میں سمجھدار
ہیں اور مستعد۔ چونکہ اسلامی ممالک کا سفر کر چکے ہیں اور ہندوستان بھی
دیکھا ہے۔ کافی تجربہ کار ہیں اور بخوبی اردو سے واقف ہیں۔ حارۃ الاغوات
میں ان کا مکان ہے۔ حاجی قمر الدین صاحب سے بھی پتہ چل سکتا ہے۔ بہت
کام کے آدمی ہیں۔

(۱۸) معلم وکیل عام دستور کے مطابق حجاج وزائرین کا رب

فصل۵ کام کاج معلم وکیل اوران کے ملازموں کی معرفت انجام پاتا ہے۔ اگر حجاج دوسروں سے مدد لیں۔ یا مشورہ کریں توان کو بہت ناگوار گزرتا ہے۔ لیکن عام تجربہ یہ ہے کہ ان لوگوں سے کام لینے میں اکثر مالی نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اپنے آپ کو مختار مجاز سمجھ کر مناسب سے زیادہ حصہ نکالتے ہیں کچھ کہئے تو بے لطفی ہوتی ہے۔ اس لئے جو حاجی سمجھ دار اور تجربہ کار ہوتے ہیں وہ دیگر معتبر لوگوں کو بھی شریک کار رکھتے ہیں۔ اس طریق سے کچھ امن ملتا ہے۔ مگر جو مزاحمت پیش آتی ہے۔ اُسے رفع کرنے کو خاص حکمت درکار ہے۔ معلم اور وکیل کے دائرے سے باہر قدم رکھنا کچھ آسان کام نہیں ہے۔ خاص کر ناواقف کے واسطے بہت مشکل ہے۔ کوئی مقامی رفیق شفیق مل جائے تو دوسری بات ہے۔ تاہم ان لوگوں کی حق تلفی بھی کسی طرح درست نہیں ہے ان کے مقررہ حقوق ضرور فراخ دلی سے ادا کرنے چاہئیں۔ یہی ان کا ذریعہ معاش ہے۔

مکہ معظمہ کے واسطے معلم کے انتخاب میں حجاج کو بہت آزادی مل گئی ہے منظورہ معلموں میں سے جو چاہیں جس کو مقرر کر لیں۔ البتہ احاطہ مدراس کے واسطے۔ صوبۂ بہار کے واسطے اور میمنوں کے واسطے اب بھی معلم مخصوص ہیں۔ تاہم یہ حاجی بھی چاہیں تو اپنے مخصوص معلموں کے قانونی حقوق ادا کر کے جُدا ہو جائیں۔ اور جس معلم کو چاہیں معاملہ کر کے کام لیں۔ البتہ مدینہ منورہ میں اب بھی وکیل مقام مقام کے واسطے سرکاری طور پر مقرر ہیں۔ حاجی کو حق انتخاب حاصل نہیں ہے چنانچہ صوبہ بہار اور ریاست حیدرآباد ہمارے وکیل ابوسعود اور ان کے بھائی عبداللہ کے علاقے ہیں۔ صوبہ پنجاب ان کے چچازاد بھائی شیخ علی تن کا علاقہ ہے۔ اسی طرح ہندوستان کے دوسرے

حصے وکیلوں میں تقسیم ہیں۔ فصل ۵

میں تو حیدرآبادی حجاج میں شامل تھا۔ لیکن جب پتہ چلا کہ میرا آبائی وطن بلندشہر ہے تو اس علاقہ کے وکیل صاحب پہنچے کہ آپ تو ہمارے حاجی ہیں۔ ابوسعود کا آپ سے کیا تعلق ہے۔ میں نے انھیں سمجھایا کہ میرا آبائی وطن بیشک بلندشہر ہے لیکن ستر سال سے ہمارے خاندان کا حیدرآباد سے تعلق ہے۔ اور ہم لوگ وہاں کی رعایا شمار ہوتے ہیں۔ اور میں نے تو وہاں مکان بھی بنا لیا ہے تو ہم حیدرآباد سے کس طرح الگ ہوسکتے ہیں۔ رہا وطن کا اعتراض سو حیدرآباد میں جتنے معزز مسلمان خاندان ہیں سب باہر سے آئے ہیں، اکثر شمالی ہندوستان میں قدیم وطن رکھتے ہیں۔ حتیٰ کہ خود اعلیحضرت شاہ دکن خلد اللہ ملکہٗ دہلوی ہیں۔ پائیگاہ کے امرا فریدی ہونے کی حیثیت سے پاک پٹنی ہیں۔ اگر قدیم وطن کی شرط لگائی جائے تو بمشکل کوئی حاجی حیدرآبادی ثابت ہوسکے گا۔ لہٰذا یہ اعتراض اتنا وسیع نہیں ہوسکتا۔ البتہ اگر حیدرآباد کے نو واردوں پر کیا جائے تو شاید کسی حد تک درست ہو۔ اول تو وکیل صاحب نہ مانے۔ ادھر ادھر دوادوش کی کہ فیصلہ ان کے موافق ہو جائے لیکن جب اعتراض منظور نہ ہوسکا اور ناکامی ہوئی تو ٹھنڈے پڑے۔ ان کے اعتراض پر تو مجھے اعتراض تھا۔ لیکن شروع ہی سے میں نے یہ نیت کرلی تھی کہ جب ہمارے وطن سے ان کا تعلق ہے تو ان کی خدمت بھی ضرور کردونگا چنانچہ وہ تو مایوس ہوکر بیٹھ رہے لیکن چلنے سے قبل میں نے ان کو پھر بلایا پھر سمجھایا۔ تو سب کے سامنے قائل ہوگئے۔ اس کے بعد خلاف توقع انکو کافی نذر ملی تو اور بھی خوش ہوگئے۔ دعائیں دیں۔

(۱۹) خیر خیرات

خیر خیرات اور رقموں کی تقسیم حرمین شریفین میں

فصل ۵ ایک خاص مرحلہ ہے۔ یہ کام ایسا آسان نہیں ہے جیسا کہ معلوم ہوتا ہے۔ البتہ کوئی یوں ہی رقم لٹانا چاہے۔ اور مستحق غیر مستحق میں امتیاز نہ کرے تو دوسری بات ہے۔ رستہ چلتے رقم پھینکدے۔ واقعہ یہ ہے کہ مستحقین کے ساتھ بہت سے غیر مستحق بھی مل جاتے ہیں۔ مستحقین سے زیادہ حق جتاتے ہیں اور خیر خیرات پاتے ہیں۔ شریف مستحقین تو شرم وحیا سے اپنا منہ چھپاتے ہیں۔ مانگنے کا حرف تک زبان پر نہیں لاتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کا قرآن کریم میں ذکر ہے کہ بظاہر خوشحال نظر آتے ہیں۔ لیکن درحقیقت حاجت مند ہوتے ہیں۔ کسی سے لگ لپٹ کر نہیں مانگتے۔ لیکن تاڑ جاتے ہیں تاڑنے والے کہ یہ درحقیقت مسکین ہیں۔ ایسے غیرت مند مسکینوں کی امداد مانگنے والوں پر مقدم ہے۔ ان کو تلاش کرکے دینے کا حکم ہے۔ اور عقل سلیم کا بھی یہی فتویٰ ہے۔ نووارد حاجی کو اصلیت کا پتہ چلانا مشکل ہے اس لئے واقف کار اور دیانت دار مقامی مشیروں کی ضرورت ہے۔ کہ تقسیم میں رہنمائی کریں۔ یہ تو ممکن نہیں اور اتنی چھان بین کی ضرورت بھی نہیں کہ اعلیٰ مستحقین کے سوا کسی کو کچھ نہ ملے۔ تھوڑا بہت غیر مستحقین کو بھی ملے گا۔ اور ملنے میں مضائقہ نہیں۔ البتہ اگر تقسیم مفت کی لوٹ بن جائے تو اچھا نہیں۔

(۲۰) اپنی تقسیم کی کیفیت

ہم کو بھی یہ مرحلہ پیش آیا۔ ایک ہزار روپیہ کی وصیت تو خود حضرت قبلہ والد علیہ الرحمۃ نے مدینہ منورہ کے واسطے فرمائی تھی۔ تقریباً پندرہ سو کی رقم چند احباب نے خیر خیرات کے واسطے اور ساتھ کر دی۔ اس طرح ڈھائی ہزار کی تقسیم اپنے ذمے آئی۔ ان میں سے پانسو روپے مکہ معظمہ میں کام آئے۔ وہ اس طرح کہ دو دو سو (۲۰۰، ۲۰۰) روپے خرچ دے کر دو حج بدل

کرائے گئے۔ احباب کے دو مرحوم عزیزوں کی وصیت تھی۔ لیکن رقم میں اتنی گنجایش نہ تھی کہ بطریق اولی دو حاجی وطن سے حج بدل کے واسطے روانہ کئے جاتے۔ اس لئے جہاز پر دو حاجیوں کا انتخاب کیا گیا۔ ان میں ایک مکی تھے۔ دوسرے مدنی۔ کئی کئی حج کر چکے تھے۔ حج بدل فرض کے واسطے بدرجۂ اوّل اس درجہ لازم ہے کہ آمر کے میقات سے مامور حج کا احرام باندھے۔ اگر آمر کے میقات سے حج کا احرام نہ باندھے تو حج بدل فرض ادا نہ ہو سکے گا۔ یہ جو دستور ہے کہ بعض لوگ مکہ معظمہ میں لوگوں کو چند روپے دے کر حج بدل کرا لیتے ہیں۔ اس سے حج فرض ادا نہیں ہوتا۔ البتہ اس طرح حج نفل کرا سکتے ہیں۔ اس میں مضائقہ نہیں۔ جب آمر کے میقات سے حج کا احرام لازم ہوا تو مامور لامحالہ قران کی نیت کرے گا۔ تمتع کی نیت نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ تمتع میں میقات پر عمرہ کا احرام باندھتے ہیں۔ پھر حلال ہو کر حج کا احرام دوبارہ مکہ معظمہ سے باندھا جاتا ہے۔ البتہ قران میں حج و عمرہ کا ایک ہی احرام میقات سے بندھتا ہے۔ چنانچہ دونوں حاجیوں نے جہاز پر حج بدل کے واسطے ہندوستان کے میقات یلملم پر قران کی نیت سے حج بدل کا احرام باندھا۔ حساب لگانے پر کل اخراجات کا تخمینہ دو۔ دو سو روپیہ ہوا۔ چنانچہ نصف رقم ان کو جہاز پر دے دی گئی۔ اور نصف مکہ معظمہ پہنچ کر۔ اس طرح چار سو روپے میں دو حج بدل انجام پائے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ سو روپے مکہ معظمہ میں ناداروں کی امداد میں صرف ہوئے۔ مدینہ منورہ پہنچے۔ تو دو ہزار روپے خیر خیرات کی مد میں باقی تھے۔ اس کے سوا کچھ رقم اپنی بھی ساتھ تھی۔	فصل ۵

حضرت قبلہ والد صاحب کی رقم کا حساب الگ تھا۔ دوسری رقموں کا الگ

خاص خاص نیاز و نذر کی جو فرمائشات تھیں ان کا اہتمام الگ تھا۔ اور عام نیر خیرات الگ۔ غرض کہ اچھا مشغلہ رہا۔ خاص مدات حسب ذیل رہیں:۔

مولٰنا ضیاء الدین۔ حاجی عبدالغنی۔ حاجی علی کابلی۔ یہی اپنے خاص دوست تھے جو خاص کاموں میں مدد دیتے تھے۔ یوں دوسرے احباب بھی ہاتھ بٹاتے تھے۔ چنانچہ قرار پایا کہ مساکین کی ایک دعوت ہو۔ اور اچھے پیمانہ پر ہو۔ اس میں کچھ مدینہ کے شرفا اور معززین بھی مدعو کئے جائیں۔ چنانچہ ایک دوست نے اپنا وسیع مکان اپنی محبت سے دے دیا۔ اور مکان بھی کچھ پرانا اور ویران نہیں بلکہ آباد۔ صاف ستھرا۔ مدینہ میں جو کھانے پسند کئے جاتے ہیں۔ حاجی عبداللہ صاحب نے خوب اہتمام سے تیار کئے۔ حاجی عبداللہ صاحب کہنے کو تو بہت ماہر باورچی ہیں۔ مگر بزرگ زادے ہیں۔ مجددی سلسلہ سے وابستہ ہیں۔ اپنے کام میں دیانت اور مہارت کے واسطے مشہور ہیں۔ اور پھر ہمارے ساتھ تو محبت کا بھی تعلق تھا۔ ماشاء اللہ وہ کھانے تیار کئے کہ اہل مدینہ نے داد دی۔ پانسو مہمانوں کا اندازہ تھا۔ لیکن کھانے میں وہ برکت رہی کہ کئی سو کا اضافہ ہو گیا۔ اور کسی چیز میں کمی نہیں ہوئی۔ اس دعوت میں بعض ایسے بزرگوں نے شرکت فرمائی جو بالعموم دعوتوں میں بہت کم شریک ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فضل تھا۔

اس موقع پر ایک لطیفہ ہوا۔ اپنی وضع تو خاص تھی۔ خاکی پاجامہ۔ خاکی قمیص۔ نیچے بنیان اوپر واسکٹ۔ سر پر دوپٹہ۔ پیر میں گرگابی جوتہ۔ جراب ندارد۔ ہاتھ میں مرزاپوری سوٹا۔ قد قدرتاً بلند۔ بدن بھی ورزشی۔ پھر سرحدی سلیمانی ہونے میں کیا شک۔ البتہ ہمارے رفیق حضرت بغدادی صاحب ماشاء اللہ شاندار مشائخ ٹھہرے۔ ہماری طرف سے وہی مہمانوں کا خیر مقدم

فصل ۵

قرار ہے تھے۔ بعض لوگ جو ہمارے نام سے واقف تھے۔ اور صورت سے ناواقف انھوں نے بلا تامل حضرت بغدادی صاحب کو حضرت الفاضل علامہ الیاس برنی قرار دے دیا ہم بے حدی ملازم یا مرید قرار پائے۔ کچھ دیر حضرت نے اس لطیفہ سے لطف اٹھایا۔ پھر ہم کو بلا کر ملایا تو لوگ متعجب ہوئے کہ یہ نام۔ یہ کام۔ اور یہ حلیہ جیسے کوئی نرا سپاہی ہو۔

مدینہ منورہ میں بدو اور تکرد نی لوگ بہت غریب و ناوار ہیں۔ دعوت کے موقع پر ان کے واسطے بھی علیحدہ انتظام کیا گیا۔ دکانوں پر خمیری روٹی تیار ہوتی ہے۔ ہلکی بھاری۔ ادنیٰ اعلیٰ سب طرح کی ملتی ہے۔ عمدہ روٹی اوسطاً ایک کافی ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ کھجوریں بھی دی جائے تو کیا کہنا۔ چنانچہ دوپہر تک دعوت ختم ہوئی تو سہ پہر میں روٹی کھجور کی تقسیم شروع ہوگئی۔ ہزار بارہ سو حصے تقسیم ہوئے۔ غریبوں کا خوب ہجوم تھا۔ حکومت کی طرف سے پولیس کا انتظام تھا۔ شام تک سب کام بخیر و خوبی انجام کو پہنچا۔ اللہ تعالیٰ کا فضل تھا۔ احباب کے تعاون سے ایسی سہولت اور ایسی کفایت رہی کہ وطن میں بھی میسر آنی مشکل تھی۔

ایک دوست کے صاف ستھرے آراستہ مکان میں ایک شب میلاد شریف کا جلسہ ہوا۔ خاص خاص احباب جمع تھے۔ قصیدہ بردہ پڑھا گیا۔ برزنجی شریف پڑھی گئی۔ لطف یہ کہ خود مدینہ کے برزنجی حضرات نے پڑھی۔ پھر اردو فارسی میں نعت خوانی ہوئی۔ بہت فیضان معلوم ہوتا تھا۔ اعلیٰ پیمانہ پر چا، کا انتظام تھا۔ فاتحہ ہوئی۔ تبرک تقسیم ہوا۔ یہ بھی عمدہ قسم کی کھجوریں تھیں۔

مدینہ منورہ میں محرم شریف کا مہینہ آیا مواجہ شریف ہو یا حضرت خاتون جنت کا مزار۔ حاضر ہوجیئے تو دل خون ہوتا تھا۔ کن گو دوں میں حضرت

فصل ۵ حضرت امام حسینؑ پرورش پائیں۔ اور کس خاک پر شہید ہوں۔ کوثر والے کا دلبر دنیا سے یوں پیاسا جائے۔ مدینہ کا قافلہ کربلا میں لٹ جائے۔ پھر جنبش نہ ہونے پائے۔ دل والوں کو استقامت کا سبق مل جائے۔ علم والوں کو عبدیت کی شان نظر آئے۔ حسینؑ کی محبت کہیں سے کہیں پہنچائے۔ المختصر ادھر محرم شروع ہوا۔ ادھر حضوری کی کیفیت کچھ اور ہوگئی۔ ۷ محرم کو کھجور کے کئی ٹوکرے منگائے۔ حرم شریف میں بیٹھ کر فاتحہ دی۔ باب النساء پر تبرک تقسیم ہوا۔ چھوٹے بڑے ہاتھوں ہاتھ لے گئے۔ عشرہ محرم کو پھر حرم شریف میں باب النسا پر سبیل لگی۔ دیگ بھر دودھ کا شربت تیار ہوا۔ ذرا سی دیر تھی تو زعفران پیس کر ملا دیا۔ نام حسینؑ پر لوگ ٹوٹ پڑے۔ دیکھتے دیکھتے شربت ختم ہوگیا۔ لوگ حکومت کی کیا کیا شکایت کرتے ہیں۔ ہم کو تو کسی نے روکا نہ ٹوکا۔ ایمان و عقیدت کے کام حرم شریف میں کرتے رہے۔ حکومت کے حق میں بھی دعا کرتے رہے۔ اور کرتے ہیں۔

یوں تو ایصال ثواب کے لئے کوئی دن تاریخ اور کوئی طور طریق معین نہیں۔ تاہم ہر کام کا ایک موقع اور سلیقہ ہوتا ہے۔ اگر اس کو لازم نہ سمجھا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ باقی نہیں رہتا۔ ۱۲ محرم کو حلیم پر سید الشہدا کی فاتحہ ہوئی۔ مدینہ منورہ کا ہریسہ مشہور ہے۔ اسی طرح یہاں حلیم بھی بہت عمدہ پکاتے ہیں۔ ماہر پکانے والے مقرر ہوئے۔ ہماری قیام گاہ پر یعنی مولٰنا ضیاء الدین کے مکان پر شب بھر حلیم پکا۔ صبح کو تیار ہوا۔ غلہ کے ساتھ میوہ ملا دیا۔ خوب لذیذ تھا۔ سب نے بہت پسند کیا۔ کچھ احباب میں اور باقی غریبوں میں تقسیم ہوا۔ غرض محرم شریف کی فاتحہ جو اپنا معمول ہے۔ مدینہ منورہ میں بخیر و خوبی انجام پائی۔

حرم شریف میں حاجی قمر الدین بواب ہمارے کاموں کے مہتمم تھے۔ فصل د
باہر کے کاموں میں داروغہ عبدالغفور اور شیخ احمد رجب مجلد مدد دیتے
تھے۔ چونکہ ہم نے اپنے وکیل صاحب کو نذر معقول دیدی تھی، اس لئے انکو بھی
ہمارا انتظام چنداں ناگوار نہ تھا۔ حرم شریف میں باب النساء پر حاجی قمرالدین
کے زیر اہتمام حضرت والد مرحوم کی طرف سے روزانہ خمیری روٹی اور کھجور
بہ تعداد معین تقسیم ہوتی تھی اور یہ سلسلہ مہینہ بھر جاری رہا۔

کھانے کے ساتھ نقدی بھی تقسیم ہوئی۔ حرم نبوی کے خدام میں تو کسی
تحقیق کی ضرورت نہ تھی۔ سب جماعتوں کی فہرست سرکاری دفتر سے حاصل
کر لی۔ ہر جماعت کی مجموعی حیثیت پیش نظر رکھ کر حصے مقرر کر دئے۔ جماعتوں
کے دو دو نمائندے آئے۔ اپنی اپنی رقم دستخط کرکے لے گئے۔ حسب ہدایت
سب ساتھیوں میں تقسیم کر دی۔ باطمینان فراغت ہو گئی۔ حرم شریف کے
وکیلوں کی تعداد بھی خاصی ہے۔ اور ان میں دوسری جماعتوں کی طرح
باقاعدہ تنظیم کم ہے۔ اس لئے اپنے وکیل کی معرفت ان سب کو ایک وقت
حرم شریف میں جمع کر کے دست بدست تقسیم کر دی۔ حرم شریف میں جو سائل
بیٹھتے ہیں۔ جنت البقیع میں جو سائل بیٹھتے ہیں۔ متفرق طور پر ان کو بھی
ملتا رہا۔ ان کے علاوہ گھروں پر بھی تقسیم ہوئی۔ مولٰنا ضیاء الدین خاص طور پر
اور ان کے سوا دیگر احباب بھی خانگی تقسیم کے مشورہ میں شریک رہے۔ محلہ محلہ
گھروں پر جا جا کر بیوہ اور یتیموں کو مدد پہنچائی۔ اکثر شب کی خموشی میں یہ کام
انجام پاتا تھا۔ حاجی عبدالغنی کے یتیم خانہ کو اور نہر زرقہ کی مجلس کو بھی امداد
دی گئی۔ غرض کہ کافی چھان بین اور اہتمام کے ساتھ خیر خیرات کی رقمیں تقسیم
کی گئیں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

فصل ۵ بعض حجاج کافی تقسیم کرتے ہیں۔ لیکن بے قرینہ تقسیم کرتے ہیں۔ اول تو بیشتر مستحق محروم رہ جاتے ہیں۔ دوسرے سائلوں کا ہجوم بری طرح ان کے پیچھے لگ جاتا ہے۔ اوقات خراب ہوتے ہیں۔ بالآخر خود تنگ آ کر جھنجھلاتے ہیں۔ جھڑکتے ہیں۔ آزردہ اور بیزار ہوتے ہیں۔ حالاں کہ اس جنجال کے خود ذمہ دار ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسی بد اوقاتی سے محفوظ رکھے۔

(۲۱) ڈاکٹر صاحبان

خان بہادر ڈاکٹر محمد حسین صاحب الہ آبادی بھی مدینہ منورہ میں خاص شخص ہیں۔

ڈاکٹر صاحب تقریباً چالیس سال سے حجاز میں مقیم ہیں۔ بڑے بڑے معرکے اور انقلاب دیکھے ہیں۔ خود پندرہ سال تک ترکی عہد میں برٹش وائس کونسل کی حیثیت سے جدہ میں رہے ہیں۔ شریف عون۔ شریف علی اور شریف حسین کے زمانے آنکھوں سے دیکھے ہیں۔ اور حکومت کی آنکھوں سے دیکھے ہیں۔ ظاہر و باطن سب پہلوؤں پر نظر رہی ہے، رموزِ مملکت سے سابقہ رہا ہے۔ اس کے بعد ایک واقف کار معزز شہری کی حیثیت سے جدید دور میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اب بھی عام و خاص سب کی نظروں میں معزز و مقبول ہیں۔ حکومت میں اعتماد و رسوخ حاصل ہے۔ امرا و حکام کے نازک علاج معالجے ان کے ذمے رہتے ہیں۔ چنانچہ آج کل بھی امیر مدینہ کا علاج کر رہے ہیں۔ ایسی واقفیت اور معلومات کے لوگ کم ملتے ہیں۔ گو سابقہ ملاقات نہ تھی۔ لیکن طبعی مناسبت اور ہم مذاقی کی بدولت دو چار ہی صحبتوں میں ڈاکٹر صاحب سے خاص خصوصیت پیدا ہو گئی۔ خوب ملاقاتیں رہیں۔ دل کی باتیں رہیں۔ سیاسی، معاشی

اور معاشرتی معاملات میں سالہا سال کے قیام سے جو واقفیت پیدا نہ ہوتی وہ فصل ۵
چندروز ڈاکٹر صاحب کی صحبت میں حاصل ہوگئی۔ صوفیائے کرام کا ارشاد ہے
کہ چالیس چلوں سے کامل کی ایک صحبت افضل ہے۔ زندگی کے دوسرے
شعبوں میں بھی یہ مقولہ ہر طرح درست ہے۔ غرض کہ مدینہ منورہ میں ڈاکٹر کی
صحبت بڑی نعمت تھی۔

ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحب منگلوری بھی بڑے خوش قسمت نوجوان ہیں
اصلی وطن بہار ہے۔ ہومیو پیتھک میں اعلیٰ تعلیم پائی ہے۔ ولایت میں
بھی رہ چکے ہیں۔ دو حج کرکے مہاجر کی حیثیت سے مدینہ منورہ میں مقیم
ہیں۔ بال بچے بھی پاس ہیں۔ اعلیحضرت حضور نظام خلد اللہ ملکہٗ
کی طرف سے اہل مدینہ کی خدمتگزاری پر مامور ہیں۔ بلا معاوضہ علاج
کرتے ہیں۔ بلا قیمت دوا دیتے ہیں۔ سب اخراجات سرکار نظام سے
پاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ میں شفا دی ہے۔ انکا مطب
مدینہ منورہ میں خوب مقبول ہے۔ صبح شام مریضوں کا ہجوم رہتا ہے۔
حسن خلق کی بدولت یوں بھی اہل مدینہ ان سے محبت کرتے ہیں میل جول
رکھتے ہیں۔ بہت اچھی بسر ہو رہی ہے۔ رشک والوں کو رشک اور
حسد والوں کو حسد ہے۔ لیکن تائید الہٰی سب کے مقابل کافی ہے۔ اور کیوں
نہ ہو کہ ان کو حبیب خدا کی غلامی کا شرف حاصل ہے۔ وہی نسبت ان کے
سب کام بنا رہی ہے۔ دین و دنیا سنوار رہی ہے۔ مواجہ شریف کی
بلاناغہ پنجوقتہ حاضری اور صلوٰۃ وسلام کیا معمولی بات ہے۔ بڑی نعمت
ہے۔ ذالك فضل الله یوتیه من یشاء۔

خدا کا شکر ہے۔ مدینہ منورہ کے حالات خاصی تفصیل سے بیان

فصل ۵ ہوئے۔ وہی کیفیت ہے ؎

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم

جو جو مشاغل رہے اور جن جن حضرات سے دعوتوں میں صحبتوں میں ملاقاتیں رہیں۔ جو جو اپنے خاص دوست و احباب ہیں۔ سب کا موقع موقع سے ذکر آگیا۔ اللہ تعالیٰ آئندہ ان صحبتوں کو اور تذکروں کو پھر تازہ کردے آمین۔

(۲۲) حضرت ملا صاحب شور بازار

امسال حضرت ملا صاحب شور بازار بھی حج و زیارت کو تشریف لائے تھے۔ پہلے بھی مشرف ہو چکے ہیں۔ مولانا محمد صادق صاحب مجددی فاروقی ہیں۔ حضرت شاہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے ہیں۔ حضرت کے حالات اخبارات میں پڑھ کر خیال ہوتا تھا کہ شاید بوڑھے ہوں گے۔ سخت مزاج اور کہنہ خیال ہوں گے۔ لیکن ماشاء اللہ جوان ہیں شگفتہ مزاج ہیں۔ صاحب فراست ہیں۔ حوصلہ مند ہیں۔ عالم ہیں علم کے ساتھ عملی جذبہ بھی قوی رکھتے ہیں۔ اور تعجب کیا ہے۔ امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد ہیں۔ فاروقی خون کب تاب لا سکتا ہے۔ غیرت دینی رگ رگ میں بھری ہے۔ اجداد کو دین و ایمان کی خاطر ہندوستان میں سلاطین مغلیہ سے ٹکر لینی پڑی۔ اور اللہ تعالیٰ نے فتح دی۔ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے دینی کارنامے ہندوستان کی تاریخ اسلام میں آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ اکبر۔ جہانگیر۔ شاہ جہاں۔ تین دور گزارے۔ کیا کیا تصادم ہوئے۔ قید تک بھگتی۔ جان پر آبنی مگر مداہنت

محفوظ رکھا اور بیجا تصرفات سے بچایا۔ دین کو کفر کے حملوں سے گوارا نہ کی۔ اور وہی آبائی خون یہاں بھی رنگ لایا۔ اور واقف حال بخوبی واقف ہیں۔ مگر تعجب اور افسوس ہے کہ دنیا اصل حالات سے اس نے اپنا کام کر دکھایا۔ بس اسی قدر سُن لیا ہے کہ ملا صاحب شور بازار کے بہت کم واقف ہے۔ امیر امان اللہ خاں کو تخت و اثر سے افغانستان میں انقلاب ہوا اور تعلیم یافتہ طبقہ اس سے یہی نتیجہ نکالتا تاج سے دستبردار ہونا پڑا۔ جدید ہے کہ ملا صاحب بہت سخت گیر ہیں۔ اور ان کا رسوخ ملک کی ترقی میں مانع مزاحم ہے۔

جھوٹ اور افترا نے اس زمانہ میں جسقدر پیر پھیلائے ہیں محتاج بیان نہیں۔ بڑے بڑے اخبارات کا خاص مشغلہ ہے اور جدید تاریخ کا خاص کمال ہے۔ واقعات کو خلاف اصلیت مشتہر کرنا۔ ان پر من مانے حاشئے چڑھانا۔ اور دنیا کو جو چاہیں باور کرا دینا۔ یہی فن عروج پا رہا ہے۔ اور اس سے جہاں بڑی بڑی خرابیاں پھیل رہی ہیں۔ وہاں بڑے بڑے کام نکل رہے ہیں۔ اہل مغرب کا تو خاص حربہ یہی ہے۔ اہل مشرق البتہ نادانی سے خوب پلٹے کھا رہے ہیں۔ اور متنبہ اور معترض ہونے کے بجائے خود بھی اس کمال کی طرف ہاتھ بڑھا رہے ہیں۔ یہی مشغلہ ملک و ملت کی رگ و پے میں زہر پھیلا رہا ہے۔ مصیبت لا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔

یہ واقعہ ہے کہ حضرت ملا صاحب نے امیر امان اللہ خاں کو معاملات دین کی حد تک صلاح دی۔ تنبیہ کی۔ مگر نیت کیا تھی۔ نوعیت کیا تھی۔ صورت حال کیا تھی۔ اور کیا شکلیں کس طرح پیدا ہوئیں۔ اس کا صحیح علم

نقل ۵ متعلقہ لوگوں کے سوا۔ دوسروں کو بہت کم ہے۔ مکہ معظمہ میں تو سرسری ملاقاتیں رہیں۔ لیکن مدینہ منورہ میں فراغت سے خوب گاڑھی چھنی۔ صحبتیں رہیں۔ گفتگوئیں ہوئیں۔ زبانی بیانات شاید یک طرفہ سمجھے جاتے۔ حسن اتفاق سے حضرت ملا صاحب کے پاس کافی سرکاری کاغذات تھے۔ خاص کر عدالت الحربیہ کی مسل تو قابل دید تھی۔ اسی عدالت کے روبرو حضرت ملا صاحب ماخوذ ہوئے تھے۔ سوال جواب ہوئے۔ کل معاملات کی تفتیش ہوئی اور اسی عدالت کے حکم سے حضرت کے کئی ساتھی جاں بحق ہوئے۔ حضرت کا نمبر تو اول تھا۔ مگر خدا کی شان کہ خلاف توقع حضرت کا قتل آخر تک ملتوی رہا حتیٰ کہ سلطنت پلٹ گئی۔ اور اس کل دوران میں حضرت سرکاری قید خانہ میں محبوس رہے۔

مجھے بھی اس تاریخی مسل کے دیکھنے اور پڑھنے کا نادر موقع ملا۔ اس میں عدالت اور ملزمین کے سوال و جواب تاریخ وار درج ہیں۔ ہر پیشی کے ختم پر عدالت کے ساتوں اراکین کے دستخط ثبت ہیں۔ اور ہر جواب پر ملزمین کے دستخط موجود ہیں۔ مقدمہ کی مکمل روئداد ہے۔ فارسی زبان میں ہے۔ شاہی محافظ خانہ میں محفوظ تھی۔ نادر خاں امیر افغانستان ہوئے تو حضرت ملا صاحب نے فرمائش کی کہ حضرت کے متعلق دنیا کو بہت دھوکا دیا گیا ہے۔ اور خلاف اصلیت واقعات مشتہر کئے گئے ہیں۔ اس لئے ضرور ہے کہ کورٹ مارشل کی اصل مسل حضرت کو دیدی جائے۔ اور اس کی مصدقہ نقل سرکاری دفتر میں رکھ لی جائے۔ تاکہ اصل واقعات کی سرکاری سند باقی رہے۔ چونکہ اسی مسل کا حضرت سے خاص الخاص تعلق تھا۔ اور حضرت کا مطالبہ اخلاقاً درست تھا۔ اصل مسل حضرت کو مل گئی۔ اور اس کی نقل دفتر میں

رہ گئی۔ حضرت خود بھی اس قسم کی یادداشت کو احتیاط سے راز میں رکھتے ہیں فصل ۵
یونہی ہر کسی کو نہیں دکھاتے لیکن اپنی قسمت کہ بہت خصوصیت پیدا ہوگئی
اصلی حالات سننے اور پڑھنے کا موقع ملا۔

(۲۳) انقلاب افغانستان

تفصیلی حالات سننے اور تحریرات دیکھنے سے جو قصہ معلوم ہوا اس کا مختصر خلاصہ یہ ہے کہ شروع سے امیر صاحب اور ملا صاحب کے تعلقات خاص دوستانہ اور خوشگوار تھے بلکہ بچپن کا ساتھ تھا۔ لنگوٹیہ یار تھے۔ یورپ تشریف لیجاتے وقت ملا صاحب نے امیر صاحب کو مشورہ دیا کہ وہاں کے سیاسیات اور ترقیات بغور ملاحظہ فرمائے لیکن وہاں کی تہذیب کو زیادہ جذب نہ فرمائے۔ بلکہ بہتر ہے کہ ملکہ صاحبہ کو ساتھ نہ لیجائے۔ عورتوں کا معاملہ بہت نازک ہے۔ ایسا نہو کہ یورپ والے کچھ چکر دیں اور بعد کو پیچیدگی پڑے۔ امیر صاحب نے احتیاط اور اعتدال کا وعدہ کیا۔ اور ہنسی خوشی رخصت ہوئے۔ بعد کو یورپ میں جو صورتیں پیش آئیں اور بعد واپسی افغانستان میں جس گرماگرمی اور عجلت سے یورپی تہذیب و تمدن کو رائج کرنے کی کوشش کی گئی۔ اور اس میں اسلام کو جس حد تک نظرانداز کیا گیا۔ وہ ایک تلخ اور سبق آموز داستان ہے۔ کم و بیش سب واقف ہیں۔ نتیجہ یہ کہ ملک میں بےچینی پھیلی اور سخت بےچینی پھیلی۔ مگر چونکہ امیر صاحب کا اقتدار قوی تھا۔ خوف کی وجہ سے لوگ مُنہ پر ہاں میں ہاں ملاتے اور دل میں غم و غصہ کھاتے تھے۔

ملا صاحب نے از روئے دیانت و خیر طلبی چاہا کہ امیر صاحب کو لوگوں کے دلی جذبات سے مطلع کردیں۔ مبادا لاعلمی میں بیرونی رشتہ دوانی سے

کوئی خطرناک شکل پیدا ہو جائے۔ چنانچہ وزرا سلطنت اور خود امیر صاحب سے مل کر اصل کیفیت پیش کی لیکن اثر الٹا پڑا۔ یہ شبہ کیا گیا کہ خود ملا صاحب اپنے خیالات مخالفت میں پیش کر رہے ہیں ورنہ لوگ جدید مسلک کے موئید و موافق ہیں۔ یہ شبہ مٹانے کی خاطر ملا صاحب نے چاہا کہ جابجا جلسے کر کے اصل جذبات کا اظہار کریں۔ اور محضر پیش کر کے امیر صاحب کو لوگوں کے خیالات سے مطلع کریں۔ لیکن اس سے شبہ بڑھ کر شکایت بن گیا۔ اور ملا صاحب کی نگرانی بلکہ گرفتاری کے احکام جاری ہو گئے۔ جب ملا صاحب نے دیکھا کہ الٹی غلط فہمی بڑھ رہی ہے تو خود ہی اپنے آپ کو تحویل میں دے دیا۔ اور قلعہ میں نظر بند ہو گئے۔ ملا صاحب کے جو چند ساتھی تھے وہ بھی ساتھ ہی نظر بند ہو گئے۔ فصل ۵

اس کے بعد پھر ملا صاحب امیر صاحب کے روبرو پیش ہوئے۔ چند وزرا بھی موجود تھے۔ امیر صاحب نے پھر وہی مخالفت کا شبہ ظاہر کیا۔ ملا صاحب نے پھر صاف صاف دور اندیشی اور خیر طلبی کا یقین دلایا۔ اور داخلی ناراضی اور خارجی ریشہ دوانی سے جن خطرات کا امکان تھا۔ ان سے متنبہ کیا۔ مگر امیر صاحب کو یقین نہ آیا۔ دل صاف نہ ہوا۔ اس کے بعد بغاوت کا الزام عائد کر کے عدالت الحربیہ میں معاملہ بھیج دیا۔ مقدمہ چلا۔ پیشیاں ہوئیں۔ سوال و جواب باضابطہ قلمبند ہوئے۔ اس روداد کے دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عدالت کو تحقیق حق سے زیادہ اثبات جرم مطلوب تھا۔ اظہار حق بہت ناگوار گزرتا تھا۔ بہر حال جو فیصلہ ہونا تھا ہوا۔ ملا صاحب کے چار ساتھی چند روز کے وقفہ سے جنت روانہ کر دئیے گئے۔

فصل ۵

اس کل دوران میں ملا صاحب ہر روز اپنی روانگی کے متوقع اور منتظر رہے۔ لیکن خدا معلوم کس مصلحت سے حضرت کی روانگی ملتوی ہوتی رہی۔ اسی طرح دو ڈھائی ماہ قید خانہ میں بسر ہوئے۔ حتیٰ کہ یکایک ملک میں انقلاب نمودار ہوا اور اس شدت سے اس کا سیلاب آیا کہ حکومت حواس باختہ ہوگئی۔ اور امیر صاحب کے قدم اکھڑ گئے۔ اس وقت امیر صاحب کو ملا صاحب کی دور اندیشی کا کچھ کچھ یقین آیا۔ اضطراب کی حالت میں ملا صاحب کو قید خانہ سے بلایا اور مشورہ چاہا۔ ملا صاحب نے فرمایا ع

چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی

اب بھی بچنے کی ایک صورت ہے کہ میں ایک معذرت نامہ تحریر کرتا ہوں آپ اس پر دستخط کرکے تمام ملک میں شایع فرما دیں امید کہ عام ناراضی کا ہیجان فرو ہوکر معاملہ سنبھل جائے گا۔ چنانچہ مسودہ تیار ہوا لیکن امیر صاحب نے غلطیوں کے اعتراف کو خلاف شان سمجھ کر تاویل کا پہلو اختیار کیا۔ مسودہ میں ترمیم ہوئی تو وہ اثر جاتا رہا۔ شائع ہوا تو اور شکایت بڑھ گئی۔

(۲۴) آخری منظر

حالت اور نازک ہوئی تو ملا صاحب پھر بغرض مشورہ طلب ہوئے۔ ملا صاحب نے فرمایا کہ جب میری خیر خواہی پر اعتماد نہ ہو اور میری رائے کا اعتبار نہ ہو تو پھر بار بار مشورہ سے کیا حاصل ہے۔ جو جی میں آیا۔ آپ نے کیا۔ جو جی میں آئے آپ کریں۔ میں کیا عرض کروں۔ وزرا اور امرا میں بدحواسی پھیل گئی تھی۔ بالآخر قرار پایا کہ امیر صاحب جان بچا کر نکل جائیں۔ اور عنایت اللہ خاں کو اپنا جانشین مقرر کردیں۔ اس پر بھی ملا صاحب نے اختلاف کیا۔

نصلاء اور مشورہ دیا کہ آپ ان کو نامزد نہ کریں۔ ورنہ جو مخالفت آپ کے ساتھ ہے اُن کی طرف منتقل ہو جائے گی۔ آپ تاب نہ لاسکے تو یہ کیا تاب لائینگے۔ خوف ہے کہ کہیں تخت و تاج خاندانِ شاہی کے ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ ابھی تک یہ مخالفت آپ کی ذات تک محدود ہے۔ شاہی خاندان سے مخالفت نہیں ہے۔ آپ کے بعد عنایت اللہ خاں ملک کی جانب سے بسہولت بادشاہ منتخب ہو جائیں گے۔ اس صورت میں مخالفت کا اندیشہ کم ہے۔ اور میں پوری معاونت کا وعدہ کرتا ہوں۔ لیکن یہ بات بھی سمجھ میں نہ آئی۔ اور وہی ہوا کہ عنایت اللہ خاں جانشین نامزد ہوئے تو مخالفین نے ان کی طرف رُخ کیا۔ اور ان کو بھی ساتھ ساتھ ملک چھوڑنا پڑا۔ بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا۔ بچہ سقہ بادشاہ بن بیٹھا۔ لیکن اس کا اقتدار محض عارضی تھا لوگوں میں اس کا کوئی وقار نہ تھا۔ نادر خاں کا بہت خاص اثر تھا۔ وہ آئے تو لوگ قابو میں آئے اور ملک میں امن و امان ہوا۔ امیر صاحب تو صرف بیوی بچوں کو ساتھ لے کر نکل گئے۔ شاہی خاندان کے بال بچوں اور مستورات نے خود ملا صاحب کے مکان پر آکر پناہ لی۔ دو تین ماہ وہیں سب کا قیام رہا۔ سقہ بچہ کو یہ تو جراءت نہوئی کہ مکان پر ہاتھ ڈالتا۔ البتہ مکان کو محصور کر دیا تھا کہ کوئی سازش نہ ہو۔

بچہ سقہ کو بخوبی علم تھا کہ آخر وقت تک ملا صاحب امیر صاحب کو سنبھالنے اور بچانے کی کوشش کرتے رہے۔ چنانچہ دوران جنگ میں امیر صاحب کی طرف سے جا جا کر ملا صاحب نے بچہ سقہ سے کئی مرتبہ صلح کی گفتگو بھی کی تھی۔ لیکن بچہ سقہ نے بعد کو ملا صاحب سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ اور ان سے موافقت رکھی۔ نادر خاں کو سب حالات معلوم ہوئے تو

بہت افسوس کیا کہ اگر ملا صاحب کی رائے پر عمل کیا جاتا تو ملک میں یہ تباہی کیوں پھیلتی۔ فصل ۵

فی الحال ملا صاحب حکومت افغانستان کی طرف سے مصر میں سفیر ہیں۔ حضرت سے مل کر ذرا بھی خیال نہیں ہوتا کہ یہ کوئی تنگ نظر اور سخت گیر ملا ہیں۔ بلکہ محسوس ہوتا ہے کہ عالم ہیں۔ ہوشمند اور حوصلہ مند ہیں۔ ملک و ملت کے درد مند ہیں۔ سیاسیات اور حالات حاضرہ پر گہری اور وسیع نظر ہے۔ تدبر اور تفکر سے فطرتاً مالا مال ہیں۔ غرض کہ قدیم طرز کے مسلمان ہیں۔ علم و عمل دین و دنیا کے جامع ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت کی ذات سے مسلمانوں کو متمتع کرے۔

(۲۵) حسن اتفاق

یہ بھی اک حسن اتفاق تھا کہ حضرت ملا صاحب شور بازار سے مکہ معظمہ میں ملاقات ہوئی مدینہ منورہ میں دوستی بڑھی اور اس درجے بڑھی کہ ملا صاحب نے تفصیل سے آپ بیتی کہہ سنائی۔ بلکہ شاہی مسل دکھا دی۔ ورنہ کہاں حج و زیارات اور کہاں انقلابِ افغانستان۔ ہم نے بھی ان معلومات کو غنیمت سمجھا اور بقدر گنجایش بلا کم و کاست لکھ دیا۔ کہ یہ واقعہ تاریخ افغانستان بلکہ تاریخ اسلام میں سبق آموز اور قابل یادگار ہے کہ دین و ملت سے تصادم کر کے بادشاہی نے کیا انجام دیکھا۔

اب ہم پھر حجاز کی طرف رجوع ہوتے اور آئندہ فصل میں ملک کے بعض مسائل پر طائرانہ نظر ڈالتے ہیں۔

فصل ششم

حجاز

(۱) اسلامی مرکز مسلمانان عالم کی نظریں حجاز پر لگی ہوئی ہیں کہ یہ ملک دین اسلام کا منبع ہے۔ مرکز ہے۔ تمام مسلمانانِ عالم کا اس سے تعلق ہے۔ حرمین شریفین ہمارے جان و دل ہیں۔ ان کی حفاظت ہم سب پر واجب ہے۔ حجاز میں ایک جدید دور شروع ہو رہا ہے۔ اس لئے سب ادھر متوجہ ہیں اور ہونے چاہئیں۔ اس دور کے احکام و آثار قابل غور ہیں۔

(۲) ترکی حکومت اول حکومت کو لیجیئے۔ ترکوں کے عہد میں دو خصوصیت تھیں۔ ایک تو ممالک اسلامی کی داد و دہش۔ اہل حرمین کی مرفہ الحالی۔ دوسرے حکومت کی نرمی۔ حجاز میں امن و امان کی کمی۔ اول تو خود ترکی سلاطین و امرا مکہ مدینہ میں ہُن برساتے تھے۔ اہل حرمین کی خدمتگزاری اور ناز برداری اپنا فریضہ سمجھتے تھے۔ کروڑہا روپے کے سالانہ نذرانے گزرتے تھے۔ عام و خاص سب کی معاشیں مقرر تھیں۔ سلطنت ترکی کے تمام ممالک مصر و شام فلسطین و

فصل ۶ عراق میں کیسے بڑے بڑے اوقاف تھے۔ اور سب حرمین شریفین کی نذر تھے۔ بلا مبالغہ اشرفیوں کا مینھ برستا تھا۔ کل کے واقعات ہیں اور آج یقین آنا مشکل ہے۔ غرض کہ جس فیاضی اور سیرچشمی سے ترکوں نے اہلِ حرمین کی خدمت کی۔ اس کی نظیر اسلام کیا کسی مذہب کی تاریخ میں ملنی مشکل ہے۔ محبت و عقیدت کی کوئی حد نہیں معلوم ہوتی۔ لیکن اس ربط کا ایک مضر نتیجہ بھی نکلا کہ ملک پر حکومت نے سختی گوارا نہ کی۔ اور خالی نرمی سے کام چل نہیں سکتا۔ لاڈ پیار۔ اور رعایت مروت سے رعایا نڈر ہوگئی۔ اور چونکہ شورہ پشت تھی۔ امن غائب ہوگیا۔ اور بیرونی حجاج کو مدتوں تکلیف پہنچی۔ جان و مال تلف ہوتے رہے۔ اور کوئی دادرسی نہ تھی۔ غرض کہ ترکی حکومت کا ایک پہلو نہایت درخشاں تو دوسرا بہت تاریک ہے۔ اور دونوں قابل یادگار ہیں۔

(۳) سعودی حکومت

موجودہ حکومت کی بھی دو خصوصیت ہیں۔ اور وہ دونوں سابقہ خصوصیات کے معکوس ہیں۔ ایک تو امن و امان کا استحکام اور دوسرے اہل حرمین کی ناداری و تنگدستی۔ حجاج کو آج جو امن و امان میسر ہے۔ وہ پہلے وہم و گمان سے بھی باہر تھا۔ معلم۔ وکیل۔ شتربان کسی زمانہ میں حجاج پر بڑے غیر تھے۔ ان کے تصرفات کی کوئی حد نہ تھی۔ جان، مال اور آبرو سب کے مختار تھے۔ ان کی دست درازیوں کی کوئی پرسش نہ تھی۔ جو تھی برائے نام تھی۔ اور آج حاجی ان سب پر شیر ہیں۔ ذرا ذرا سی بات پر گوشمالی کرتے ہیں۔ حجاج ان لوگوں پر زور جتاتے ہیں تو واقفکاروں کو ہنسی آتی ہے کہ دبی بلی چوہوں سے کان کترواتی ہے۔ اول تو خود حکومت نے معلم۔ وکیلوں اور کارکنوں کو

خاصا شکنجہ میں کس دیا ہے۔ دوسرے کچھ کسر رہ گئی تو موجودہ وائس کونسل　فصل ۶
خان بہادر منشی احسان اللہ صاحب نے ان کا تیل نکال دیا ہے۔ اس درجہ
حجاج کی خبر گیری کرتے ہیں۔ ان کی دادرسی کرتے ہیں کہ ذرا سی شکایت پر
معلم اور وکیلوں کی شامت آجاتی ہے۔ حاجی شکایت کا نام لیتے ہیں تو
ان کی جان نکل جاتی ہے۔ حجاج کو یہ امن اور غلبہ مبارک ہو۔ لیکن وہ بھی
حد مناسب سے تجاوز نہ کریں تو بہتر ہے۔ ذرا ذرا سی باتوں کا تبنگڑ بنانا
خواہ مخواہ شکایات نکالنا۔ اور اپنے کارکنوں کو ماخوذ کرنا۔ یہ بھی کوئی اچھا
شغل نہیں ہے۔ آخر معلم وکیل بھی انسان ہیں۔ حجاج بھی انسان ہیں۔ ہر
کسی سے کوتاہی اور خطا کا امکان ہے۔ انصاف ہاتھ سے نہ دینا چاہیئے۔
سچ تو یہ ہے کہ حجاج بھی زیادتی میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے۔ معلم اور وکیلوں
کا ہی جگرا ہے جو برداشت کرتے ہیں اور کام چلاتے ہیں۔

رہی اہل حرمین کی ناداری و تنگدستی۔ وہ بھی از حد افسوسناک ہی
جو کبھی اشرفیاں کھنکاتے تھے وہ پیسے جمع کرتے ہیں۔ رلوپوں کو ترستے ہیں
پچھلی دادو دہش کا نام و نشان بھی نہیں۔ ذریعہ معاش بھی نہیں۔ جو
تھے وہ بھی مٹ گئے۔ رہی حاجیوں کی خیر خیرات سو ان کے بھی اخراجات
بڑھ گئے۔ گنجایش گھٹ گئی۔ گزر ہو تو کیوں کر ہو۔ حیرانی ہے۔ پریشانی
ہے۔ سرگردانی ہے۔ کچھ اندوختوں پر بسر کرتے ہیں۔ کچھ ساز و سامان بیچ کر
کام چلاتے ہیں اور کچھ مجبور ہو کر دست سوال پھیلاتے ہیں۔ سو بہت
سے باہر کے پیشہ ور سائل آگئے ہیں۔ ہجرت کا دم بھرتے ہیں۔ اور
حرمین کے مساکین کا حق مارتے ہیں۔

(۴) **سخت گیری و بد دلی** | بیچاری حکومت بھی عجب مخمسہ میں

فصل ۶ پھنسی ہے۔ ادھر تو رعایا کے دل میں زہر بھر گیا ہے۔ وقار گیا۔ اقتدار گیا۔ روزی گئی۔ آزادی گئی۔ حرمین کے لوگ کس دل سے حکومت کو چاہیں۔ سرد آہیں بھرتے ہیں اور خموش رہ جاتے ہیں۔ رہے حجاج سو جوں جوں بدامنی کے قصے فراموش ہوتے جاتے ہیں۔ امن کی قدر بھی دلوں میں گھٹتی جاتی ہے لوگ اس کو ایک معمولی بات سمجھتے ہیں۔ بلکہ اس میں عیب صواب نکال لیتے ہیں۔ اس کے علاوہ جب وہ زیارات کو جاتے ہیں تو دل میں غم وغصہ لے کر آتے ہیں۔ مکہ معظمہ کو لیجئے جبل ثور کو جائیں غار حرا کی زیارت کریں کہ وہاں برسوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما رہے۔ سب سے اول وہیں حضرت جبرئیل حضور اقدس میں حاضر ہوئے اور وحی لائے۔ اللہ اکبر کیا مقام ہے۔ لیکن وہاں پہرا بیٹھا ہوا ہے۔ کیا مجال کہ کوئی جائے اور جائے تو بلا تکلف مار کھائے۔ پٹ کرنا کام آئے۔ دوسروں کو عبرت دلائے۔ البتہ اتنی رعایت ضرور ہے کہ اول مقامی رہنما پر مار پڑتی ہے۔ سواری والے پر مار پڑتی ہے۔ اسکے بعد حاجی کی باری آتی ہے۔ توبہ کرے تو اس کی جان بچ جاتی ہے۔ اسی ڈر سے نہ کوئی رہنما ساتھ کی ہمت کرتا ہے اور نہ کوئی سواری ادھر قدم بڑھاتی ہے۔ عرفات کے میدان میں جمع ہوتے ہیں لیکن جبل رحمت پر نہیں جا سکتے کہ وہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ فرمایا تھا وہاں آیات قرآنی نے نزول فرمایا تھا۔ بس دور سے نظر بھر دیکھ لیجئے۔ پہرا کھڑا رہتا ہے۔ زیارت کی مجال نہیں۔ مکہ معظمہ میں زیارات کو نکلئے تو کوئی رہنمائی کی جرات نہیں کرتا۔ مگر دیوانے سب پتہ چلا لیتے ہیں۔ دار خیزران جائیے کہ وہاں تخلیہ میں عرصہ تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

اور مسلمانوں نے ابتدا ایں عبادت فرمائی ہے۔ حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ اسی مکان کے دروازہ پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اور اس کے بعد علی الاعلان مسلمانوں نے عبادت شروع کی۔ کیا مبارک مکان ہے لیکن مقفل ہے۔ غنیمت ہے کہ مسمار نہیں ہوا۔ جانے والے جاتے ہیں۔ کھڑے ہونا خلاف احتیاط ہے۔ دیکھتے گزر جاتے ہیں۔ وقت بے وقت آنکھ بچا کر چکر لگاتے ہیں۔ فصل ۶

سب سے بڑھ کر مولد النبیؐ ہے۔ اللہ اکبر اس مقام کی کیا عظمت ہو گی جہاں رسالت محمدی نے اس عالم میں نزول فرمایا خیال سے روح تڑپتی ہے۔ کل تک کیسی پاکیزہ اور آراستہ عمارت تھی کیتی تاریخی زیارت تھی۔ آج وہاں اینٹ کا بھی نشان نہیں۔ ویران میدان پڑا ہے۔ کبھی اونٹ آ ٹھیرتے ہیں۔ یہی رونق ہے۔ آبادی ہے۔ مولد فاطمہ اور مولد علیؑ بھی اسی طرح بے نشان ہیں۔ افتادہ زمین پر نام باقی ہے۔ سو لوگ نام بھی زبان پر لاتے ڈرتے ہیں۔ احتیاط کرتے ہیں۔ جنت المعلیٰ جائیے کہ وہاں فاتحہ پڑھیں۔ ستنا حضرت خدیجۃ الکبریٰ اور صحابہ کرام کی زیارت کریں۔ وہاں بھی کیا دھرا ہے۔ مزارات کی مسماری دیکھ لیتے تھے۔ سو وہ بھی نظروں سے چھپ گئی۔ گوشہ کی دیواریں بلند ہو گئیں۔ بارے غنیمت ہے کہ دیواریں ایک پھاٹک لگا دیا ہے اور اس کے کواڑوں میں کچھ روزن رہ گئے ہیں۔ انہیں سے جھانک کر نظر ڈالتے ہیں۔ حسرت نکالتے ہیں۔

مدینہ منورہ کا معاملہ بھی اس سے کچھ کم نہیں۔ جنت البقیع کی مسماری سے دل پھٹتا ہے۔ بارے تعجب ہے کہ خاص خاص قبور کے چبوترے پختہ بنا دئیے ہیں۔ پہلے تو خاک کے ڈھیر رہ گئے تھے۔ پھر پتھر جما دئیے۔ اس مرتبہ دیکھا تو

فصل ۶ باقاعدہ پتھر چونے کے چبوترے بنے ہوئے تھے۔ اس قدر توفیق ہوئی یہ بھی غنیمت ہے۔ حضرت امیر حمزہ کی وسیع اور پختہ مسجد جبل احد کے دامن میں شہید کردی گئی۔ اس کی یادگار بھی صرف ایک شکستہ چبوترہ باقی ہے۔ جنت البقیع میں بھی پہرہ سا رہتا ہے۔ اول تو یہ کہ کوئی حاجی کسی مزار پر زیادہ نہ ٹھہرے۔ فاتحہ پڑھے اور آگے بڑھے۔ پھول نہ چڑھائے۔ تبرک نہ اٹھائے۔ عود نہ سلگائے۔ خوشبو نہ لگائے دل نہ بھڑکائے۔ آنسو نہ بہائے۔ غرض کہ دل کی کوئی بات نہ کرے۔ خیر۔ نہ سہی۔ لیکن مستورات کو جو احاطہ میں داخلہ کی ممانعت ہے یہ بڑا ظلم ہے۔ مانا کہ مزارات پر ان کی حاضری جائز نہیں۔ مزارات پر نہ جائیں۔ لیکن احاطہ میں داخل ہوکر دور سے مزارات کی زیارت کرنے میں کیا مضائقہ ہے۔ مستورات کو چند زیارتوں کا زیادہ اشتیاق ہوتا ہے۔ حضرت سیدتنا فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کا مزار شریف۔ اہل بیت اطہار کے مزار شریف سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا مزار شریف۔ سیدتنا حضرت رقیہ۔ زینب۔ کلثوم بنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار شریف۔ امہات المومنین رضی اللہ عنہم کے مزار شریف۔ یہ سب کے سب حسن اتفاق سے جنت البقیع کے داخلہ کی جانب کنارے کنارے ایک ہی سلسلہ میں واقع ہیں۔ اور مستورات احاطہ میں داخل ہوکر کافی دور سے ان کی زیارت کرسکتی ہیں۔ پاس جانے کی ضرورت نہیں۔ مزید حسن اتفاق یہ کہ غربی دیوار میں عام دروازہ کے علاوہ آگے بڑھ کر ایک اور دروازہ بھی موجود ہے۔ جو فی الحال مقفل و مسدود ہے اگر مستورات کے واسطے وہ کھول دیا جائے اور اندر حد بنادی جائے۔ تو مستورات اس دروازہ سے داخل ہوکر حد کے اندر کھڑے ہوکر بخوبی مطلوبہ مزارات کی زیارت کرسکتی ہیں۔ فاتحہ پڑھ سکتی ہیں۔ آخر حرم نبوی میں داخل ہوتی ہیں۔

مواجہ شریف میں حاضر ہوتی ہیں۔ فاتحہ پڑھتی ہیں۔ حکومت ادھر توجہ کرے فصل۷
تو بسہولت مستورات کی یہ شکایت رفع ہو سکتی ہے۔ اور شکایت ضرور قابل
توجہ ہے۔

خاص حرم نبوی میں اول تو بے سروسامانی دیکھ کر دل کڑھتا ہے۔ کہاں وہ ترکوں کی آرائش و زیبایش۔ کہاں موجودہ خستہ حالی۔ پھٹے پرانے فرش اور ٹوٹا پھوٹا سامان۔ نہ وہ صفائی ستھرائی۔ نہ وہ روشنی اور بخور و خوشبو جو مشہور عالم تھی۔ اس کا تو نام بھی نہیں۔ جہاں صبح و شام سیروں خوشبوئیں جلتی تھیں۔ وہاں عود کی دو چار بتی بھی سلگنی مشکل ہیں۔ اس کے سوا پھر وہی جالی مبارک اور مواجہ شریف کی روک ٹوک۔ لیکن سچ پوچھئے تو یہاں پہلی سی سختی نہیں ہے۔ خاصی چشم پوشی ہوتی ہے۔ اور اگر روک ٹوک بالکل اٹھالی جائے تو حجاج کی بے اعتدالیوں سے ضرور بدنمائی ہو۔ بدنظمی ہو۔ محبت کے ساتھ ادب بھی شرط ہے۔ مواجہ شریف میں تو ترک بھی خاصا انتظام رکھتے ہیں۔ اس بارے میں شکایت کی گنجایش کم ہے۔

البتہ ایک امر قابل اصلاح ہے۔ حکومت کی طرف سے کچھ لوگ حرم نبوی میں وعظ کہتے ہیں۔ اور علانیہ حکومت کے بل بوتے پر عام حجاج کے روبرو اپنے مخصوص عقاید پر زور دیتے ہیں۔ یہ تبلیغ کا طریق نہیں ہے۔ اس سے اشتعال اور دل آزاری کے سوا کچھ حاصل نہیں۔ خود حکومت اپنا نقصان کرتی ہے۔ بلاوجہ حجاج کی مخالفت اور ناراضی بڑھاتی ہے۔

حاصل کلام یہ کہ موجودہ زمانہ کا امن وامان تو بے شک بڑی نعمت ہے اور شکر نعمت واجب ہے۔ لیکن اسلامی آثار مسمار کر کے موجودہ حکومت نے مسلمانوں کے دلوں میں ناراضی کی بنیاد رکھ دی ہے۔ اور زیارات کی

فصل ۶ جاو بیجا روک ٹوک نے اس بنیاد پر شکوہ و شکایت کی عمارت کھڑی کردی جو حکومت کا منشا تھا کہ خوش عقیدگی کی افراط کی اصلاح کرے۔ لیکن نوبت بدعقیدگی کی تفریط تک پہنچ گئی۔ یہ کیا اصلاح ہوئی۔ خدا کرے حجاج و حکومت افراط و تفریط کی الجھنوں سے نکل کر صراط مستقیم پر آ لیں۔ اور مل کر فی سبیل اللہ چلیں۔

(۵) اندرونی پیچیدگیاں

رعایا سے اور حجاج سے حکومت کے جو تعلقات ہیں وہ مختصر طور پر بیان ہوئے۔ اب خود حکومت کی قوم و قبیلہ کو لیجئے۔ اس کے دو طبقے ہیں۔ ایک مولوی لوگ، دوسرے عوام۔ قدرتاً مولویوں کی یہ خواہش ہے کہ انکے مخصوص عقائد کی تائید و تعمیل کی جائے۔ خواہ کچھ ہی ہو جائے۔ ان کے نزدیک حکومت کا یہی مقصد ہے۔ عوام کی خواہش ہے کہ ان کو حکومت میں ملازمت دی جائے۔ معاش کی سبیل کی جائے۔ ان خواہشات کی تکمیل کچھ آسان نہیں ہے۔ اگر حکومت مولویوں کو خوش کرے تو حجاج کو ناخوش کرے۔ اور حجاج کو ناخوش کرے تو خزانہ کہاں سے بھرے۔ خرچ کہاں سے چلے۔ چنانچہ سال بسال حجاج کی تعداد گھٹ رہی ہے۔ سرکاری آمدنی گھٹ رہی ہے۔ امسال صرف بیس ہزار حجاج آئے۔ ان میں سے بھی نصف ہندوستانی تھے۔ کہاں معمولاً دو لاکھ۔ کہاں بیس ہزار۔ گویا دسواں حصہ رہ گئے۔ حکومت کو بہت خسارہ رہا۔ محاصل بڑھاتی ہے تو تعداد اور گھٹتی ہے۔ محاصل نہ بڑھائے۔ تو کمی کس طرح پوری ہو۔ بس کمی پوری ہونے کی ایک ہی صورت ہے، وہ یہ کہ حجاج کی تعداد بڑھے اور تعداد بڑھنے کی ایک خاص شرط ہے کہ ان کی دل آزاری نہ ہو۔ بیجا روک ٹوک نہ ہو۔ البتہ

بے اعتدالی اور بد نمائی کی حد تک آزادی مطلوب نہیں ہے۔ ایسا ہو تو پھر　فصل ۶
حکومت کی ضرورت کیا ہے۔ حکومت نگرانی کرے۔ اور ضرور کرے لیکن حدود
مناسب کے تعین میں زیادہ وسعتِ نظر سے کام لے۔ چنانچہ تجربہ اور تعلقات
سے نامعلوم طور پر خود بخود حکومت میں یہ رجحان پیدا ہو رہا ہے۔ اب وہ
پہلی سی سخت گیری۔ اور تنگ نظری باقی نہیں ہے۔ جو ہے سو بتدریج گھٹ
رہی ہے۔ حکومت حجاج کی خوشی ناخوشی کا بھی خیال رکھتی ہے۔ ان سے میل
ملاپ کرتی ہے۔ سر برآوردہ حجاج کو مدعو کرتی ہے۔ اول طعام بعدہٗ کلام۔
تبادلہ خیالات کرتی ہے۔ اپنی کہتی انکی سنتی ہے۔ چنانچہ اس سال سلطانی
دعوت میں ہم کو بھی لوجہ اللہ کچھ کہنے کی توفیق ہوئی اور موقع ملا۔
لوگوں کو تو تلخی اور تصادم کا اندیشہ ہوا۔ لیکن نیت بخیر تھی۔ اظہارِ حق اور
خیر اندیشی کے سوا کچھ مقصود نہ تھا۔ بفضلہ شکر رنجی کی بھی نوبت نہیں آئی۔
بعد کو بھی خوش دلی برقرار رہی۔ اس سے حکومت کی دور اندیشی اور رواداری
کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ اور یہ فال نیک ہے۔ کیا عجب ہے کہ اس طرح
شکوے شکایات رفع ہو کر حجاج و حکومت میں اتحاد بڑھ جائے۔ ممکن ہے
یہ مسلک مولویوں کو گراں گزرے۔ اور وہ اس کو حکومت کی کمزوری اور
دنیا سازی قرار دیں۔ لیکن کیا عجب ہے وہ بھی حالات حاضرہ کے مدنظر
اس اتحاد کو ملک و ملت کے واسطے مفید اور ضروری سمجھیں اور اتفاق کریں۔

رہے حکومت کے ہم قبیلہ لوگ ان میں سے بہت سے سرکاری ملازم
ہیں۔ فوج اور پولس تو ان ہی سے بھری ہوئی ہے۔ بڑے بڑے مالدار
ملکوں کی حکومتیں مالی دقتوں میں گرفتار ہیں۔ پھر حکومت حجاز کو مالی دقتیں
در پیش ہوں تو کیا عجب ہے۔ ملکوں ملکوں ملازمین گھٹ رہے ہیں۔ تنخواہیں

فصل ۶ گھٹ رہی ہیں۔ حجاز میں بھی ملازمین پریشان ہیں۔ کچھ عرصہ سے باقاعدہ ماہ بماہ تنخواہیں نہیں ملیں۔ اندوختہ تو معلوم۔ گزر مشکل ہو گئی۔ حجاج نے اپنی داد و دہش میں ان کو بھی شامل کر لیا۔ احسان کا بدلہ احسان۔ ملازمین نے بھی غیر ضروری سختی ترک کر دی۔ مصالحت سے کام چلنے لگا۔ حکومت نے بھی کوئی مداخلت نہ کی۔ حجاج خوش رہے۔ ملازمین کا بھی کچھ بھلا ہو گیا۔ اور حکومت کے انتظام میں بھی کوئی قابل لحاظ خلل واقع نہیں ہوا۔ رعایت، مروت تو ہر جگہ کا معمول ہے۔ کوئی ایسی نوبت نہیں آتی تھی کہ قابل اعتراض اور قابل گرفت ہو۔

ابتدا میں سرکاری ملازمین اور خاص کر حکومت کے ہم قبیلہ لوگوں کا خیال تھا کہ بس وہی موحد ہیں۔ دین دار ہیں۔ دینی معاملات میں خدائی فوجدار ہیں۔ اب وہ بات نہیں رہی۔ تجربہ سے سمجھ گئے کہ حجاج بھی حسن سلوک کے حق دار ہیں۔ مفلس ہیں یا مالدار ہیں۔ اپنی آمدنی کے یہی مدار ہیں۔ غرض فی الحال ملازم نادار ہیں۔ لاچار ہیں۔ حجاج کے ساتھ روادار ہیں پھر بھی حکومت کے فرماں بردار ہیں۔ وفادار ہیں۔

(۶) خارجی تعلقات

حکومت کا چوتھا ربط دول خارجیہ سے ہے۔ یہ بھی قابل احتیاط ہے۔ حال میں اسلامی سلطنتوں کو عیسائی حکومتوں سے جہاں جہاں زک پہنچی۔ اس کا واحد راز قرضہ کا لین دین تھا۔ اب تک وہی سلسلہ جاری ہے۔ قرضہ دینا اور قبضہ کرنا۔ یہی دول یورپ کا طریق ملک گیری ہے۔ اور اسی طرح اسلامی سلطنتوں میں رخنے پڑے۔ تعجب ہے کہ حکومت حجاز نے کوئی عبرت نہ لی۔ دور اندیشی نہ کی۔ اور سنا ہے کہ خدانخواستہ باہر سے قرض لے لیا وہ بھی کمی

فصل ۶

پوری کرنے اور کام چلانے کے واسطے لیا۔ اس طرح کب تک کام چلے گا۔ یہ تو کام تمام ہونے کی صورت ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ اور قرض ستانی کی بلا سے نجات دے۔ بالعموم قرضوں کے معاوضے میں کاروباری رعایات کا مطالبہ ہوتا ہے۔ ہم کو فلاں بندرگاہ مل جائے۔ فلاں مقام مل جائے۔ معدنیات کا ٹھیکہ مل جائے۔ قدم جمانے کا موقع مل جائے۔ چنانچہ غلط یا صحیح مسلمانوں کو یورپ والوں کی طرف سے بڑا خدشہ ہے کہ خدانخواستہ وہ حجاز میں قدم نہ بڑھائیں۔ پیر نہ پھیلائیں۔ حکومت حجاز کو بھی اس بارہ میں سخت احتیاط لازم ہے۔

حجاز تمام مسلمانانِ عالم کا مرکز ہے۔ حکومت کے پاس وہ امانت ہے اگر امانت محفوظ ہے تو الحمد للہ چشم ما روشن دلِ ما شاد۔ اور اگر خدانخواستہ امانت داری میں کوئی خامی ہے۔ کوتاہی ہے۔ تو امانت کی حفاظت تمام مسلمانوں پر لازم ہے۔ سب سے بہتر اور آسان تو یہی ہے کہ کوئی ایک حکومت اس کی ذمہ دار اور خدمت گزار رہے۔ اور سب مسلمان اس کے حامی و مددگار رہیں۔ ورنہ بصورت دیگر وہاں ایک اسلامی جمہوریت قایم ہو۔ تمام اسلامی حکومتیں اس میں شریک رہیں۔ دستور و آئین انتخاب و اتحاد پر جمہوریت مبنی ہو۔ مسلمانوں کی اجتماعی قوت اس امانت کی نگہبان ہو جائے مگر صورت اول بہتر ہے ؎

دنیا کے بُت کدوں میں پہلا وہ گھر خدا کا
ہم پاسباں ہیں اُس کے وہ پاسباں ہمارا

(۷) معاشی مسائل

سیاسی امور کے بعد اب معاشی معاملات کو لیجیے۔ وہ بھی کچھ کم اہم نہیں ہیں۔ ترکی

فصل ۶ حکومت نے حجاز کو کبھی ذریعہ آمدنی نہیں بنایا۔ اس کی آمدنی کو کبھی ہاتھ نہیں لگایا۔ وہاں کی آمدنی تو درکنار۔ الٹا اپنے خزانوں کو وہاں لا لا کر لٹایا۔ بلا مبالغہ کروروں روپیہ حرمین شریفین کی نذر ہوتا تھا۔ اس داد و دہش سے اہل ملک خوشحال اور مالا مال تھے۔ موجودہ حکومت کسطرح اس کی اتباع کر سکتی ہے۔ اس کے پاس حجاز کے سوا اور کیا ہے۔ اور وہ بھی حال میں ملا ہے۔ اس کے قبضہ میں نہ متعدد ملک ہیں۔ نہ بڑے بڑے خزانے ہیں۔ نہ قدیم اندوختے ہیں۔ نہ کثیر اوقاف ہیں۔ وہی کنواں کھودنا۔ پانی پینا۔ کنویں کی مٹی کنویں کو لگانا اور کام چلانا۔ اس کو اپنا پورا خرچ حجاز کی آمدنی سے نکالنا پڑتا ہے۔ تو لامحالہ اہل ملک کو خلافِ عادت معلوم ہوتا ہے۔ گراں گزرتا ہے۔ حکومت اگر ملک کی آمدنی میں حصہ نہ لگائے تو خرچ کہاں سے لائے۔ البتہ کس حد تک حصہ نکالے یہ امر ضرور قابل غور ہے۔ یہ شکایت صحیح ہے کہ فی الحال حکومت آمدنی کا بڑا حصہ خود لے رہی ہے۔ اور رعایا کو بہت تھوڑا حصہ ملتا ہے۔ حجاج کے اخراجات جس طرح سرکاری طور پر معین ہیں۔ اس سے اس شکایت کی تصدیق ہوتی ہے۔ اس سے بڑھ کر قابل توجہ شکایت یہ ہے کہ وہ آمدنی بھی سرکاری خزانے میں نہیں جاتی کہ ملک کی ترقی و بہبودی پر صرف ہو۔ بلکہ بیشتر حصہ حضرت جلالۃ الملک کے ذاتی شاہی خزانے میں جمع ہوتا ہے۔ حجاج کی آمدنی کا بڑا حصہ کوشاں ہے۔ اور اس کا بڑا حصہ شاہی حق متصور ہوتا ہے۔ البتہ کروڑگیری اور زمینوں کا محصول سرکاری خزانے میں جاتا ہے۔ سو دونوں کا انتظام ناقص ہے۔ آمدنی ناکافی ہے۔ نتیجہ یہ کہ رعایا کو اور نیز سرکاری ملازمین کو بہت تھوڑا حصہ ملتا ہے۔ معاش کی

تنگی ہے۔ البتہ شاہی خزانہ اشرفیوں سے معمور بیان کیا جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ فصل ۶
غلط فہمی ہو یا مبالغہ ہو۔ لیکن یہ خیالات ضرور لوگوں کے دلوں میں بھرے
ہوئے ہیں اور اسی لحاظ سے قابل ذکر ہیں۔ ان خیالات کی کچھ اصلیت ہو
یا اصلیت نہ ہو۔ حکومت ضرور ان کی اصلاح کرے۔ عام خیالات سے
بڑے بڑے واقعات ہوئے ہیں۔ اور ہو رہے ہیں۔ یوں تو اور بھی وزرا
ہیں۔ امرا ہیں لیکن حکومت کی خوش قسمتی ہے کہ حضرت الفاضل عبداللہ
سلیمان جیسے مدبر وزیر مالیہ ہیں۔ اور جلالۃ الملک کے معتمد علیہ ہیں۔ ان
ہی کے ذریعے حجاج کو حکومت سے ربط پیدا کرنے کا زیادہ موقع ملتا ہے۔
یہی ایک قسم کا واسطہ ہیں۔ پھر ما شاء اللہ۔ سمجھدار۔ تجربہ کار ہیں۔
خدا کرے مالی انتظامات کے سدھارنے اور سنبھالنے میں انکو کامیابی ہو۔

اصلاح کی کارگر تدبیر یہ ہے کہ حکومت دیگر ترقی یافتہ ممالک کی طرح
اپنا سالانہ موازنہ تیار اور شایع کرے۔ اس میں محاصل و مخارج کی ضروری
کیفیت پیش کرے۔ غلط فہمی خود رفع ہو جائے گی۔ فی الحال حجاج کے
چند محاصل کی شرحیں شائع ہوتی ہیں۔ اور کچھ پتہ نہیں چلتا کہ کیا آمدنی
ہوئی اور کیا خرچ رہا۔ مالی استحکام کے واسطے لازم ہے کہ حتی الوسع
مخارج محاصل کے اندر رہیں۔ تجاوز نہ کریں۔ قرض ستانی سے احتراز
کیا جائے۔ خصوصاً اہل مغرب سے کسی حال میں قرض نہ لیا جائے۔
لین دین کے بہانے یہ ہمیشہ ملک میں عمل دخل پیدا کر لیتے ہیں۔ اگر
قرض لیا بھی جائے تو مسلمانوں سے لیا جائے۔ فن کے اعتبار سے قرضہ کی
دو قسمیں مانی جاتی ہیں۔ ایک پیداآور دوسری غیر پیداآور۔ پہلی قسم سے
مراد وہ قرضہ ہے جو ملک کی معاشی ترقی کے واسطے لیا جائے اور جس سے

فصل ۶ عنقریب محاصل میں کافی اضافہ ہو جائے۔ مثلاً وہ قرضہ جو ذرائع آبپاشی اور ذرائع نقل وحمل کی تعمیر میں صرف ہو۔ دوسری قسم سے مراد وہ قرضہ ہے جو مالی دقتوں کی مجبوری سے لیا جائے۔ اور جس کے صرف سے محاصل میں کوئی اضافہ نہ ہو۔ مثلاً وہ قرضہ جو موازنہ کی کمی پورا کرنے میں یا جنگ میں صرف ہو۔ خاص شرائط کے ساتھ پیدا آور قرضہ مفید سمجھا جاتا ہے۔ لیکن غیر پیدا آور قرضہ مسلمہ طور پر مضر ہے۔ اور سخت عارضی مجبوری کے سوا معمولاً کسی حال میں درست نہیں۔ ورنہ محاصل کم ہوتے ہوئے مخارج بڑھا کر رکھنا اور قرض لے لے کر کمی پوری کرنا۔ کام چلانا تو گویا اپنا کام تمام کرنا ہے۔

مسلمانوں سے قرض لینے میں سود کا سوال پیش آئے گا۔ ہو سکے تو حصص کے ذریعہ اس کو منافع میں تبدیل کر دیں۔ پھر کوئی اعتراض نہیں رہتا لیکن اس میں کاروباری اعتماد واستحکام کی ضرورت ہے۔ چنانچہ اسی سال دو معاشی منصوبے سننے میں آئے۔ ایک تو یہ کہ جدہ سے مکہ معظمہ تک ریلوے تعمیر کی جائے۔ اور حصص کے ذریعہ رقم مہیا ہو۔ دوسرے یہ کہ حجاز میں ایک بنک قائم کیا جائے۔ جس میں مسلمانوں کا سرمایہ کام کرے۔ پہلی تجویز کاروباری لحاظ سے غور طلب ہے۔ جدہ سے مکہ تک تخمیناً پچاس ساٹھ میل کا فصل ہے۔ اونٹ دو روز میں اور موٹر لاری دو تین گھنٹے میں معمولاً پہنچ جاتی ہیں۔ نادار حاجی پیدل بھی آتے جاتے ہیں۔ آمد ورفت صرف حج کے زمانہ میں دو چار ماہ کافی رہتی ہے۔ باقی کچھ نہیں۔ تجارتی مال کی نقل وحمل بھی زیادہ نہیں ہے۔ ایسی صورت میں ریل کا ضروری اور بامنفعت ہونا کاروبار کے لحاظ سے بہت مشتبہ ہے۔ فن معاشیات کو ایسی تجاویز کی تائید میں تامل ہے۔ رہا بنک۔ اس کی ضرورت تو ظاہر ہے۔

مسلم ہے۔ لیکن شرط یہی ہے کہ وہ کاروبار کو ترقی دے۔ مفلسی کے قرضے نہ دے فصل ۶
اس لئے کاروبار سے سود کی الجھن نکالنا بہت دشوار ہے۔ علما کا یہ کام ہے کہ وہ اس مسئلہ کو طے کریں کہ آیا بنک کے کاروباری سود پر ربا کا اطلاق ہوتا ہے یا نہیں۔

ہندوستان کا تو حال یہ ہے کہ یہاں مسلمان بلا تکلف قرض لیتے ہیں سود دیتے ہیں۔ البتہ قرض دے کر سود نہیں لیتے۔ حتیٰ کہ جو رقم بنک میں رکھتے ہیں۔ ان کے سود سے بھی دست بردار ہو جاتے ہیں۔ اور وہ سود بالعموم عیسائی انجمنوں کو ان کی تبلیغ کی امداد کے واسطے مل جاتا ہے۔ اس طرح مسلمانوں کی طرف سے عیسائی مشنوں کو لاکھوں کی امداد ملتی ہے۔ اور خود اسلامی انجمنیں روپے کو ترستی ہیں۔ فی الحال یہ اصول نظر آتا ہے کہ سود لینا ہر شکل میں ناجائز۔ اور سود دینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ سودی قرضے لینا مسلمانوں کا قومی شعار بن گیا ہے۔ اسی کی بدولت ملک و جائداد کھو بیٹھے۔ اور جن لوگوں کے پاس پیسہ ہے۔ وہ زمینداری کے سوا تجارت۔ لین دین اور بنکوں سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ اسلام میں ربا تو صریحاً حرام ہے لیکن ربا کے معنے مطلب میں بعض لوگوں کو کلام ہے۔ اور اس کا تصفیہ علما کا کام ہے۔ قدیم تصفیہ تو یہی ہے کہ سود ہر شکل میں حرام ہے لیکن موجودہ کاروباری شکلیں قدیم زمانہ میں نامعلوم تھیں۔ اس لئے بعض لوگ قومی ہمدردی کے خیال سے کوشاں ہیں کہ مروجہ سود کے جواز کی کوئی شرعی شکل نکل آئے۔ ورنہ مسلمان لین دین اور بنکوں سے الگ رہیں تو برا ہے۔ اور اگر عمداً خلاف شریعت سود خوری کریں تو بھی برا۔ اور فی الحال جو سود دے کر تباہ ہو رہے ہیں۔ وہ سب سے برا۔

فصل ۶

(۸) موٹر لاریاں

حجاز میں موٹروں کا لاریوں کا رواج چند سال میں بہت بڑھ گیا ہے۔ معاشی لحاظ سے یہ بھی قابل غور ہے۔ آمد و رفت میں تو بیشک بہت سہولت بڑھ گئی۔ جدہ سے مکہ معظمہ اونٹوں پر دو روز میں پہنچتے تھے۔ اب موٹر دو گھنٹے میں پہنچتے ہیں۔ علیٰ ہذا مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تک معمولاً ۱۲-۱۳ روز کا سفر تھا اب لاریوں میں معمولاً دوسرے تیسرے دن پہنچ جاتے ہیں۔ اس سفر کی جو کیفیت ہے وہ قبل ازیں بیان ہو چکی ہے۔ تاہم وقت کی کفایت بہرصورت مسلم ہے۔ نتیجہ یہ کہ حجاج جلدی کی خاطر موٹر اور لاریوں پر گرتے ہیں۔ البتہ جن کو استطاعت کم ہے وہ بادل ناخواستہ اونٹوں پر سفر کرتے ہیں۔ بہت کم ہیں جو سنت کی خاطر اونٹ پسند کرتے ہیں۔ سال بسال موٹر اور لاریوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اس حساب سے پٹرول کا خرچ بھی بڑھ رہا ہے یہ سب سامان کہاں سے آتا ہے۔ اور ان کی قیمت کہاں جاتی ہے۔ سب کو معلوم ہے۔ امریکہ اور یورپ مالا مال ہو رہا ہے۔ حجاز میں ان کا بازار گرم رہا ہے۔ حجازیوں کو کیا حصہ ملتا ہے۔ شوفروں کی تنخواہ۔ کمپنی والوں کا چند فی صدی منافع اور ایجنٹوں کا چند فی صدی کمیشن بس یہی ان کا حصہ ہے۔ باقی لاکھوں روپیہ کی رقم ہر سال غیر ممالک کو جاتی ہے۔ اور حاجیوں کی جیب سے جاتی ہے۔ حجاز کی موجودہ تجارت خارجہ بڑی حد تک یک طرفہ ہے۔ یعنی مال درآمد ہوتا ہے۔ برآمد نہیں ہوتا۔ اور درآمد کی قیمت بشکل زر ادا ہوتی ہے۔ اہل فن بخوبی واقف ہیں کہ یہ صورت کس درجہ مضرت رساں ہے۔ اور اس کا انجام افلاس و تباہی ہے۔ چونکہ نیا نیا معاملہ ہے۔ نیا نیا شوق ہے۔ کام چل رہا ہے انجام کی فکر نہیں ہے۔ لیکن آثار نمودار ہو رہے ہیں۔ ملک میں بے کاری اور

ناداری بڑھ رہی ہے۔ اونٹ کے ساتھ متعدد صنعتیں وابستہ تھیں۔ شغدف فصل ۶
شبری۔ چٹائی۔ بوریا۔ دری۔ کمبل۔ سیڑھی۔ رسی۔ ڈول مشکیزہ۔ زنبیل چراغ
اونٹ کے سفر میں یہ سب سامان درکار ہوتا تھا۔ اور یہ بیشتر ملکی پیداوار تھا۔
اس کے ذریعہ ہزاروں کی پرورش ہوتی تھی۔ جب اونٹ بیکار ہو گئے تو پھر
سامان کا کیا ذکر ہے۔ صنعتیں بھی مر گئیں۔ بیکاری کا دورودورہ ہے۔ اگر
خدانخواستہ یہی لیل و نہار ہیں تو خدا خیر کرے۔

اگر یہ عذر کیا جائے کہ موٹروں کا رواج ترقی کے واسطے لازم ہے۔
اونٹ پر صبر کرنا سست رفتاری کی دلیل ہے۔ تو پھر ضرور ہے کہ ملک میں
دوسری صنعتوں کو اس قدر ترقی دی جائے اور جلد ترقی دی جائے کہ بیکار
لوگ کام سے لگ جائیں۔ اور ان جدید مصنوعات کی برآمد اس قدر بڑھے
کہ درآمد کے ساتھ توازن قائم ہو جائے۔ مال کے بدلے مال دیا جائے۔
موجودہ یک طرفہ تجارت میں جو سیم و زر ملک سے جا رہا ہے۔ یہ رک جائے
اور ملک تباہی سے بچ جائے۔

(۹) تجارت

ہر سال حرمین شریفین میں چاردانگ عالم کے
مسلمان جمع ہوتے ہیں۔ اور تین چار ماہ خوب
ہجوم رہتا ہے۔ تجارت زور و شور سے چلتی ہے۔ مقامی ضروریات کے
سوا۔ حجاج اپنی اپنی حیثیت کے موافق تبرکات اور تحائف بھی خریدتے
ہیں۔ گھروں کو ساتھ لاتے ہیں۔ اس طرح لاکھوں روپیہ کا مال فروخت
ہوتا ہے۔ لیکن کس درجہ افسوس ہے کہ بیشتر سامان بدیسی بالخصوص یورپی
ہوتا ہے۔ تاجر جو کچھ منافع کما لیں ان کی قسمت۔ لیکن مقامی صنعتوں کو اس
تجارت سے کچھ حصہ نہیں ملتا۔ آجکل تو یہ حالت ہے کہ عام سوتی کپڑا

فصل ۶ جاپان کا ریشم فرانس و انگلستان کا۔ اس میں کچھ حصہ ملک شام کا۔ دریاں ہندوستان کی۔ قالین ایران کے۔ تسبیحیں آسٹریا کی۔ اور فلسطین کی۔ کتابیں مصر کی۔ رنگین جانمازیں۔ انگلستان و جاپان کی۔ انگریزی جوتے بیتا بیے۔ چھاتے۔ سامان خور و نوش بسکٹ۔ جام۔ میوے۔ مکھن۔ پنیر بساط خانہ کا کل سامان۔ قلم۔ روشنائی۔ کاغذ۔ خوشبودار تیل۔ عطر۔ صابن اور طرح طرح کی پیٹنٹ دوائیاں۔ سب دیگر ممالک سے آتی ہیں۔ اور ترقی تمدن کے ساتھ ان کی درآمد بڑھ رہی ہے۔ یونانی مطب تو خدا جانے کس کونہ میں پڑے ہونگے۔ انگریزی دواخانے خوب چل رہے ہیں۔ طبیبوں کا نام تو کم سنا لیکن ڈاکٹر لوگ خاصے مشہور ہیں۔ عام و خاص کا رجحان ان ہی کی طرف ہے۔

(۱۰) مقامی پیداوار

مقامی پیداوار میں مکہ معظمہ سے آب زمزم اور غلام شریف لیتے ہیں اور مدینہ منورہ سے کھجوریں اور خاک شفا۔ اونی کمبل بھی تیار ہوتے ہیں لیکن وہ زیادہ تر مقامی صرف میں آتے ہیں۔ باہر کم جاتے ہیں۔ حاصل کلام یہ کہ مسلمانان عالم حجاز میں جو کچھ خرید و فروخت کرتے ہیں۔ اس کی بیشتر رقم دیگر ممالک کو چلی جاتی ہے۔ کچھ حصہ برائے نام حجازیوں کو بھی مل جاتا ہے۔

حال میں ایک صنعتی مدرسہ حکومت نے طائف میں قایم کیا ہے۔ وہاں اونی کمبل اور قالین بننے کا کام سکھاتے ہیں۔ اہالی حیدرآباد کے اہتمام سے ایک صنعتی مدرسہ خاص مدینہ منورہ میں قائم ہوا ہے۔ وہاں سوت کاتنا اور کپڑا بننا سکھاتے ہیں۔ خیال یہ ہے کہ دیسی کپڑے کے احرام تیار کر کے حجاج کو دیئے جائیں۔ اس طریق سے صنعت پارچہ بافی کو ترقی ہونے کی خاصی

امید ہے۔ خیر۔ بافندگی کے سوا اور بھی صنعتیں ہیں جو توجہ کی محتاج ہیں مثلاً فصل ۶
مدینہ منورہ کی کھجوریں اپنی خوبیوں کے لحاظ سے بلا مبالغہ دنیا میں بہترین ہیں۔
اور ان کی متعدد قسمیں ہیں۔ قرب وجوار میں دور دور تک نخلستان ہیں۔ ان
میں مزید توسیع ممکن ہے۔ اگر جدید طریق پر باقاعدہ ان کو ڈبوں میں جما کر
بہ سبیل تجارت باہر بھیجا جائے تو لاکھوں روپیہ کی تجارت بآسانی ممکن ہے
صرف تھوڑی سی اولوالعزمی اور تنظیم کی ضرورت ہے۔ اس قسم کی تجارت
عراق نے شروع کر دی ہے۔ اور بصرہ کی کھجوروں کے ڈبے ہندوستان کے
بازاروں میں بکثرت دستیاب ہوتے ہیں۔

علیٰ ھذا حجاز میں دنبوں اور بکروں کی بہت کثرت ہے۔ ہر سال
حج کے موقع پر لاکھوں قربان ہوتے ہیں۔ ان کی کھالیں دھونے اور رنگنے
کا اہتمام کیا جائے تو دباغت کا بہت بڑا کارخانہ قائم ہو سکتا ہے۔ اور ببول
جو اس صنعت میں بہت درکار ہے حسن اتفاق سے ملک میں کافی ملتا ہے۔
اور اس میں اضافہ ہو سکتا ہے۔ چمڑا رنگنے کے بعد چرمی صنعتیں بھی جاری
ہو سکتی ہیں۔ جوتے۔ ہینڈ بیگ۔ سوٹ کیس۔ سب کچھ تیار ہو کر باہر جا سکتے
ہیں۔ علیٰ ہذا حجاز میں اون بہت وافر اور ارزاں ہے۔ اون کی صنعت
اور تجارت کی بہت گنجائش ہے۔

کامران۔ جدہ اور رابغ میں دریائی گھونگے۔ سیپیاں بکثرت ملتی ہیں
اور نہایت ارزاں ملتی ہیں۔ غریب بدو ان کی قدر کیا جانیں۔ انکو ساحل
پر یہ چیز مفت ملتی ہے اور وہ کوڑیوں کے مول دے دیتے ہیں۔ کوئی حاجی
خریدے تو ان کا احسان مانتے ہیں۔ لیکن ان دریائی چیزوں میں صنعت
کی بہت گنجائش ہے۔ بعض لوگ چپ کے چپ کے یہ تجارت کرتے ہیں۔ اور

فصل ۶ خوب نفع کماتے ہیں۔ پیسہ کی چیز دیگر ممالک میں روپے دلاتی ہے۔ خود اپنا تجربہ ہے۔ ایک ایک آنے کے حساب سے کئی بڑی سیپیاں کامران میں لی تھیں ہندوستان میں آکر معلوم ہوا کہ عطاروں کے ہاں سیپ کا عام نرخ کم از کم ایک آنہ فی تولہ ہے۔ ایک ایک سیپ کا وزن نصف نصف سیر کے قریب تھا۔ گویا یہاں ایک ایک کی قیمت تقریباً عہ/ عہ/ ہوگئی۔ اور یہ تو دواؤں کے حساب میں ہے۔ صنعت میں اس سے بھی زیادہ رقم وصول ہو سکتی ہے۔ سیپ کے بٹن کس درجہ مقبول ہیں۔ اور انکی کتنی قیمت وصول ہوتی ہے۔

علی ہذا حجاز کے بعض علاقوں میں روغن بلسان قدرتی طور پر بکثرت پیدا ہوتا ہے۔ اور یہ بڑی مفید دوا ہے۔ طب میں اس کے عجیب و غریب خواص مسلم ہیں۔ زخموں کے اندمال میں تو اکسیر کا کام دیتا ہے۔ مقوی بھی بہت ہے بدو لوگ خوشامدیں کرکے حاجیوں کے ہاتھ فروخت کرتے ہیں۔ اگر کوئی اسکی باقاعدہ تجارت کرے تو بہت کچھ ترقی کی گنجائش ہے۔

(۱۱) خلاصہ خلاصہ یہ کہ مسلمان حج و زیارت کرآئیں اور بے فکر ہو جائیں۔ حجاز کے ساتھ یہ تعلق کافی نہیں۔ بلکہ حجاز اسلامی مرکز ہے۔ مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ حکومت حجاز کا ہاتھ بٹائیں۔ درمے۔ قدمے۔ قلمے۔ سخنے حکومت کی امداد کریں اور حکومت پر بھی واجب ہے کہ وہ مسلمانوں کے مشورہ پر کان دھرے اور ان کے تعاون سے فائدہ اٹھائے دونوں جانب اخلاص ہو تو خیر و برکت یقینی ہے۔ ان شاء اللہ وما توفیقنا الا باللہ۔

فصل ہفتم

حجاز تا ہند

(۱) مدینہ منورہ سے رخصت

مدینہ منورہ میں ایک ماہ تین روز قیام رہا۔ لیکن جب رخصتی کا دن آیا تو یہ قیام خواب سا معلوم ہوتا تھا کہ گویا کہیں کی جھلک دیکھ لی۔ پھر وہی جدائی۔ وہی فراق۔ باطن جو کچھ بھی ہو۔ اس عالم میں ظاہر سے مفر نہیں بلکہ ظاہر باطن پر مقدم ہے کہ ظہور کامل تر ہے۔ گرچہ عادت و لاعلمی کے پردے میں نظروں سے مستتر ہے۔ اولیاء اللہ ہزار فنا فی الرسول ہوں۔ تمنا یہی کہ مدینہ منورہ حاضر ہوں آستانۂ اقدس پر حاضر ہوں۔ اس شرف صحبت کا کیا کہنا جو صحابۂ کرامؓ کو اس عالم میں حاصل ہوا۔ ورنہ یوں اپنی ترنگ میں دیوانے کہاں کہاں پہنچتے ہیں۔ لیکن مقام مقام جدا۔ ہر مقام کے احکام جدا۔

ایک ماہ فی الجملہ خاصے قاعدے قرینے سے بسر ہوئی۔ لیکن بتدریج طبیعت کا رنگ بدلتا گیا۔ بالآخر نوبت یہ کہ وضع احتیاط سے گھٹنے لگا تھا دم۔ اور جب رخصتی کا دن آیا تو جی چاہتا تھا کہ جائیں تو ع

دھجیاں جیب و گریباں کی اڑاتے جائیں

گویا۔ تماشہ بنیں اور تماشہ بنائیں۔ مئی (۱۹۳۲ء) کی ۱۹ تاریخ جمعہ کا دن تھا۔

فصل ۲ جدائی کا دن تھا۔ جون کا دن تھا۔ آج صبح کی حاضری میں کچھ اور ہی رنگ تھا۔ مواجہ شریف میں بھی اور جنت البقیع میں بھی۔ رخصتی کا یہی خاص وقت تھا۔ درد و راحت اضطراب و تسکین کے عجب دور دل پر گزرے۔ شک ظن اوہام ہزار مزاحم ہوں۔ لیکن ایمان و ایقان کے سامنے کیا جمتے۔ رفو چکر ہوئے۔ نور سے ظلمت کافور ہوئی۔ اور دل کا مدعا حاصل ہوا۔ فالحمد للہ علی احسانہ بعدد کلما تہ دائماً ابداً۔

پھر بھی ہم کہیں۔ دل کہیں۔ زیارات سے رخصت ہو کر طلوع آفتاب کے بعد قیام گاہ پر آئے۔ بھوک تیز مگر ناشتے کو جی نہ چاہے۔ دل اُمڈا جائے۔ اتنے میں دن چڑھ گیا۔ سامان سفر تو پہلے ہی درست کر لیا تھا۔ باقی جو سنگوانا تھا باندھنا تھا یہ کام اب کیا۔ سفر کی تیاری ہو گئی۔ نماز جمعہ کا وقت قریب آگیا۔ اول ہی وقت حرم نبوی میں جا بیٹھے۔ پھر خدا جانے بیٹھنا کب نصیب ہو ؎

رخصت اے اہل وطن ہم تو سفر کرتے ہیں
در و دیوار پہ حسرت سے نظر کرتے ہیں

مواجہ شریف میں خوب درود خوانی ہوتی رہی کہ اذان ہوئی۔ خطبہ شروع ہوا۔ جماعت کھڑی ہوئی۔ نماز ختم ہوئی۔ مواجہ شریف میں زائرین کا ہجوم ہوا۔ صلوٰۃ و سلام کا دور چلا۔ جو آج رخصت ہو رہے تھے۔ انھوں نے رخصتی کے سلام پڑھے۔ پھر حرم شریف خالی ہو گیا۔ وہی سعودی سپاہی۔ اور خدام حرم اور مساکین جو حرم شریف میں زیادہ ٹھہرتے ہیں۔ ادھر ادھر بیٹھے رہ گئے۔

(۲) بارگاہ نبوی میں آخری سلام

روا روی میں رخصتی منظور نہ تھی۔ جب ہجوم ختم ہوا سکون ہوا۔ تو اس خادم کی باری آئی۔ ہمارے مدنی میزبان اور بعض احباب بھی

ساتھ تھے۔ دستور یہ ہے کہ مدینے کے معلم رخصت کے وقت اپنے اپنے زائرین فصل ۶
کو مواجہ شریف میں رخصتی کا سلام پڑھواتے ہیں۔ عجب کیفیت ہوتی ہے۔
ہم بھی اپنے معلم کے ساتھ مواجہ شریف میں حاضر ہوئے کہ رخصتی کا سلام پڑھیں
لیکن بفضلہ حرم نبوی میں اپنا تعارف اور تعلق بہت عام تھا۔ جتنے معلم
اس وقت موجود تھے۔ سب آ شریک ہوئے۔ اور سب نے مل کر رخصتی کا
سلام پڑھانا شروع کیا۔ یہ منظر دیکھ کر دوسرے خدام بھی مساکین بھی حتیٰ
کہ سعودی سپاہی بھی ہر طرف سے سمٹ آئے۔ قطار در قطار حلقہ بنا کر
کھڑے ہوگئے۔ پھر جو دلوں پر رحمت کی گھٹا چھائی۔ اور کرم کی بارش ہوئی
تو دلوں سے ابل کر آنکھوں سے بہہ نکلی۔ مدنیوں کا تو ذکر کیا کہ محبت کے
پتلے ہیں۔ سعودی سپاہی کھڑے رو رہے تھے۔ منہ آنسوؤں سے دھو
رہے تھے۔ بیساختہ دل قربان ہو رہے تھے کہ جس کے آستانے پر حاضر
ہیں وہ رَحْمَۃٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ہے۔ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ہے۔
سُبحان اللہ وبحمدہ۔

بارگاہ اقدس سے رخصت ہوتے وقت سیدنا صدیق اکبرؓ اور فاروق
اعظمؓ سے بھی رخصت ہوئے کہ دین وملت کے کاموں کو کیسا سنبھالا۔ کیسا
عروج ہوا ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنجِيلِ (پ۲۶)
پھر رحمت کے اس سیلاب میں بہتے ہوئے۔ مواجہ شریف سے گھوم کر جالی
مبارک کے دائیں جانب پہنچے تو جگر پارۂ رسول سیدنا فاطمہ بتول کے در پر
حاضر ہوئے۔ دل اور بھی بے قابو ہو گیا۔ اللہ اکبر۔ خاتون جنت
کا مسکن۔ پنجتن پاک کی محفل۔ دیکھنے کو کیسی ناداری نامرادی۔ اور دیکھو
تو انعام واحسان کی حد نہیں۔ ظاہر و باطن میں فیضان کے چشمے ابل

فصل ۶ رہے ہیں۔ عبدیت کے کیسے چمن لگے ہیں۔ پھول کھلے ہیں کہ رنگ و بو نے کونین کو مزین و معطر کر دیا ہے۔ سبحان اللہ و بحمدہ ؎

خدایا بحق نبی فاطمہ رض کہ بر قولِ ایماں کنم خاتمہ
دعایم اگر رد کنی ور قبول من و دست و دامان آلِ رسول

(۳) روانگی کی کھٹ پٹ

بالآخر آستانوں سے رخصت ہو چکے تو حرم شریف میں دعا سلام۔ مصافحہ۔ معانقہ کا سلسلہ چلا۔ پھر بھی حرم شریف سے چلے تو احباب ساتھ ساتھ ہجوم پیچھے پیچھے۔ ان میں مساکین بھی موجود تھے۔ جی چاہتا تھا یہ سب مل کر لوٹ لیں۔ اس موقع کے واسطے قرش اور چھوٹی مجیدیوں سے واسکٹ اور کوٹ کی جیبیں بھر لی تھیں۔ جہاں تک مقدرت تھی۔ مساکین کی تواضع کی۔ حرم شریف سے کچھ فاصلہ پر لاری کھڑی تھی۔ سب مسافر پہنچ چکے تھے۔ ہمارا انتظار تھا کہ ہم بھی جا پہنچے۔ اول تو ہم دیر سے پہنچے۔ دوسرے ہمارے ملی معلم میں اور لاری کے شوفر میں سامان رکھنے نہ رکھنے پر جھگڑا ہو گیا۔ خوب تکرار چلی۔ معاملہ کمپنی (الفلاح) تک پہنچا۔ بہت رد و کد کے بعد کچھ تصفیہ ہوا۔ پھر بھی شوفر بہت چراغ پا تھا۔ مسافروں کو خوف ہوا کہ سفر میں بسم اللہ ہی غلط ہوئی۔ شوفر کا غصہ خدا معلوم کیا کیا رنگ لائے کیسے جھکولے کھلائے۔ بہر حال عصر کے آخر وقت مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے کہ چند میل باہر نکل کر نماز مغرب ادا کی۔

حج و زیارت سے فارغ ہونے کے بعد قدرتاً حاجیوں میں دوا دوش ہوتی ہے کہ جلد جدہ پہنچیں۔ اور جلد جہاز میں جگہ مل جائے تو جلد وطن جا پہنچیں۔ ہر طرف ہلچل۔ ہر طرف چل چلاؤ۔ ہر طرف جلدی۔ عجب منظر ہوتا ہے

فصل ۲

درجۂ اول کے مسافروں کو مزید تردد یہ کہ بالعموم جہاز میں چند کیبن درجۂ اول کے ہوتے ہیں۔ وہ بھر جائیں تو دوسرے جہاز کا انتظار کرو۔ کیبن میں جگہ حاصل کرنے کی شرط یہ کہ جدہ پہنچکر بذات خود خان بہادر احسان اللہ صاحب (وائس کونسل) سے ملو۔ جگہ محفوظ کراؤ۔ یہ نہیں کہ خط لکھ دیا۔ تار بھیج دیا اور جگہ محفوظ ہوگئی۔ غرض کہ عجب کشمکش۔ جن کے دل میں حرمین شریفین کی محبت غالب ہو وہ آخر وقت وہاں سے نکلتے ہیں۔ کیسے بادل ناخواستہ نکلتے ہیں۔ روتے تڑپتے نکلتے ہیں۔ اور یہی لطف بھی ہے کہ یہ عشق کی راہ ہے۔ اب جو چلے تو لاریوں کے ہاتھ بات رہتی ہے۔ کبھی کبھی گھنٹوں منٹوں کی تاخیر سے جدہ میں دنوں اور ہفتوں کی تاخیر بھگتنی پڑتی ہے۔ اسی خوف سے فکر ہوتی ہے کہ خدا کرے لاری وقت پر پہنچ جائے۔ جو جہاز پہلے روانہ ہو اسی میں جگہ مل جائے۔

(۴) شوفر کی موافقت

مسافر۔ شوفر کی برہمی سے متردد تھے۔ ہم نے نماز مغرب تو پڑھ لی۔ مگر وظیفہ ملتوی رکھا کہ لاری میں پڑھ لیں گے۔ مقصود یہ تھا کہ وقت نکال کر روانگی سے قبل شوفر سے دو دو بات کرلیں۔ کیا عجب ہے دل مل جائے۔ کشیدگی رفع ہوجائے۔ چنانچہ نماز سے نمٹتے ہی ہم شوفر کی طرف بڑھے۔ السلام علیکم! وعلیکم السلام۔ یا اخی کچھ اردو جانتے ہو؟ تورا تورا اردو آتا ہے۔ تمہارا کیا اسم ہے؟ محمد مدنی۔ سبحان اللہ کیا پیارا نام ہے۔ کب سے مدینہ تمہارا وطن ہے؟ امارا والد ہندوستانی تھا۔ ام مدینہ میں پیدا ہوا۔ امارا والدہ مدینہ رہتا۔ تم کتنی مدت سے شوفر کا کام کرتے ہو؟ ام بوت دن سے یہ کام کرتا ہے۔ ماشاء اللہ پھر تو تم

فصل ۶ جید شوفر ہو گے۔ تم حسن الدین چغتائی کو جانتے ہو؟ وہ تو شوفروں کا استاد ہی جید شوفر ہے۔ انجنیئر ہے۔ کیا تم اس کے ساتھ مدینہ آیا؟ ہاں ہم اس کے ساتھ مدینے آئے۔ حسن الدین ہم کو بہت آرام سے لائے۔ انشاء اللہ تمہاری لاری میں بھی راحت رہیگی۔ انشاء اللہ ام کوشش کریگا۔ حسن الدین جید شوفر ہی ام اس کا برابر نہیں۔ جہاز چھوٹ رہا ہے کیا ہم کل شام تک جدہ پہنچ سکتے ہیں؟ انشاء اللہ ام کوشش کریگا۔ رات کو قیام تو راملیگا۔ مضائقہ نہیں۔ اچھا تو اب سوار ہو جائیں۔ اسی خاکہ پر میاں محمد مدنی سے ہماری گفتگو رہی۔ ساتھیوں نے اسکو بہت غنیمت سمجھا کہ نرمی سے بات چیت ہو رہی ہے۔ دور ہی سے کان لگائے رہے۔ پاس نہ آئے کہ مبادا خلل پڑے۔ بات ختم ہونے پر میں نے ہی اشارہ کیا تو سب آکر سوار ہوئے۔ اور لاری روانہ ہوئی۔ حسن الدین کیطرح محمد مدنی نے بھی خصوصیت کے مدنظر خواہش کی کہ میں اس کے قریب آگے بیٹھوں۔ اس جگہ آرام رہتا ہے۔ مگر ایک دوسرے صاحب وہاں بیٹھ چکے تھے۔ اس صلہ میں کہ شوفر صاحب کو قابو میں رکھا جائے۔ وہ صاحب تو خوشی سے مجھے اپنی جگہ دید یتے لیکن میں نے اس کو نامناسب اور غیر ضروری سمجھا۔ لاری میں بھی عورتوں کو اور ضعیفوں کو اوپر بٹھایا گیا کہ جھکولے کم لگتے ہیں۔ اور آخر میں ہم لوگ توانا تندرست بیٹھے۔ باطمینان خاطر روانہ ہوئے۔

(۵) سفر کی سہولت کوہستان اور ریگستان میں راستوں کی ناہمواری دشوارگزاری، پھر شوفر اُجڈھ اکھڑ۔ بیدھڑک موٹر لاریاں دوڑانا۔ مسافروں کا اچھلنا۔ سر ٹکرانا چوٹ کھانا۔ سفر کی یہ کیفیت اس درجہ معلوم و مشہور ہو چکی ہے کہ مزید صراحت کی ضرورت نہیں۔ لیکن اب جو لاری چلی تو ہمارے شوفر کا کمال ظاہر ہونے لگا۔ وہی حسن الدین چغتائی کا انداز تھا۔ لاری تیز جائے پھر بھی جھکولے

کم کھائے۔ چونکہ موٹر چلانے کے فن سے ہم بھی کچھ واقف ہیں۔ چال دیکھکر اطمینان ہو گیا۔ خدا کا شکر ادا کیا۔ شوفر وعدہ کا پکا نکلا۔ ساتھی بھی سب متفق تھے۔ چلا چل چلا چل۔ ڈھلتی رات ایک منزل پر صرف تھوڑا آرام لیا پھر جو نکلے تو صبح سے میدان بھی صاف ملنے لگے۔ رفتار اور بھی تیز کر دی دوپہر کو ذرا دم لیا۔ اور یہاں سے جو لاری چھوڑی تو مسطح میدان پر سے ہوا باتیں کرنے لگی اور بحول اللہ تعالیٰ عصر کی نماز جدہ جا پڑھی۔ گرچہ فن میں حسن الدین صاحب بلا شبہ بڑے استاد ہیں۔ لیکن انصاف کیجئے تو ہمارے محمد مدنی نے بھی شوفری کا حق ادا کر دیا۔ چنانچہ جب شام کو خان بہادر احسان اللہ صاحب سے ملاقات ہوئی۔ اور سفر کی سرعت کا ذکر آیا تو صاحب موصوف کو بہت تعجب ہوا۔ فرمایا کہ اب تک ان کے علم میں ایسی تیز رفتاری نہیں آئی۔ شوفر داد کا مستحق ہے۔ چنانچہ صاحب موصوف نے کمپنی اور شوفر کا نام بھی نوٹ کر لیا۔ رخصت کرتے وقت میں نے شوفر کو کچھ دینا چاہا تھا تو اس نے عذر کیا کہ ایسے کام انعام کی خاطر نہیں بلکہ محبت کی خاطر کئے جاتے ہیں۔ انعام سے محبت کو بٹہ لگتا ہے۔ میں نے کہا انعام نہیں۔ یہ بھی محبت کا تحفہ سمجھو۔ خود نہ لو۔ ہماری طرف سے اپنے بچوں کو دے دو۔ بڑی مشکل سے کچھ قبول کیا۔ چلتے وقت جو وہ بغل گیر ہوا تو محبت کا لطف آ گیا۔ دین اسلام کی اخوت بھی کیا نعمت ہے۔ فصل

عبدالقادر عبدالرزاق صاحبان جدہ میں ہمارے معلم بدرالدین صاحب کے وکیل ہیں۔ چنانچہ حیدر آبادی حجاج ان ہی کے ہاں مقیم رہے۔ خاص وکیل کے مکان میں تو اتنی گنجایش کہاں ہو سکتی ہے۔ جب وکیلوں کے ہاں حجاج آتے ہیں تو بقدر ضرورت آس پاس کے مکان کرایہ پر لے لئے

فصل ۶ جاتے ہیں۔ بلکہ بہت سے مکان اسی توقع پر بنائے جاتے ہیں۔ حج کے زمانہ میں کرایہ کی خاصی آمدنی ہو جاتی ہے۔ کبھی تو مکان سالم خالی مل جاتے ہیں کبھی مکاندار ایک حصہ خالی کر دیتے ہیں۔ ایک حصہ میں خود رہتے ہیں بالعموم وکیل کے مکان میں ذاتی قیام کے سوا۔ وکیل کا دفتر رہتا ہے۔ ملاقاتی کمرہ رہتا ہے جہاں حاجی آکر بیٹھتے ہیں۔ ملتے ہیں۔ مشورے کرتے ہیں۔ مکان میں کچھ گنجائش رہی تو بعض حاجی قیام بھی کر لیتے ہیں۔ آتے جاتے وقت سفر کا کل انتظام جدہ میں وکیلوں ہی کی معرفت انجام پاتا ہے۔ یوں تو ان کا معاوضہ خدمت سرکاری طور پر معین ہے۔ لیکن وہ کافی نہیں معلوم ہوتا۔ جو لوگ کام کی قدر کرتے ہیں وہ مزید سلوک کر دیتے ہیں۔ ہم تو وکیل صاحب کے مکان ہی پر مقیم رہے۔ کھانے پینے رہنے سہنے میں ہر طرح کا آرام رہا۔ ع حساب دوستاں در دل۔ احسان کا بدلہ احسان ہونا چاہیئے۔ یہ اسلام کا اصول ہے۔ ہم نے اس اصول کی پابندی ملحوظ رکھی۔ اور یوں بھی کوشش کی کہ قیام کے انتظام میں اپنے وکیل کا ہاتھ بٹائیں۔ حیدرآبادی حجاج کی خیر خبر رکھی کہ کسی کو تکلیف نہ ہو۔ کوئی شکایت نہ ہو۔ خاص کر ہندوستان سے جدہ پہنچے تو اس تعاون کی ضرورت زیادہ پیش آئی۔ عبدالقادر عبدالرزاق صاحبان مستعد ہیں تجربہ کار ہیں۔ رسا ہیں۔ ذی اثر ہیں۔ غرض کہ بحیثیت وکیل بہت کارگزار ہیں۔ اور بڑی خوبی یہ کہ قناعت شعار ہیں۔ خوش دلی سے حجاج کی خدمت کرتے ہیں۔ اور معاوضہ میں کم و بیش کی حجت نہیں لیکن حجاج کو لحاظ لازم ہے کہ یہی معاوضہ وکیلوں کا ذریعہ معاش ہے۔ اور اس میں کوتاہی کرنا حق تلفی ہے۔ حسن سلوک احسن ہے۔ اور وہ فریقین پر

واجب ہے۔

علیٰ ھٰذا معلم کی فیس بھی سرکاری طور پر مقرر ہے۔ اور وہ بالعموم ابتدائے حج میں ادا ہو جاتی ہے۔ لیکن معلم کا کام دیکھئے تو مقررہ معاوضہ کم نظر آتا ہے۔ جو حجاج خوشحال اور خوشدل ہوتے ہیں۔ معلم کو زیادہ معاوضہ دیتے ہیں۔ اور پھر ہمارا تو معاملہ بدرالدین صاحب معلم کے ساتھ دوستانہ رہا۔ سفر میں کھانا پینا یکجا رہا۔ پھر ساتھ ہی حیدرآباد آئے۔ مکان پہنچکر ہم نے نذرانہ پیش کیا۔ گو کچھ ایسا زیادہ نہ تھا۔ پھر بھی اپنی مروت میں انھوں نے اس کو زیادہ سمجھا اور ہم نے اصرار کیا تو انھوں نے قبول کیا۔ لیکن کوئی کچھ بھی معاوضہ دے۔ اخلاص و محبت کا معاوضہ مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے۔

(۶) ہمارا تعارف

بات کہیں سے کہیں جا پہنچی۔ مختصر یہ کہ جدہ پہنچے اور درجہ اول کے کیبن میں ہماری جگہ شام ہی کو محفوظ ہو گئی۔ دوسری صبح کو خان بہادر کے ہاں پھر گئے۔ ناشتہ کی دعوت تھی۔ حسن اتفاق کہ جس جہاز پر ہم جانے والے تھے۔ اس کے افسر بھی اسی وقت چاء پر مدعو تھے۔ خان بہادر نے ان سے ہمارا تعارف کرایا۔ عجب تعارف کہ یہ حاجی چنیں ہے۔ چناں ہے۔ اگر اپنے جہاز کی اور کمپنی کی بھلائی چاہو تو اس حاجی کو راضی رکھنا اور خوش رکھنا۔ ورنہ یہ ناراض اور ناخوش ہوا تو خیر نہیں۔ پچتاؤ گے۔ میں شرمایا کہ اچھا مذاق ہو رہا ہے۔ جہاز والے غالباً مجھے دیوانہ سمجھیں گے۔ مضحکہ اڑائینگے تاہم حجت کا موقع نہ تھا۔ بات کو ہنسی میں ٹال دیا۔ تھوڑی دیر ٹھیرا رہا وہ لوگ چلے گئے تو خان بہادر سے شکوہ کیا کہ ہمارا خوب مذاق اڑایا۔

فصل ۴ فرمایا۔ استغفر اللہ۔ میں اور آپ کا مذاق اڑاؤں۔ اس مرتبہ حرمین شریفین میں آپ کا رنگ مکمل چکا ہے۔ میرا جو قیاس ہے میرے نزدیک مبالغہ نہیں ہے۔

(۷) جہاز کی سواری

۲۰ مئی (۱۹۳۳ء) کی شام کو جدہ پہنچے اور ۲۳ مئی کی صبح کو مغل کمپنی کے جہاز جہانگیر میں سوار ہو گئے۔ سوار ہونے کا بھی عجب معرکہ تھا۔ یہ تو گوارا نہ تھا کہ کچھ لے دے کے یا سعی سفارش کے زور سے سواری کا خاص انتظام کرتے۔ قاعدہ کے مطابق عام حجاج کے ساتھ سوار ہوئے۔ بغدادی صاحب کے صاحبزادے مرشد پاشا۔ ان کی اہلیہ۔ ان کے بال بچے بھی ہمارے ساتھ تھے کشتیوں تک پہنچنے کے لئے جو کثیر جماعت کے ساتھ کشمکش کرتے ہوئے تنگ دروازوں سے گزرے تو ہڈی پسلی کی خوب آزمایش ہوئی۔ حاجیوں کو اس طرح شکنجہ میں کسنے سے نہ معلوم کیا مقصد ہے۔ شاید یہ کہ سب ایک ساتھ کشتیوں پر نہ ٹوٹ پڑیں۔ رک رک کر، دب دب کر آئیں۔ کشتیوں میں آہستہ آہستہ جگہ پائیں۔ مگر عجب نہیں کچھ ساحل ہی کو منزل بنائیں ـ ہارٹ فیل ہو جائیں۔ بہرحال کئی شکنجوں سے گزر کر کشتیوں تک پہنچے۔ خوب اچھل کود ہوئی تب ایک کشتی میں جگہ مل سکی۔ بہرحال ساحل سے سوار ہوتے وقت افسوسناک بلکہ خطرناک بدنظمی رہی۔ خدا خدا کر کے جہاز تک پہنچے وہی ڈگمگاتی کشتیوں پر گزرتے ہوئے جہاز کی سیڑھی تک رسائی ہوئی بلا کی ریل پیل تھی۔ سیڑھی پر چڑھ کر جہاز پر پہنچے تو دم میں دم آیا۔ اس معرکہ میں درجہ اول کے مسافروں کے واسطے کوئی خاص سہولت نہ تھی۔ اگر ہوتی بھی تو ہم درجہ سوم کے ساتھیوں کو چھوڑنا گوارا نہ کرتے۔ غنیمت ہے کہ

معلم کے اہتمام سے سامان پہلے ہی جہاز پر پہنچ گیا تھا۔ ورنہ اپنا ہی دم سنبھالنا مشکل تھا۔ فصل

(۸) اپنا کیبن

جہاز پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ خان بہادر کا فقرہ کام کر گیا۔ درجہ اول کے متعدد کیبن بند تھے۔ حالانکہ اکثر مسافر پہنچ چکے تھے۔ ہمارا انتظار ہو رہا تھا۔ پہنچتے ہی ہمیں کیبن دکھائے گئے کہ جو پسند ہو محفوظ کر دیا جائے۔ بالآخر جہاز والوں ہی کے مشورہ سے ہم نے کیبن ۱۱-۱۲ منتخب کیا۔ اس کا موقع محل بہتر تھا۔ اس میں دو برتھ تھے۔ لیکن پورا کیبن ہم کو دے دیا گیا۔ ہم نے عذر بھی کیا کہ اتنی رعایت ہم کو مطلوب نہیں اس میں کمپنی کا مالی نقصان ہے۔ کوئی دوسرا مسافر بھی شریک کیا جا سکتا ہے۔ لیکن جواب ملا کہ جہاز کا انتظام ہمارے ذمے ہے۔ ہم مجاز و مختار ہیں۔ آپ کے واسطے پورا کیبن پہلے ہی مخصوص ہو چکا ہے۔ میں نے کہا برتھ خالی دیکھ کر میرے ساتھی آئیں گے۔ لوٹ لگائیں گے۔ کہا گیا مضائقہ نہیں اس کی اجازت ہے۔ چنانچہ درجہ سوم کے جو دوست جب چاہتے آتے۔ اوپر کی برتھ پر لیٹتے آرام پاتے۔ نیچے کی برتھ پر ہمارا بستر جما ہوا تھا۔ جہاز روانہ ہوتے وقت خان بہادر بھی تشریف لائے۔ جہاز کا معائنہ فرمایا۔ ہمارا کیبن دیکھ کر خوش ہوئے۔ اور پھر جہاز والوں کو اسی رنگ کی تاکید فرمائی۔ میں محجوب ہو کر رہ گیا۔ ان کا شکریہ اور خدا کا شکر ادا کیا کہ بلا طلب راحت کا کیسا سامان ہو گیا۔

(۹) دوستانہ پیشکش

غرض کہ ہمارا جہاز جہانگیر ۲۳ مئی ۱۹۳۲ء کو وقت دوپہر جدہ سے روانہ ہوا۔ درجہ سوم تو عام ہے۔ درجہ اول میں بھی خاص آرام ہے۔ یہ دونوں درجے خوب

فصل ۹ بھرے ہوئے تھے۔ درجہ دوم گرچہ درجہ دوم ہے تاہم کرایہ کے معیار سے حسب توقع آرام نہیں ملتا۔ تجربہ کار اس درجہ میں سفر کم کرتے ہیں۔ ناواقف زیادہ پھنستے ہیں جہاز چل کر بمشکل دو گھنٹے گزرے ہوں گے کپتان کی طرف سے پیام آیا کہ درجہ دوم کے دو کیبن خالی ہیں۔ آپ کے ساتھی جو درجہ سوم میں سفر کر رہے ہوں انکو دونوں کیبن دئے جا سکتے ہیں۔ میں نے جواب دیا کہ میرے ساتھی درجہ دوم کا کرایہ نہیں دے سکتے اور ضرورت بھی نہیں ہے۔ جواب آیا کہ کرایہ لینا مقصود نہیں آپ کے ساتھیوں کو دونوں کیبن بلا کرایہ دئے جائیں گے۔ میں نے کہلا بھیجا ایسی رعایت بیجا معلوم ہوتی ہے اس میں کمپنی کا مالی نقصان ہے۔ پھر وہی جواب ملا کہ انتظام ہمارے ذمے ہے اور ہم مجاز و مختار ہیں۔ یہ رعایت خلاف دیانت نہیں ہے حسن اتفاق سے ساتھیوں کو ڈک پر جگہ اچھی مل گئی تھی۔ اور درجہ دوم میں صفائی ستھرائی کی بھی زیادہ پابندی رہتی ہے۔ جو عام حجاج کو تکلف معلوم ہوتی ہے۔ کوئی آمادہ نہ ہوا تو شکریہ کے ساتھ عذر کر دیا۔ ایک حاجی صاحب بال بچوں سمیت جہاز پر سوار تھے۔ ڈک پر جگہ اچھی نہ ملی۔ زنانہ کو تکلیف تھی۔ جیب میں گنجائش تھی۔ انھوں نے رعایتی کرایہ دے کر دونوں کیبن لے لئے۔ بعد کو انھیں پتہ چلا کہ ہمارے ساتھیوں کو یہ کیبن مفت دئے جا رہے تھے تو وہ جا کر کپتان سے جھگڑنے لگے۔ جواب ملا کہ ہم مجاز و مختار ہیں۔ آپ کسی رعایت کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔ اگر آپ کو معاملہ ناپسند ہے آپ رقم واپس لے کر کیبن خالی کر دیں۔ پھر وہ صاحب ہم سے مل کر افسوس کرنے لگے کہ پہلے سے علم ہوتا تو آپ کی معرفت کیبن مفت مل جاتے۔ میں نے کہا کہ وہ رعایت میرے ساتھیوں کے واسطے خود بخود پیش ہوئی تھی۔ میں اس کا طالب نہ تھا اور میں ہر کسی کو اپنا ساتھی بتا دیتا تو یہ بھی نامناسب تھا۔ خلاف صلاحیت ہوتا

فصل ۲

شام کو کپتان سے ملاقات ہوئی تو پوری بات معلوم ہوئی۔

(۱۰) جہاز پر زندگی

جاتے وقت حاجی تازہ دم تھے۔ حج وزیارت کے ولولے دلوں میں بھرے ہوئے۔ خوب گرمجوشی تھی۔ آتے وقت سب تھکے ہوئے تھے۔ آرام کی طرف مائل تھے۔ البتہ حج وزیارت سے مشرف ہوئے۔ اس کی خوشی تھی۔ ضمناً کچھ افتادیں پڑیں تو بعض حجاج افسردہ یا مغموم تھے۔ سب کو گھر پہنچنے کی فکر تھی۔ واپسی میں بھی جہاز پر جگہ کی تنگی تھی۔ درجہ اول کے مسافروں نے خوشی سے درجہ اول کا ڈک درجہ سوم کے حجاج کو دے دیا کہ اٹھیں بیٹھیں آرام لیں۔ اور ہم لوگ اوپر کپتان کے ڈک پر جا کر بیٹھے تھے۔ کپتان مسٹر الکزنڈر کیر۔ خوش عقیدہ عیسائی تھا۔ اور چیف انجنیر مسٹر جیمس ایڈن کھلا دہریہ تھا۔ دونوں سے ہماری دوستی ہوگئی۔ اکثر عصر مغرب کے درمیان تینوں کپتان کے کمرہ پر جمع ہوتے۔ اور خوب دلچسپ بحث چلتی۔ لطف رہتا۔ کپتان کو اسلام سے حسن عقیدت تھی۔ تعصب نہ تھا۔ ایک سیاہ بلی پال رکھی تھی۔ اسے بہت پیار کرتا تھا۔ میں نے اس کی خصوصیت دریافت کی تو کہا کہ یہ بلی ایک حاجی کے ذریعے مدینے سے منگائی تھی۔ یہ مدینہ کی بلی ہے۔ مجھے تعجب ہوا کہ اس کے دل نے نسبت کی کیا شکل پسند کی۔ حسن محمد خاں صاحب اس جہاز پر کرانی تھے۔ بہت خلیق اور مستعد عہدہ دار ہیں۔ حجاج کو ان سے جہاز پر بہت مدد ملتی تھی۔ ان سے بھی دوستی ہوگئی تھی۔ فرصت کے اوقات میں خوب جہازوں کے حالات سننے میں آتے تھے۔

(۱۱) سمندری چکر

بحری سفر میں ہزار سکون ہو۔ پھر بھی سمندر سمندر ہے۔ سکون کہاں۔ موجوں نے زور پکڑا اور جہاز جھکولے کھانے لگا۔ چکر آنے شروع ہوئے۔ جن کا مزاج صفراوی

فصل ہوا۔ ان کی تو شامت آگئی۔ کئی دفعہ اچھے خاصے سوئے۔ رات کو جہاز نے کروٹیں لیں۔ صبح کو آنکھ کھلی تو اٹھا نہیں جاتا۔ آنکھ کھولنا بھی سخت ناگوار ہے۔ طبیعت بدحال ہے۔ پھر بھی بھوک سے کلیجہ جھلا جاتا ہے۔ تجربہ ہو گیا تھا نمکین بسکٹ اور مکھن پنیر کے ڈبے قریب ہی جھولی میں رکھے رہتے تھے۔ آنکھیں بند۔ اندھوں کی طرح ٹٹول کے اٹھائے۔ لیٹے ہوئے سینے پر رکھ لئے۔ اٹکل سے نکال نکال کر کھاتے رہے۔ کچھ کھایا تو دم آیا۔ سنبھل کر اٹھے۔ وضو کیا۔ نماز پڑھی۔ حواس درست ہوئے۔ کبھی دوران سر کا سلسلہ بڑھا تو پھر پڑ رہے۔ لیٹے ہی لیٹے ہلکا ناشتہ کیا۔ مگر کھانا کمرہ پر منگانا کسی حال میں بھی گوارا نہ تھا۔ کمرہ میں وہ صفائی نہیں رہتی اور کھانے کی بو بس جاتی ہے جو ناگوار محسوس ہوتی ہے۔ ایک آدھ مرتبہ تو یہ نوبت آئی کہ ڈائننگ روم میں ہمارے واسطے پہلے میز پر کھانا جما دیا گیا۔ اطلاع ملتے ہی دل کڑا کر کے ہم افتاں خیزاں پہنچے۔ جلد جلد جو کچھ بن پڑا کھایا۔ طبیعت بے قابو ہونے لگی تو دوڑ کر آئے اور بستر پر گر پڑے۔ کچھ سکون ہوا تو سو ڈا پیا۔ تاہم بھوکا رہنا اچھا نہیں بلکہ مرض کا اندیشہ ہے۔ جس طرح بن پڑے کچھ کھاتے رہنا چاہئے۔ استفراغ مفید ہے۔ اس سے نہ گھبرانا چاہئے۔ ہم تو کوشش کرتے تھے۔ اور اسی سے افاقہ ہوتا تھا۔ بعد کو طبیعت بہت ہلکی اور صاف معلوم ہوتی تھی اور بھوک کھلتی تھی۔ یہ بھی جہازی زندگی کا ایک لطف ہے۔ ادرک سیاہ مرچ۔ ایسی چیزیں چبانے سے بھی تسکین ہوتی ہے۔ لیکن خدا کی قدرت۔ بعض طبیعتوں پر سمندری چکر کا مطلق کوئی اثر نہیں ہوتا جبکہ غلبۂ صفرا کے سبب ہر کسی کی طبیعت مٹھائی سے نفرت کرتی۔ ہمارے معلم

بدرالدین صاحب یہ غضب کرتے کہ دکھا دکھا کر مصری، بادام، کشمش، اخروٹ　فصل۴
چباتے۔ اور کیا ممکن کہ دوران سر حاشیۂ خیال میں بھی آئے۔

(۱۲) کراچی بمبئی

جاتے وقت فی الجملہ طبیعت بہت سنبھلی رہی دورانِ سر کی بہت کم شکایت ہوئی۔ تقریباً ہر روز تمام دن مسئلے مسائل بیان ہوتے تھے۔ تذکرے رہتے تھے۔ لیکن واپسی میں طبیعت مغلوب ہوگئی۔ اول تو مانسون کا زمانہ قریب تھا۔ سمندر میں تموج بڑھ رہا تھا۔ دوسرے سفر کے تکان سے طبیعت کمزور ہوگئی تھی۔ بآسانی دورانِ سر کا غلبہ ہوجاتا تھا۔ دیگر حجاج کی بھی یہی کیفیت تھی۔ پھر بھی سفر پُرلطف تھا۔ حجاج ملتے جلتے ہنسی خوشی چلے آئے۔ بتاریخ ۲ جون یوم جمعہ جہاز صبح کراچی پہنچا۔ یہاں بہت سے حاجی اتر گئے۔ جہاز بہت کچھ خالی ہوگیا۔ درجہ اول کے بھی کئی کیبن خالی ہوگئے۔ تو پھر کہا گیا کہ چاہو تو اپنے ساتھیوں کو ان میں بلالو۔ بمبئی تک آرام ملے گا۔ مگر ڈک بھی خالی ہوگئے تھے۔ وہاں بھی آرام بڑھ گیا یا ساتھی ردوبدل کے واسطے آمادہ نہ ہوئے۔ اپنی اپنی جگہ رہے۔ اسی دن کراچی سے چل کر بتاریخ ۴ جون یوم یکشنبہ رات کے دس بجے جہاز بمبئی پہنچا دور سے بمبئی کی روشنی نظر آنے لگی تھی۔ قریب آتے گئے تو لطف بڑھتا گیا۔ برقی روشنی سے شہر خاص کر بندرگاہ جگمگا رہا تھا۔ دن میں یہ لطفِ منظر کہاں۔ گودی سے باہر مگر قریب ہی سمندر میں جہاز لنگر انداز ہوا کشتیوں میں ساحل سے کچھ افسر آئے۔ معائنہ کی رسم ادا ہوئی۔ معلوم ہوا صبح کو جہاز گودی میں لیا جائے گا۔ آج کس کو نیند آتی۔ حجاج خوشی میں رتجگا مناتے رہے۔ ہم بھی بارہ بجے تک اِدھر اُدھر کھڑے بمبئی کے چراغاں

فصل ۲ کا لطف اٹھاتے رہے۔ احباب سے باتیں کرتے رہے۔ ڈھلتی رات
نکان سے ذرا غنودگی آئی کہ پھر علی الصباح حجاج اٹھ بیٹھے۔ سامان سنگوانے
لگے۔ اترنے کی تیاریاں کرنے لگے۔ عجب چہل پہل کا منظر تھا۔

(۱۴) بمبئی کی گودی

صبح سویرے ہم بھی تیار ہو گودی کے رخ ڈک پر جا کھڑے ہوئے دور سے
بمبئی اور بندرگاہ کی سیر دیکھنے لگے آفتاب طلوع ہو چکا۔ گودی سے کچھ
کشتیاں جہاز کی طرف دوڑی آ رہی ہیں۔ حجاج کھڑے گھور رہے ہیں کہ
ان میں کن کن کے احباب خیر مقدم کو آ رہے ہیں۔ ایک کشتی میں کیا دیکھتے
ہیں کہ میاں مسعود سلمہٗ سوار ہیں۔ ان کے نسبتی برادر میاں شرف الدین سلمہ بھی ساتھ
ہیں۔ دور ہی سے آنکھ لڑ گئی۔ رومال ہلنے لگے۔ جہاز کے قریب پہنچے
تو اشاروں سے سلام علیک ہوئی۔ خوشی کا عجب عالم تھا۔ ہم جہاز کی
بلند ڈک پر کھڑے۔ ان کی کشتی سمندر میں جھکولے کھا رہی تھی۔ دور سے
آنکھوں آنکھوں میں باتیں ہو رہی تھیں۔ اتنے میں جہاز نے سیٹی دی گھڑگھڑاہٹ
شروع ہوئی۔ معلوم ہوا کہ گودی میں جانے کا وقت آ گیا۔ وہ بھی سمجھ گئے۔
ہم نے بھی اشارہ کیا۔ کشتی راستہ کے رخ سے ہٹ گئی۔ سامنے کے بجائے
پہلو پر آ گئی۔ بالآخر جہاز سرکا۔ آہستہ آہستہ گودی کی طرف بڑھا۔ بندرگاہ
کے علاقہ میں اسی طرح احتیاط سے آہستہ بڑھتے ہیں۔ اس میں بھی رہنمائی
کی ضرورت رہتی ہے۔ آگے آگے کشتی رہنمائی کرتی ہے۔ تب راستہ ملتا ہے
یہ نہیں کہ جہاز بے دھڑک چلا آئے۔ ایسا کرے تو نیچے کی چٹانوں سے
ٹکرا کر پاش پاش ہو جائے۔ اس صورت سے بھی بندرگاہ محفوظ رہتے
ہیں۔ جہاز تو آہستہ سرک رہا تھا۔ مسعود سلمہٗ کشتی تیز لے گئے کہ پہلے سے

فصل

گودی کے پلیٹ فارم پر موجود رہیں۔ جہاز گودی میں داخل ہوا تو ہر طرف ہزار ہا لوگ کھڑے حجاج کا استقبال کر رہے تھے۔ رومال ہلا رہے تھے قریب سے گزرے اور نظریں ملیں تو اسی اژدہام میں جانبین خوشی میں گلے پھاڑ پھاڑ کر سلام دُعا کرنے لگے۔ عجب شور۔ عجب ہلچل۔ بالآخر جہاز پلیٹ فارم سے جا لگا۔ حاجی اترنے لگے۔ سامان اترنے لگا۔ احباب اعزا جو استقبال کو آئے تھے۔ بغل گیر ہونے لگے۔ پلیٹ فارم کے باہر اس سے بھی زیادہ، ہجوم تھا۔ جہاز سے اترے تو کروڑ گیری کا مرحلہ پیش آیا۔ یہاں بھی درجہ اول کے حجاج کے واسطے کوئی خاص سہولت نظر نہ آئی۔ البتہ یہ اندازہ ہوا کہ داد و دہش سے سہولت حاصل ہو سکتی ہے لیکن یہ طریق خلاف قاعدہ تھا۔ ہم نے ہمت افزائی نہ کی تو اشاروں کنایوں پر بات رہ گئی۔ قاعدہ برتنے کا یہ نتیجہ ہوا کہ سامان کے معائنہ میں وقت بھی زیادہ لگا۔ محصول بھی زیادہ دینا پڑا۔ مضائقہ نہیں۔ حج کر کے آئیں اور تاویلی انداز میں رشوت دیں یہ کس طرح درست ہو سکتا ہے۔

(۱۴) بمبئی میں ورود

دس بجے کے قریب تمام مراحل سے نمٹ کر باہر آئے تو میاں جمیل سلمہٗ دوڑ کر بغل گیر ہوئے۔ یہ بھی مسعود سلمہ کی طرح استقبال کے واسطے بمبئی آئے لیکن جہاز کے متعلق وقت کی غلط اطلاع ملی۔ اس لئے دیر ہو گئی۔ گودی پر اس وقت پہنچے جب ہم باہر آچکے۔ ایک بھتیجہ عزیز الحسن برنی سلمہٗ خود بمبئی میں ملازم اور مقیم ہے۔ جمیل سلمہٗ ان ہی کے ہاں ٹھیرے تھے۔ وہ بھی ساتھ آئے تھے۔ بہر حال بہت خوشی ہوئی۔ سامان قلیوں کے سپرد کر کے گھوڑا گاڑیوں میں سوار ہو کر ہم سب صابو صدیق کے مسافر خانے پہنچے۔

فصل ۶ ہمارے دوست مولوی حضرت اللہ صاحب اور منشی عبدالستار صاحب پہلے ہی سے منتظر تھے۔ بغل گیر ہوئے۔ ہمارے واسطے ایک کشادہ ہوا دار کمرہ مسافرخانہ کی بالائی منزل میں کونہ پر محفوظ تھا۔ اسی میں اترے۔ سامان کھولا۔ آرام لیا۔ سہ پہر میں نہائے دھوئے۔ کپڑے بدلے سیر کو تیار ہوئے۔

(۱۵) سر آدم جی پیر بھائی کا خاندان

بمبئی میں سر آدم جی پیر بھائی کے خاندان سے ہمارے خاص تعلقات تھے۔ جب سر آدم جی کے پوتے حسن علی۔ نجف علی۔ شرف علی۔ اکبر علی تعلیم کے واسطے علیگڈھ آئے۔ اور اسکول میں داخل ہوئے تو اتالیقی کے خاص اہتمام کی ضرورت ہوئی۔ اول تو سر آدم جی علیگڈھ کے بڑے سرپرست تھے۔ سب سے پہلے انہی نے لاکھ بلکہ سوا لاکھ کا یکمشت عطیہ علیگڈھ کالج کو دیا جس سے سائنس کا شعبہ تیار ہوا۔ دوسرے صاحب ممدوح کو اپنے پوتوں کی اخلاقی تربیت کا بہت خیال تھا۔ چنانچہ تعلیم کے ساتھ تربیت کی خاص تاکید لکھی تھی۔ علیگڈھ کی دشواریاں کچھ مخفی نہیں۔ نواب وقار الملک کالج کے سکرٹری تھے۔ تربیت کے معاملہ میں خود بھی سخت تھے۔ کافی غور و خوض کے بعد اتالیق کی خدمت خاص اختیارات کے ساتھ ہمارے ذمے آئی۔ اور چونکہ اقتدار برتنا ضرور تھا۔ معاوضہ قبول کرنے سے ہم نے عذر کر دیا۔ اعزازی حیثیت سے یہ ذمہ داری قبول کی اور اسی سبب خوبی سے انجام پاسکی۔ اس سلسلہ میں ہمارے دوست ایدل جی سے بھی ملاقات شروع ہوئی کہ ابتدا میں وہی لڑکوں کو لے کر علیگڈھ آئے تھے۔ اور بعد کو بھی آتے رہتے تھے۔ لڑکوں کے بڑے بھائی سیٹھ اسمٰعیل آدم جی پیر بھائی سے بھی اسی تعلق سے دوستی بڑھی۔ سر آدم جی

پیر بھائی کی اقبال مندی کا تو یہ عالم رہا کہ پچاس لاکھ سے زیادہ رقم خیرات میں تقسیم کی۔ لیکن ان کا انتقال ہوتے ہی یکایک کاروبار میں ایسا زوال آیا کہ خاندان کا تجارتی وقار ختم ہو گیا۔ احباب سے ملنے ملانے میں بھی حجاب آنے لگا۔ فصل ۷

(۱۶) بمبئی میں مشاغل

بہرحال واپسی کی اطلاع مل گئی تھی۔ اسی دن سہ پہر کو ہمارے دوست سیٹھ اسمٰعیل پیر بھائی مسافر خانے ملنے آئے۔ موٹر لائے۔ ہم کو ساتھ لے گئے اور خوب بمبئی کی سیر کرائی۔ بمبئی کے مفلس کثیف اور ویران محلے۔ بمبئی کے دولت مند۔ پاک صاف اور شاداب محلے۔ بمبئی کے گنجان محلے۔ بمبئی کے کشادہ محلے۔ بطور نمونہ تھوڑے تھوڑے سب طرح کے محلے دکھائے۔ بہت تعجب ہوا۔ بہت عبرت ہوئی۔ ایک ہی شہر میں زمین آسمان کا فرق نظر آیا۔ غرض خوب سیر رہی۔ اپنے دوست ہی کے یہاں کھانا کھایا۔ رات کو دیر سے مسافر خانہ پہنچے۔

دوسرے دن کچھ خرید و فروخت رہی۔ تبرکات تو کافی ساتھ تھے۔ پھر بھی بمبئی سے کچھ تحائف بچوں کے واسطے خرید لئے۔ کچھ قابل دید مقامات دیکھے۔ شب کو بمبئی سے حیدرآباد روانہ ہوئے۔ اسٹیشن پر ایک لطیفہ ہوا۔ مونگے کے پھول جو سمندر میں پیدا ہوتے ہیں۔ جدہ میں بہت خوبصورت اور بہت ارزاں ملتے ہیں۔ چنانچہ ایک فروشندہ اصرار کر کے ہمیں بھی چار نہایت نفیس پھول جہاز پر دے گیا۔ کیبن کی الماری میں احتیاط سے رکھ دیئے۔ محفوظ چلے آئے۔ مگر جہاز سے اترے اور کروڑگیری سے گزرے تو اس معرکہ میں ہزار احتیاط کے باوجود

فصل

پھول ذرا مجروح ہو گئے۔ ریل میں بھی ان کے رکھنے کا ڈھب نہ مل سکا۔ اور ان کی خوبصورتی پر سب کی نظر پڑ رہی تھی۔ بالآخر وہ پھول ہم نے میاں عزیز سلمہٗ کی نذر کر دیئے کہ ٹوٹ کر ناقص حیدر آباد پہنچیں اس سے بہتر ہے کہ بحالت موجودہ تمہارے پاس رہیں۔ وہ بھی بہت خوش ہو گئے۔ کیونکہ ان کو مکان کی آرائش کا شوق اور سلیقہ ہے۔

(۱۷) بمبئی سے حیدرآباد

غرض کہ بتاریخ ۶ جون (۱۹۳۳ء) یوم سہ شنبہ شب کی گاڑی میں بمبئی سے روانہ ہوئے۔ جو لڑکے ہمیں لینے بمبئی آئے تھے۔ وہ بھی ساتھ تھے۔ حج کے ساتھی بھی ساتھ تھے۔ اگلے دن شام کو چار بجے نامپلی اسٹیشن حیدرآباد پہنچے۔ راستہ میں گلبرگہ شریف سے برادرم مولوی ابوسعید مرزا صاحب بھی ساتھ ہو گئے۔ اتفاق سے ان کا تبادلہ ہوا تھا۔ اس دن وہ رخصت ہو کر حیدرآباد جا رہے تھے۔ ان کا ڈبہ پھول کے ہاروں سے سجا ہوا تھا۔ ناشتہ بھی خوب ساتھ تھا۔ ہم بھی اپنے ڈبے سے ان کے ہی ڈبے میں جا بیٹھے وقارآباد ریل پہنچی تو دیکھا کہ سابق رفیق حضرت محترم مولوی عبدالقدیر صاحب صدیقی مدظلہٗ پلیٹ فارم پر کھڑے حسب عادت تبسم فرما رہے ہیں۔ موسیٰ سلمہٗ بھی ساتھ ہے۔ ریل رکتے ہی میں اترا تو حضرت آ کر بغل گیر ہوئے۔ حسب قاعدہ دعا چاہی پھر خوب دعا فرمائی۔ موسیٰ بھی محبت سے لپٹ گیا۔ پھر سب ڈبے میں آ بیٹھے۔ خوشی سے بات کرنی مشکل ہو رہی تھی۔ کچھ حال سنا کچھ سنایا۔ پھر بیگم پیٹھ اسٹیشن آیا تو حضرت قبلہ مولانا محمد حسین صاحب مدظلہٗ اور چند دیگر احباب پلیٹ فارم پر منتظر تھے۔ اترا حضرت بھی بغل گیر ہوئے اور اس پردے میں دل کو مالامال کر دیا۔ آتے ہی خوب انعام ملا۔ حضرت بی اماں صاحبہ

اور مسعود سلمہ کی ہمشیرگان بھی فرط شفقت و محبت سے تشریف لائی تھیں۔ فصل ۶
پلیٹ فارم کی حد پر جالی سے لگا موٹر کھڑا تھا۔ قریب گیا سلام دعا ہوئی۔
اتنے میں ریل چلی اور دس منٹ میں نام پلی اسٹیشن حیدرآباد پہنچ گئے۔ یہاں
احباب کا کافی ہجوم تھا۔ پھولوں کے ہار تو راستہ ہی میں شروع ہو چکے تھے۔
یہاں خوب کثرت رہی۔ کنیز فاطمہ اور رشید فاطمہ۔ منجھلی اور چھوٹی یہ
دو بچیاں جاتے وقت رخصت کرنے اسٹیشن آئی تھیں تو آتے وقت بھی
استقبال کرنے اسٹیشن آئیں۔ ان کے ماموں میاں کمال احمد فاروقی انکو
اپنے ساتھ لائے تھے۔ بیساختہ دوڑ کر لپٹ گئیں۔

(۱۸) گھر کا رنگ

احباب سے ملنے میں کچھ وقت لگا۔ پھر موٹروں میں سوار ہو کر گھر پہنچے۔ گھر والوں
کی خوشی کا کیا عالم تھا۔ بڑی بچی اقبال فاطمہ جو پردے کے سبب اپنی بہنوں
کے ساتھ اسٹیشن پر نہ جا سکی۔ وہ خوشی سے بیتاب تھی۔ دروازہ میں اپنی
اماں کے ساتھ کھڑی ہوئی تھی۔ اس کی اماں کے دل کی خوشی میں کیا کیفیت
تھی بیساختہ صورت سے ظاہر تھی۔ کچھ احباب مکان پر جمع تھے۔ نوکر چاکر
ادھر ادھر لپک رہے تھے۔ اتنے میں موٹریں پہنچیں آ گئے۔ آ گئے۔ مبارک
مبارک۔ باہر مل کر اندر گیا۔ سلام۔ دعا۔ پیار۔ گھر کے لوگوں سے ملا۔
خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے اپنے فضل و کرم سے سفر کو حسن انجام تک پہنچایا
فالحمد للہ علیٰ احسانہ بعدد کلماتہ دائماً ابداً۔

(۱۹) وقت میں برکت

۹ مارچ کی شام کو حیدرآباد سے روانہ ہوا۔ اور ۷ جون کی شام کو
حیدرآباد واپس پہنچا۔ کل نوے (۹۰) دن سفر رہا۔ اس میں ۷ دن

فصل؛ مکہ معظمہ اور ۳۴ دن مدینہ منورہ حاضری نصیب ہوئی۔ گویا ۵۰ دن حرمین شریفین میں بسر ہوئے۔ اور باقی ۴۰ دن جاتے آتے سفر میں اور ضمنی قیام میں صرف ہوئے۔ وقت میں اس سے زیادہ برکت اور کیا ہو سکتی تھی۔

(۲۰) بلند شہر

آتے ہی کاموں نے گھیر لیا۔ وطن نہ جا سکا۔ بعد کو گیا۔ چھوٹی ہمشیرہ سلمہا بلند شہر میں بہت مشتاق اور منتظر تھی۔ بچے ابن حسن۔ ظل حسن۔ آل حسن۔ بچی زہرہ۔ یہ سب بھی اپنی والدہ کی طرح بے چین تھے کہ ماموں جان کب آتے ہیں۔ ان کے والد میاں سید حسن برنی بھی آنے کا تقاضا لکھتے رہے۔ سب سے ملاقات ہوئی۔ دیگر احباب و اعزا سے بھی ملاقات ہوئی۔ سب اپنے اپنے تعلق کے مطابق مل کر خوش ہوئے۔ حضرت قبلہ والد ماجد علیہ الرحمۃ کے مزار پر حاضر ہوا۔ فاتحہ پڑھی۔ دعا کی۔ حج و زیارت کی تفصیلات کیا عرض کرتا کہ باطن میں کچھ مخفی نہیں۔ وہاں کے آثار وہاں ظاہر رہتے ہیں۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ جو فریضہ اپنے ذمے آیا تھا۔ بفضلہ تعالیٰ خیر و خوبی سے ادا ہوا۔ خدا کے فضل سے حسن قبول کی امید ہے۔ و آخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العالمین بطفیل سید المرسلین خاتم النبیین رحمۃ للعالمین بالمؤمنین رؤف رحیم صلی اللہ علیہ و علی آلہ و صحبہ اجمعین۔ برحمتک یا ارحم الراحمین ۝

تمت بالخیر

فہرست کتب

الیاس برنی

حیدرآباد

فہرست کتب

پروفیسر الیاس برنی کی تصنیفات تالیفات و تراجم

(الف) سلسلۂ دعوتِ صدق

(۱) اسرارِ حق۔ آیاتِ قرآنیہ، احادیثِ نبویہ، ارشاداتِ صدیقین و اکابرِ دین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ ان سب کا نہایت جامع اور مربوط انتخاب اور ان کے مقابل یورپ کے جدید سائنس اور فلسفہ کی انتہائی تحقیقات کا لب لباب، خود بخود اسلام کی صداقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے۔ جدید سائنس و فلسفہ کا اقرار نارسائی اور احساس ایمان بالغیب۔ اسلام میں علم باطن۔ توحید اور اس کے مقامات۔ احدیت کی رفعت اور عبدیت کی نزاکت۔ نبوت اور ولایت کے مراتب۔ کشف و کرامات کی ماہیت اور دیگر حقائق و معارف۔ غرضکہ ایک نظر میں اسلام کی روحانی تعلیم کا عجیب نظام دل نشین ہو جاتا ہے اور کچھ اندازہ ہوتا ہے کہ والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون ہ لھم ما یشاؤن عند ربھم ذالک جزاء المحسنین (۲۴/۱) جن علوم کو اللہ جل شانہٗ صدق اور جن عالموں کو صادقین و

صدیقین سے تعبیر فرماتا ہے اور جو اسلامی ادب میں بالعموم تصوف اور صوفی کہلاتے ہیں ان کی تحقیق اور تصدیق میں بعض لحاظ سے یہ اپنے طرز کی پہلی کتاب ہے جو قابل دید ہے۔

پہلا ایڈیشن مدت سے نایاب ہے۔ دوسرا ایڈیشن بعد نظر ثانی و اضافہ مضامین شائع ہوگا۔ ان شاء اللہ۔

(۲) تسہیل الترتیل قراءت کی ضرورت اور اہمیت۔ اس کے اصول و طریق۔ اس کے نکات و اشارات۔ خاص ترتیب سے نہایت سلیس اور عام فہم پیرایہ میں بیان کئے گئے ہیں۔ ہر محل پر قرآنی کلمات و آیات مع حوالہ جات بطور مثال کافی درج ہیں۔ نتیجہ یہ کہ قرآن کریم کے اکثر نازک اور دقیق مقامات بخوبی ذہن نشین ہوجاتے ہیں اور پڑھنے میں غلطی کا احتمال باقی نہیں رہتا۔ اصول قراءت سے واقف ہونے کے بعد تلاوت میں کچھ اور ہی لطف آتا ہے اور امر حق کا راز کھلتا ہے ورتل القرآن ترتیلا۔

یوں تو ماشاء اللہ فن قراءت میں متعدد اردو رسالے موجود ہیں لیکن اپنی ترتیب اور تفہیم کے لحاظ سے یہ رسالہ بھی قابل دید ہے۔ حافظوں کو نہیں اماموں کو، عربی کے طلباء کو عام قرآن خوانوں کو اس کا مطالعہ بہت مفید ہوگا۔ (زیر تالیف)

(۳) مشکوٰۃ الصلوات۔ ان اللہ وملئکتہ یصلون علی النبی یاایھا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما (۳۳/۴) حضور انور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں جو صلوٰۃ وسلام احادیث میں محفوظ ہیں۔ اور جو صلوٰۃ وسلام علماء عظام اور اولیاء کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کئے ہیں وہ اسلامی معارف اور عربی ادب کا بہترین سرمایہ ہیں گویا رفعنا لک ذکرک کی الہامی تفاسیر ہیں وانک لعلی خلق عظیم کی معنوی

تصاویر ہیں۔ ان کے مطالعہ سے حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی عظمت اور محبت دل میں پیدا ہوتی ہے ان کے ورد سے ماشاء اللہ نسبت محمدی کا فیضان جاری ہوتا ہے اور دین کی نعمتوں کا دروازہ کھلتا ہے۔

یہ بے بہا ذخیرہ بعض قدیم مجموعات مثلاً دلائل الخیرات وغیرہ میں فراہم کیا گیا تاہم اس کا بہت سا حصہ متفرق رہ گیا۔ بفضل الٰہی ایک جدید مجموعہ تیار ہوا ہے جس میں اکابر دین کے اکثر درود شریف بڑی تجسس اور تحقیق سے بہ ترتیب خاص جمع کئے ہیں۔ بڑی خوبی یہ کہ نبوت کے متعلق قرآن کریم کی بہت سی آیات صلوٰۃ کی شکل میں ترتیب دی ہیں۔ جن سے شان نبوی بخوبی واضح ہوجاتی ہے۔ غالباً اب تک صلوٰۃ و سلام کا کوئی مجموعہ اس قدر جامع اور وسیع شائع نہیں ہوا۔ فدائیان رسول کے لیئے بڑی نعمت ہے۔ پہلے دو اڈیشن ہاتھوں ہاتھ نکل گئے، تیسرا اڈیشن تاج کمپنی لاہور کے زیر اہتمام شائع ہوا ہے۔ قیمت ۸ ر

(۴) تحفۂ محمدی۔ اس میں عربی صلوٰۃ و سلام اور فارسی اردو نعتوں کا عجیب پُر اثر انتخاب درج ہے کہ ع جو روح کو گرما دے اور قلب کو تڑپا دے۔

یہ قابل دید مجموعہ ہے۔ مرد، عورت، بوڑھے، بچے، جوان۔ خاص و عام سب مسلمانوں کے واسطے حب محمدی کا بہترین سرمایہ ہے۔ میلاد مبارک کا بہترین تحفہ ہے۔ ایمانی لذات اور روحانی تفریح کا بہترین توشہ ہے۔ مکمل سٹ ۴ جلد۔ کئی اڈیشن ہاتھوں ہاتھ نکل گئے۔ تازہ اڈیشن تاج کمپنی لاہور کے زیر اہتمام شائع ہوا ہے۔ قیمت فی جلد ۴ر مکمل سٹ عمر۔

(۵) ہدایت الاسلام۔ تمدن حاضرہ کی بدولت جوں جوں معاشی اور سیاسی مصروفیت بڑھ رہی ہے۔ دین کی ضروری معلومات حاصل کرنے کا موقع بھی بہ مشکل نصیب ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ عام طور پر جدید تعلیم یافتہ

حضرات شعائر اسلام سے اس درجہ ناواقف ہیں کہ کسی عبادت یا مذہبی تقریب میں کبھی شرکت کا موقع آتا ہے تو ظاہری تقلید بھی ان کے واسطے دشوار ہوجاتی ہے لامحالہ دل میں ندامت ہوتی ہے جگ ہنسائی ہوتی ہے۔

اسی تعلیم یافتہ طبقہ کی خاطر ایک مختصر اور مستند مجموعہ ترتیب دیا ہے اس میں اسلامی عبادات اور تقریبات کے تمام ضروریات ادعیہ وغیرہ جن سے روزمرہ سابقہ پڑتا ہے یا پڑ سکتا ہے بترتیب خاص جمع ہیں۔ عربی متن کے ساتھ اردو ترجمہ بھی درج ہے۔ ان کے مطالعہ کے بعد اسلامی عبادات اور اسلامی اخلاق و آداب سے بخوبی واقفیت ہوجاتی ہے کسی موقع پر حیرانی و پریشانی کا احتمال باقی نہیں رہتا جدید تعلیم یافتہ مسلمانوں کو اس مجموعہ کی بالخصوص ضرورت ہے۔ (زیر تالیف)۔

(۶) فتوح الحکم۔ یہ ایک جدید تالیف ہے قطب الربانی غوث الصمدانی محبوب سبحانی حضرت غوث الاعظم سید عبدالقادر محی الدین جیلانی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے ارشادات فتوح الغیب میں اور خطاب فتح الربانی میں مرتب اور محفوظ ہیں لیکن ان کے علاوہ بھی حضرت کے ارشادات و خطبات کا بہت بیا بہا ذخیرہ کئی معتبر کتب میں موجود ہے۔ انشاء اللہ العزیز یہ تمام نعماء دینیہ خاص اہتمام سے مومنین کے واسطے عنقریب مہیا ہوجائیں گی۔ تالیف تقریباً مکمل ہوچکی۔ طباعت باقی ہے۔

(۷) فتوحات قادریہ۔ حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے تمام اذکار و اوراد ادعیہ اور وظائف خاص تحقیق سے فراہم کئے ہیں سلوک قادریہ کا اصلی مرقع ہے۔ طالبین کے واسطے بڑی نعمت ہے۔ یہ مجموعہ خاص اہتمام سے طبع ہو کر شائع ہوگا۔ انشاء اللہ۔

(۸) سلطان مبین۔ حضرت غوث الاعظم سید عبد القادر محی الدین جیلانی رضی اللہ عنہ کی حیات بابرکات خاص تحقیق کے ساتھ اس انداز سے مرتب ہوئی ہے کہ ظاہری اور باطنی سراپا پیش نظر ہو کر زبانِ دل بیساختہ پکار اٹھتے ہیں سے

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم   کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

(زیر تالیف)

(۹) مکاتیب المعارف۔ مرشدی و مولائی حضرت الحاج مولٰنا شاہ محمد حسین قبلہ چشتی القادری مدظلہ العالی کے مکتوبات شریف کا مجموعہ جس میں حقائق قرآنی اور تعلیم ربانی کا عجیب مرقع پیش نظر ہو جاتا ہے ایمان واعتصام کی عظمت دل میں بیٹھتی ہے اہل ایمان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں عجیب فیوض و برکات ہیں ماشاء اللہ ترتیب ہو رہی ہے۔ عنقریب اشاعت ہوگی۔ انشاء اللہ۔

(۱۰) صراط الحمید (جلد اول)۔ یعنی سفرنامہ مقامات مقدسہ عراق، شام، فلسطین و حجاز۔ ان چاروں اسلامی ممالک کے گوناگوں چشم دید حالات، نہایت دلچسپ و مفید معلومات، سیر و سفر کے مفصل ہدایات، غرضکہ سیاحت کے تمام ضروریات بالتفصیل مذکور ہیں۔

اکثر مقدس مقامات مثلاً بغداد شریف، کربلائے معلیٰ، نجف اشرف، کاظمین شریفین، سامرہ شریف، دمشق، بیت المقدس، بیت اللحم، خلیل الرحمٰن، ان سب مقامات کے متبرک زیارات و روایات۔ اولیائے کرام کی علمی فتوحات سب کچھ بہ تفصیل موجود ہیں۔ سب سے بڑھ کر مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ کے تفصیلی مشاہدات۔ ایمانی احساسات۔ بارگاہِ اقدس کے انوار و برکات۔ فیوض و

انعامات ۔ بیت اللہ شریف کی دینی تحقیقات ۔ فریضۂ حج کے تمام تفصیلات یعنی احکام و مسائل، طور و طریق، ادعیہ و صلوات، بترتیب و تفہیم خاص، کہ پھر کچھ دریافت کرنے کی ضرورت نہ رہے اور حج تمام و کمال بحسن و خوبی ادا ہو جائے ۔ بحول اللہ تعالیٰ ۔

سفرنامہ میں جا بجا قرآنی معارف، اور ایمانی نکات، وہبی واردات، روابط قلبی کے نازک اشارات، عبارت کی لطافت گویا آبحیات کہ پڑھ کر ایمان تازہ ہوتا ہے ۔ دل کو عقیدت و محبت کا مزا ملتا ہے ۔ مزید برآں خاص خاص زیارات کی ایک درجن عکسی تصویرات کہ شنید میں دید کا لطف آجائے گویا آنکھوں میں نقشہ پھر جائے ۔

ضمنی طور پر بمبئی، کراچی، بصرہ، حلب، حمص، حما، بیروت، حیفہ، قنطرہ، سویز، ینبوع، جدہ اور کامران ۔ ان مقامات کا بھی ضروری حال درج ہے اور مسافروں کو جہاں جو جو صورتیں پیش آتی ہیں وہ بھی واضح کردی ہیں کہ وقت پر حیرانی و پریشانی نہ ہو، ناواقفیت سے کچھ زیر باری نہ ہو۔

خلاصہ یہ کہ عامۃ المومنین اور بالخصوص حجاج و زائرین کے واسطے یہ سفرنامہ واقعی بڑی نعمت ہے گھر بیٹھے زیارت کا لطف آتا ہے ۔ سفر میں نہایت ہمدرد و رفیق اور واقف کار معلم کا کام دیتا ہے ۔ اس کے ہوتے ہوئے پھر کسی کی محتاجی نہیں رہتی ۔ پہلا اڈیشن نایاب ہو چلا تھا ۔ دوسرا اڈیشن نظر ثانی اور اضافۂ مضامین کے ساتھ شائع ہوا ہے ۔ قیمت صرف دو روپے ۔

(۱۱) صراط الحمید (جلد دوم) پہلی مرتبہ ۱۳۴۵ھ میں جو حج و زیارات کا شرف حاصل ہوا تو پہلا سفرنامہ صراط الحمید جلد اول میں شائع ہوا چنانچہ نظر ثانی ہو کر اضافۂ مضامین کے ساتھ اس کا دوسرا اڈیشن بھی شائع ہو گیا۔

۱۳۵۱ھ میں دوسری مرتبہ حج وزیارت کی سعادت حاصل ہوئی۔ حرمین شریفین میں حاضری نصیب ہوئی۔ تو دوسرا سفرنامہ تحریر میں آیا۔ جو صراط الحمید جلد دوم میں شائع ہوا۔ یہ سفرنامہ پہلے سفرنامے سے بالکل جداگانہ حیثیت رکھتا ہے عنوانات جدا۔ بیانات جدا۔ اس میں مکہ معظمہ مدینہ منورہ کے احوال بالخصوص اور حجاز کے معاملات بالعموم تفصیل سے درج ہیں۔ ضمناً بہت سے واقعات بیان میں آگئے ہیں۔ جو کافی دلچسپ ہیں۔ ان میں بعض خاص طور سے اہم ہیں اورنادر ہیں غرض کہ صراط الحمید جلد دوم کا بھی خاص رنگ ہے۔ جلد اول کے بعد جلد دوم پڑھنے سے لطف دوبالا ہوجاتا ہے۔ جلد دوم میں حرمین شریفین کے فوٹو بھی شامل ہیں قیمت صرف ایک روپیہ۔

(۱۲) قادیانی مذہب۔ یہ کتاب قادیانیت کا علمی محاسبہ ہے قادیانی تحریک کا مرقع ہے، جس سے اس تحریک کی ابتداء۔ عروج۔ زوال اور خاتمہ کا نقشہ پیش نظر ہوجاتا ہے۔ قادیانیت کے بانی مرزا غلام احمد قادیانی اور دیگر قادیانی اکابر کے ذاتی حالات۔ قادیانیت کے عقائد اور قادیانیوں کے اعمال بیس فصلوں کے تحت بترتیب نہایت شرح وبسط سے پیش کئے ہیں۔ لطف یہ کہ کل مضامین خود قادیانی کتابوں سے اقتباسات لے کر مع حوالہ درج کئے ہیں اس تالیف میں تقریباً سوا سو قادیانی کتابیں شامل ہیں جن میں پچاس سے زیادہ خود مرزا صاحب کی اور بقیہ قادیانی اکابر کی تصنیف وتالیف ہیں۔ یہ کتاب اپنی سند اور جامعیت کے سبب قادیانیت کی قاموس مانی جاتی ہے۔ تقطیع کلاں حجم ۱۲۰۰ صفحہ طباعت پاکیزہ، (پانچواں اڈیشن) قیمت صرف تین روپیہ۔ تاج کمپنی لاہور سے ملتی ہے۔

(۱۳) قادیانی قول وفعل۔ قادیانیوں کے عقائد کیا ہیں! اعمال کیا ہیں

منسوبے کیا ہیں ۔ تدابیر کیا ہیں ۔ تاویلات کیا ہیں ۔ عذرات کیا ہیں ۔ نتائج کیا ہیں آثار کیا ہیں ۔ جملہ امور قادیانی بیانات سے واضح کئے ہیں ۔ یہ گویا قادیانی مذہب کا خلاصہ ہے ۔ طباعت پاکیزہ حجم ۰۰ہ صفحے قیمت صرف ۱۲ار تاج کمپنی لاہور سے ملتی ہے

(ب) سلسلۂ منتخبات نظم اُردو

مروجہ غزلیات کی کثرت سے عموماً یہ خیال پھیل گیا ہے کہ اُردو شاعری کی ساری کائنات محض حسن و عشق اور گل و بلبل کی پارینہ داستان ہے مگر تحقیق سے ثابت ہوا کہ اردو میں بھی ہر رنگ کی بہتر سے بہتر نظمیں موجود ہیں البتہ وہ اب تک منتشر اور غیر معروف تھیں ۔ چنانچہ موجودہ انتخاب سے اس کی پوری تصدیق ہوتی ہے ۔ اردو کے تقریباً دو سو قدیم و جدید نامور شعراء کا بہترین کلام نہایت عجیب و غریب ترتیب کے ساتھ بارہ مستقل جلدوں میں پیش کیا گیا ہے جس کو دیکھ کر اردو شاعری کی وسعت و رفعت پر حیرت و مسرت ہوتی ہے دوسری زبانوں میں اس سلسلے کی کوئی نظیر نہیں ملتی ۔ ادب اردو کا عجیب دلفریب اور نادر تحفہ ہے جس کی بڑے بڑے ادیب اور نقادِ سخن نے داد بلکہ مبارکباد دی ہیں ۔ اردو خواں حلقوں میں اس سلسلہ کی دھوم مچ گئی اور اس کی مقبولیت روز افزوں ہے ۔ الحمد للہ

یہ سلسلہ یوں تو ۱۹۱۹ء سے بتدریج شائع ہو ہو کر ہاتھوں ہاتھ چلتا رہا لیکن ۱۹۲۴ء میں اس کی بارہ جلدیں اضافۂ مضامین اور جدید ترتیب کے ساتھ از سر نو شائع کی گئیں اور یہ ان کی مستقل شکل قرار پائی ۔ تفصیل ملاحظہ ہو ۔

پہلا سٹ

معارف ملت

جلد اول متعلق دینیات یعنی حمد، نعت، مناجات اور معرفت کی نظمیں جن میں دین و ایمان کی خوشبو مہکتی ہے۔ صاحب دلوں اور عاشقان رسول کے واسطے بڑی نعمت ہے۔

جلد دوم متعلق اسلامیات یعنی اسلام اور مسلمانوں کے ماضی حال اور مستقبل کی تفسیریں اور تصویریں جو روح کو گرماتی اور قلب کو تڑپاتی ہیں خاصکر واقعہ کربلا کے (۱۵) جگردوز نشتر لذت شہادت تازہ کر دیتے ہیں اسلامی مدارس کے واسطے بہت موزوں ہے۔

جلد سوم متعلق قومیات یعنی ہندوستان کی متحدہ قومیت کے متعلق دردمند اور وطن پرست شاعروں کا دل پزیر کلام جو عبرت سکھاتا اور غیرت دلاتا ہے۔ اس جلد میں چند قدیم شہر آشوب بھی قابل دید ہیں۔ قومی مدارس کے واسطے بہت موزوں ہے۔

جلد چہارم متعلق اخلاقیات یعنی اردو شاعری میں اخلاق و حکمت کے جو انمول موتی جواہر بکھرے پڑے تھے اور جو بہترین قومی سرمایہ ہیں۔ فراہم کر دئے گئے ہیں۔ یہ جلد لڑکوں اور لڑکیوں کے واسطے قابلِ قدر تحفہ ہے۔ تمام مدارس کے لئے یکساں مفید ہے۔

دوسرا سٹ

جذبات فطرت

جلد اول۔ اردو شاعری کے قافلہ سالار یعنی میر تقی میر اور مرزا رفیع سودا

کے کلام کا مربوط اور جامع انتخاب۔ یہ کتاب کالج کی اعلیٰ جماعتوں میں درس کے قابل ہے۔

جلد دوم۔ اردو کے مایۂ ناز شاعر مرزا غالب اور ان کے خاص ہمعصر یا خاص ہمرنگ شعرا ذوق، ظفر اور حسرت موہانی کے کلام کا انتخاب یہ کتاب بھی اعلیٰ جماعتوں کے درس کے قابل ہے۔

جلد سوم۔ تقریباً تیس قدیم مستند اور باکمال شعراء کے کلام کا اعلےٰ انتخاب جو اپنی قدامت اور جامعیت کے لحاظ سے قابل دید ہے۔

جلد چہارم۔ تقریباً ساٹھ جدید مشہور و مقبول شعرا کے کلام کا دلکش انتخاب شاعری کے جدید دور کا اس سے خوب اندازہ ہو سکتا ہے۔

تیسرا سٹ

مناظر قدرت

جلد اول متعلق اوقات۔ یعنی صبح۔ شام، دن، رات، دھوپ، چاندنی، موسم گرما، سرما، برسات اور بہار کے دلکش مناظر نظموں میں اس خوبی سے عکس فگن ہیں کہ ان کو دیکھ کر طبیعت وجد کرنے لگتی ہے۔ نیچر پرستوں کے لئے یہ جلد قدرت کی دل فریبیوں کا بہترین موقع ہے۔

جلد دوم متعلق مقامات یعنی آسمان، زمین، پہاڑ، جنگل، میدان دریا، کھیت، باغات، شہر اور عمارات۔ شاعروں نے ان سب کی ایسی تصویریں کھینچی ہیں کہ نظمیں پڑھتے وقت گویا ہم آنکھوں سے ان کی سیر کر رہے ہیں۔

جلد سوم متعلق نباتات و حیوانات یعنی پھول پھل۔ کیڑے پتنگے۔

تتلیاں، چڑیاں، پرندے چرندے، چوپائے اور متفرق جانور وغیرہ ان سب کے متعلق نظمیں پڑھنے سے اندازہ ہو سکے گا کہ اردو شاعروں نے اشیاءِ قدرت کا کس حد تک مطالعہ کیا ہے اور مشاہدات میں کہاں تک جان ڈالی ہے۔

جلد چہارم متعلق عمرانیات یعنی ہندوستان کے تمدن، رسم ورواج، عید تیوہار، غمی، شادی، میلے ٹھیلے، صحبتیں، جلسے، کھیل تماشے، وضع لباس صورت شکل، ہنسی مذاق، بزم اور رزم سب طرح کے حالات پیش نظر ہو کر دل کو بے چین کرتے ہیں۔ مناظر قدرت کی چاروں جلدیں زنانہ مدارس کے واسطے خاص کر بہت موزوں ہیں۔

غرض کہ شعر وسخن کا عجیب دلکش انتخاب ہے۔ شریف اور مہذب گھرانوں میں لڑکوں لڑکیوں، مردوں، بیبیوں اور بڑے بوڑھوں کی خوش وقتی اور تفریح طبع کے لئے اس کے مطالعہ سے بہتر کوئی مشغلہ ملنا مشکل ہے شاید ہی کوئی علم دوست گھر اس سلسلے سے محروم رہنا گوارا کر سکے۔ کل بارہ جلدیں۔ خوشخط خوش قطع۔ خوشنما مجلد قیمت فی جلد صرف ایک روپیہ ۔عـہ

سلسلۂ منتخبات نظم اردو کی اشاعت مکتبۂ جامعہ ملیہ دہلی کے تفویض ہوگئی ہے۔ اس سلسلہ کی کتابیں وہیں سے ملتی ہیں۔

(۱۳) جواہر سخن۔ فارسی شاعری کا بہترین کلام ایک جدید اصول پر زیر ترتیب ہے انشاءاللہ بہت دلکش اور دلپذیر ہوگا۔

(ج) سلسلۂ معاشیات

(۱) علم المعیشت۔ جدید مغربی علم اکنامکس میں اردو پر سب سے پہلی نہایت مستند اور جامع کتاب ہے مشکل سے مشکل معاشی اصول ومسائل کو ایسے

سلیس اور دلچسپ پیرایہ میں بیان کیا ہے کہ کتاب کے مطالعہ سے نہ صرف نئے نئے مضامین بخوبی ذہن نشین ہوتے ہیں بلکہ خاصی دماغی تفریح حاصل ہوتی ہے۔ خوبی مضامین کی بدولت ہندوستان کے ہر حصے میں یہ کتاب ہاتھوں ہاتھ فروخت ہورہی ہے۔ لطف یہ ہے کہ ہندوستانی یونیورسٹیوں میں اکنامکس کے متعلم بیسیوں ضخیم انگریزی کتابوں کے ہوتے ہوئے اس کو بہت شوق سے پڑھتے ہیں اور فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال جو خود بھی معاشیات کے عالم ہیں تحریر فرماتے ہیں:۔

"آپ کی کتاب علم المعیشت اردو زبان پر ایک احسان عظیم ہے اور مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں ہے کہ اکنامکس پر اردو میں یہ سب سے پہلی کتاب ہے اور ہر لحاظ سے مکمل۔"

بسلسلۂ مطبوعات انجمن ترقی اردو (دہلی) تیسرا اڈیشن بنظر ثانی شائع ہوا ہے۔ حجم تقریباً ۸۰۰ صفحے قیمت پانچ روپیہ (صمہ)

(۲) اصول معاشیات۔ پہلی کتاب علم المعیشت عام وخاص قارئین کے واسطے نہایت سہل اور سلیس پیرایہ میں لکھی گئی لیکن خاص طلبہ کے واسطے کسی قدر دقیق اور دشوار مباحث کی ضرورت تھی۔ چنانچہ مضامین میں کافی ردوبدل اور تخفیف واضافہ کرکے یہ جداگانہ نصابی کتاب تیار کی گئی۔ دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن سے شائع ہوئی خوشنما جلد تقطیع کلاں حجم ۶۰۰ صفحے قیمت پانچ روپیہ (صمہ)

(۳) معیشت الہند۔ ہندوستان کے گوناگوں معاشی حالات جن کا جاننا ملک کی اصلاح وترقی کے واسطے آجکل ازحد ضروری ہے کافی تحقیق اور تنقید کے بعد بہت سلیس اور دلچسپ طرز پر علمی پیرایہ میں

بیان کئے گئے ہیں۔ علم المعیشت اور اصول معاشیات میں جو نظری مسائل
بیان ہوئے ہیں اس کتاب کے ذریعہ سے ان کا ہندوستان میں عملدرآمد
دکھایا گیا ہے خاص کر زر (کرنسی) بنک اور تجارت خارجہ جیسے اہم مباحث
قابل دید ہیں۔ یہ بھی بلا مبالغہ اردو زبان میں اپنی قسم کی پہلی جامع اور
مستند کتاب ہے۔ مدت سے شائقین کو انتظار تھا۔ الحمد للہ کہ دارالترجمہ
جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن سے شائع ہو گئی ہے۔ خوشنما جلد تقطیع کلاں حجم
تقریباً ۵۰۰ صفحے قیمت پانچ روپیہ چار آنہ (۵/۴)

(۴) مالیات۔ پبلک فینانس پر اردو میں سب سے پہلی جامع اور
مستند کتاب ہے۔ مہذب اور ترقی یافتہ سلطنتوں میں آمدنی کے کیا کیا
ذرائع اور خرچ کی کیا کیا مدیں ہیں اور محاصل اور مخارج کا انتظام کس نہج
پر قائم ہے سلطنتوں کی مالی ترقی اور مرفہ الحالی کے کیا اسباب ہیں اور
ان کا کیونکر عملدرآمد ہوتا ہے۔ یہ تمام دقیق اور اہم مباحث نہایت
سلیس اور دلچسپ طرز پر علمی پیرایہ میں بیان کئے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ
ہندوستان کے مالی نظام کو بالتفصیل بطور مثال پیش کیا ہے۔ اس کی
تنقیح اور تنقید کی ہے۔ ہندوستان کے قومی رہبروں اور رئیسوں کو اس
کتاب کا مطالعہ بہت مفید بلکہ از حد ضروری ہے۔ (زیر تالیف)

(۵) مقدمۃ المعاشیات۔ مورلینڈ صاحب کی انگریزی کتاب
"انٹروڈکشن ٹو اکنامکس" کا سلیس اور بامحاورہ اردو ترجمہ جس میں معاشیات
کے ابتدائی اصول و مسائل بیان کئے گئے ہیں تقطیع کلاں حجم تقریباً ۳۰۰ صفحے
مجلد دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن سے شائع ہوئی ہے۔ قیمت
تین روپیہ (سے ۳)

(۶) معاشیات ہند۔ مسٹر پرمتھ ناتھ نبرجی کی انگریزی کتاب "انڈین اکنامکس" کا سلیس اور بامحاورہ اردو ترجمہ جس میں مختصر طور پر ہندوستان کے معاشی حالات بیان کئے گئے ہیں۔ تقطیع کلاں حجم تقریباً ۳۰۰ صفحے مجلد دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن سے شائع ہوئی ہے۔ قیمت تین روپیہ آٹھ آنہ (عہ)

(۷) برطانوی حکومت ہند۔ انڈرسن صاحب کی انگریزی کتاب "برٹش اڈمنسٹریشن ان انڈیا" کا سلیس اور بامحاورہ اردو ترجمہ جس میں مختصر طور پر حکومت ہند کا انتظام اور طریق عمل بیان کیا گیا ہے۔ تقطیع کلاں حجم تقریباً ۲۰۰ صفحے مجلد دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن سے شائع ہوئی ہے۔ قیمت دو روپیہ (عہ)

الحمد للہ کہ حسب صراحت بالا منجملہ ۳۲ کتب کے جو تصنیف تالیف یا ترجمہ ہوئیں یا ہو رہی ہیں۔ ۲۵ شائع ہو چکی ہیں۔ جو باقی ہیں۔ اللہ مالک ہے وما توفیقنا الا باللہ۔

اکثر کتابیں شہروں میں بڑے کتب فروشوں سے ملتی ہیں۔ خاص حیدرآباد میں۔ مکتبہ ابراہیمیہ (عابد شاپ) سے بھی مل سکتی ہیں۔

برقی اعظم جاہی پریس حیدرآباد